Done

سلسلۂ نصابات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

رولز آف انڈیا

(ہند کے حکمراں)

مادھوجی سندھیا

مصنفۂ

ایچ - جی - کین سی - آئی - ای، ایم - اے

مترجمہ

حکیم سید محمد عبد السلام صاحب ایم - اے منشی فاضل

۱۳۴۱ھ مطابق ۱۳۳۲ف مطابق ۱۹۲۳ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
جس کو حق کاپی رائٹ حاصل ہے
طبع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین مادھوجی سندھیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مصنف

صفحہ ۵ مندرجہ ذیل صفحات میں ناظرین کی دلچسپی کا سامان ایسے واقعات کو پیش کر کے مہیا کرنے کی کوشش کیگئی ہے جو بادی النظر میں خاص دلفریبی نہیں رکھتے اور موجودہ صورت حالات سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کی توجیہہ صرف یہ کیجا سکتی ہے کہ یہ بھی فرمانروایان ہند کے سلسلے کی ایک کڑی ہے اور بس۔ جس شخص کا حال ہم لکھنے والے ہیں وہ ایک ہندوستانی فرمانروا تھا جسنے عدیم المثال مشکلات کے زمانے میں عدیم النظیر قابلیتوں کا اظہار کیا ہے۔ نادر شاہ کے تاراج دہلی سے پہلے یہ شخص پیدا ہوا اور لارڈ لیک کے تسخیر دہلی کے دس سال کے پہلے کے زمانے تک زندہ رہا اس لیئے اس کا عہد حکومت خاص اُس نازک زمانے سے منطبق کیا جاسکتا ہے جو شام طوائف الملوکی و بدامنی اور صبح نظم و حکمرانی کا درمیانی وقفہ تھا اور اس شب تاریک کے کاٹنے میں اس شخص کی انتھک کوششوں نے بڑی مدد کی چونکہ وہ خود نظم و ترتیب کا دلدادہ تھا اس لیئے اُس نے جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ جنگ و غارتگری کی بدترین تباہ کاریوں کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیا جائے اور جو لازمی پست اخلاقی ایسے حادثات سے پیدا ہو جاتی ہے اُس کا قرار واقعی علاج کیا جائے اور معاشرت کے مسترخی و معطل اعصاب کو پھر مداوائے اصلاح و نظام قبول کرنے کے لیئے تیار کیا جائے۔ ہندوستان (یعنے سلطنت مغلیہ کے شمالی صوبے) ایک زمانے تک متمدن و خوشحال رہ چکا تھا۔ مشہور سیاح ٹیورنیر ۱۶۶۹ئہ کے زمانے میں عہد شاہ جہانی پر بدیں الفاظ تبصرہ کرتا ہے۔

> "وہ عظمت والا بادشاہ جس کے عہد میں ملکی حکومت ایسے سخت ضوابط کی
> صفحہ ۶ پابند تھی اور خاصکر شاہراہائے عام کی حفاظت و نگہبانی ایسی معقول تھی کہ کبھی
> کسی شخص کو قزاقی کی پاداش میں سزائے موت دینے کی نوبت نہیں آتی تھی۔"

لیکن اس کے ایک ہی صدی بعد ملک کی جو حالت ہوگئی تھی اُس کا اندازہ

مندرجہ ذیل الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

خانہ جنگیوں نے مُلک کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا اور نظام تمدن کے ہر کُن اختلال سے ہر دل دردمند تھا۔ ہر قسم کی بدکرداری کا دور دورہ تھا۔ شرع و قانون کو لکہ کوب کر دیا گیا تھا اور نہ صرف شخصی تعلق و اتحاد کے رابطے بلکہ نظام معاشرت و حکومت کے سلسلے بھی ٹوٹ گئے تھے اور ہر فرد بشر یہ سمجھتا تھا کہ اُس کی سکونت کسی بیابان میں ہے جہاں سوائے درندوں کے اور کوئی نہیں رہتا اور جہاں صرف اپنے ہی بل بوتے پر اپنی حفاظت کا انتظام ممکن ہے۔ (منقول از ڈورجس نے خود ہندوستانی راوی کا حوالہ دیا ہے)

زوال سلطنت مغلیہ کے بعد اس رنگ کی اخلاقی بدنظمی مُلک پر طاری ہو گئی تھی۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ برطانوی حکومت نے ان نقوش بدنظمی کو مٹا کر مہر تمدن کو از سر نو ثبت کیا تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یہ سندھیا ہی تھا جس کا احسان رعایائے برطانیہ کو اس لیئے ماننا چاہیئے کہ اُس نے اس معراج نظم و ترتیب کا پہلا زینہ تیار کرنے میں امداد کی؛

اگرچہ یہ تذکرہ بہت مختصر ہے پھر بھی کسی طرح یہ ممکن نہوا کہ بعض بیرونی اور غیر متعلق واقعات کو اس میں شامل نکیا جاتا۔ اگر محض سوانحعمری کا لکھنا ممکن ہوتا تو ایسی خشک کتاب نہ ناظرین کو کوئی تفریح پہنچا سکتی نہ کوئی سبق دے سکتی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ موجودہ میں مصنفین نے فرانس کے اصول تاریخ نویسی یعنے محض واقعہ نگاری سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا ہے۔ مثلاً مسٹر رسل لوئل کی تصنیف موسومہ ایسے آن ملٹن (Essay on Milton) کو دیکھنے پر یہ رائے قائم کیجا سکتی ہے کہ یہ ایک فاضل اہل قلم کی لکھی ہوئی ملٹن کی سوانحعمری ہے اور بس۔ یعنے تمام صفحات ایک رنگ میں پڑھتے چلے جائیے اور وہ رنگ کہیں بھی واقعات حاضرہ میں ملٹن کے تذکرہ یا اُس کے کلام کے تبصرے سے نہیں بدلا گیا ہے اور ایک قابل نقاد نے نہایت صحیح رائے اس تصنیف پر یہ ظاہر کی ہے کہ اس کتاب کا پڑھنے والا اپنے دل کو صرف یہ کہکر سمجھا سکتا ہے کہ یہ موئے سیگوں والا اجنبی جس کا حال ہم پڑھ رہے ہیں منصۂ شہود پر محض ایک تماشائی ہے لیکن جو ڈراما اس وقت پیش کیا جا رہا ہے اُس میں اصل ہیرو کو اُن منظروں اور تماشوں سے متعلق و منطبق کر کے دکھایا گیا ہے جن میں خود اُس نے

نہایت با اثر حصہ لیا تھا۔ زوال پذیر سلطنت مغلیہ سے جتنا سندھیا کا تعلق تھا اُتنا ہی پُر جوش و حوصلہ مند مرہٹہ لشکر سے بھی تھا اور اُس کی مکمل شخصیت کو جب ان تعلقات کی روشنی میں دیکھا جائے تب اُس کی حقیقت بے نقاب نظر آسکتی ہے۔ سندھیا جیسے انسان کی خلوت و جلوت یکساں ہے اس لیئے اگر یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا تھا تو یہ دکھانے کی ضرورت پڑیگی کہ اُس نے کیا کیا؛

اس لیئے ہم کو سب سے پہلے یہہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ سلطنت کیا تھی جس کی حالت نزع میں ہمارے ہیرو نے امداد کی اور جس کی فرمانروائی میں اُس نے کچھ عرصہ تک حصہ لیا۔ اور ہم کو طوائف الملوکی کے چند ایسے نمونے تلاش کرنے چاہئیں جن سے اُس نے ہندوستان کو نجات دلائی۔ ساتھ ہی اس کے ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سندھیا ہندوستان خاص کا باشندہ نہیں تھا اسلیئے اس کی زادوبوم یعنے جنوبی ہند کے اُس پراسرار طبقہ کی شان تمدن کا مطالعہ کرنا چاہیئے جسنے کرناٹ کی حملکت کی کہنی عظمت کے پراگندہ اجزا کو اپنے ہاتھ میں لیکر تمام جزیرہ نمائے جنوبی کو ایک عالمگیر ہندو سلطنت کی صورت میں مجتمع و متحد کر لینے میں قریب قریب کامیابی حاصل کر لی تھی؛

یہہ صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ ایک کثیر الواقعات اور مختلف الالوان موضوع اس قدر مجمل و مختصر تدوین و ترتیب کے سانچے میں ڈھالا جائے کہ تنگ ترین ظرف میں اُس کی گنجائش نکل آئے اور اُس کے لیئے صرف یہ عذر کر کے اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے کہ جتنی کسی غیر معمولی مختصر کتاب کے پڑھنے میں الجھن ہوتی ہے اُتنے ہی اُسکے لکھنے میں پیچ پڑتے ہیں

ہماری اس چھوٹی سی تعمیر کا گلاؤ[1] زیادہ نہیں ہے مگر پسار بہت ہے، جو لوگ مزید معلومات کا شوق رکھتے ہیں اُن کے استفادے کے لیئے ہم مندرجۂ ذیل ماخذوں کا حوالہ دے سکتے ہیں جن سے خود ہم نے نقل و اخذ کیا ہے:۔

(۱) ہسٹری آف دی مرہٹاز مصنفہ جمیس گرانٹ ڈف۔ ۳ جلد۔ مطبوعہ ۱۸۲۶ء صفحہ

(۲) میمائرز آف سنٹرل انڈیا مصنفہ سر جان ملکم۔ ۲ جلد۔ مطبوعہ ۱۸۲۰ء

[1] معماروں کی اصطلاح میں بنیاد کی گہرائی کو گلاؤ اور اُس کے اندرونی پھیلاؤ کو پسار کہتے ہیں۔ گلاؤ گلنے کا حاصل مصدر ہے اور پسار پسرنے کا۔ پہلا لفظ دلدل کے گلنے یا دھنستے جانے سے لیا گیا ہے اور دوسرا ٹھیٹھ ہندی ہے جس کے معنے پاؤں پھیلا کر بیٹھنے یا لیٹنے کے ہیں۔ ۱۲ مترجم

(۳) میمائرز آف کرنل جیمز سکنر سی بی ۔ مصنفۂ بیلی فریزر ۔ ۲ جلد ۔ مطبوعہ ۱۸۵۱ء

(۴) میمائرز ڈیوکاسٹی ڈی بائن ۔ مطبوعہ ۱۸۲۹ء

(۵) سیرالمتاخرین مصنفۂ غلام حسین خاں ۔ اس کا ترجمہ وارن ہیسٹنگز کے دفتر کے ایک فرانسیسی محرر مسمی ریمنڈ نے کیا ہے ۔ مترجم کے حاشیئے دلچسپ ہیں ۔ تین جلد

(۶) تاریخ مظفری ۔ غیر مطبوعہ غیر مترجمہ مسودہ ہے جسے ایک مسلمان اہل قلم نے تصنیف کیا ہے جو بہار کے نائب صوبہ دار محمد رضا خاں مظفر جنگ کا ملازم تھا اور اپنے آقا کے نام پر اپنی تصنیف کو موسوم کیا ہے ۔ ان تصانیف کا کچھ حوالہ ڈاؤلن کی تصنیف موسومہ ایلیٹ جلد ہشتم میں بھی پایا جاتا ہے ۔

(۷) فائنل فرنچ کمسٹر گلس ۔ مصنفۂ کرنل مسلیس ۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۴ء ۔ اس کتاب میں جنرل ڈی بائن کی کارگزاریوں کی اور بعض کم درجے کے یورپین طالع آزماؤں کی کارروائیوں کی پوری تفصیلیں دی گئی ہیں ۔


(۸) اکثر موقعوں پر امپیریل گزٹیر آف انڈیا سے بھی امداد لی گئی ہے ۔

سنہ ۱۷۶۰ء[1] کی جنگبازی کی تفصیل خاص طور سے پنڈت کاشی رائے کے تذکرے سے اخذ کی گئی ہے ۔ [ایشیاٹک ریسرچز جلد ۳ یہ شخص نواب اودھ کا منشی خاص تھا اور ابتدائی نامہ و پیام میں بھی شریک رہا اور میدان جنگ میں بھی موجود تھا ۔ اس کا تذکرہ اس وجہ سے اور بھی قابل لحاظ ہے کہ جنگی کارروائیوں کی یہ بے نظیر تفصیل ایک ہندو مصنف نے کی ہے جو خود اہل سیف سے نہیں تھا ۔ صفحہ (۹)

(۱۰) فارسٹ کی تصنیف موسومہ انتخاب دستاویزات سرکاری حکومت ہند ۔ ۳ جلد ۔ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء میں وارن ہیسٹنگز کی یادداشتوں اور مراسلتوں کا ایک بیش قیمت مجموعہ پایا جا سکتا ہے اور اسی سلسلے میں کپتان ٹراٹر کی تاریخ بھی قابل ملاحظہ ہے]

---

[1] سنہ ۱۷۶۱ء کی توپکشی کا تفصیلی تذکرہ جس میں اس واقعے کا اُس زمانے کے دوسرے واقعات سے مقابلہ بھی کیا گیا ہے میری کتاب فال آف دی مغل ایمپائر (زوال سلطنت مغلیہ) طبع ثالث ۱۸۸۶ء میں پایا جا سکتا ہے ۔ ہلکر کے نقطۂ نظر کا ماخذ گرانٹ ڈف جلد دوم صفحہ ۱۵۶ ۔ ۱۴۰ کو سمجھنا چاہیئے ۔ ٹاڈ کی تصنیف موسومہ راجستان سے کچھ اخذ کرنے کی توجیہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ یہ ایک شاندار تصنیف ہے جس میں قیمتی معلومات کا بڑا ذخیرہ ہے اور تمام کتاب ایک پُر لطف جوش کے ساتھ لکھی گئی ہے لیکن اس کی یہی صفت موجودہ مصنف کو معذور قرار دیتی ہے کہ وہ دیگر قبائل ہنود کے راجپوتوں کے ساتھ تعلقات پر تبصرہ کرنے میں اس تصنیف کو اپنا مشعل راہ بنائے ۔ مصنف



باب اول صفحہ ۱۱

مبادیات

ہمارا ہیرو جس ہندو اتحاد کا رکن رکین تھا اُس کو ایک ایسے ضمنی واقعہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو اُس مزمن جہد حیات کے دوران میں پیش آگیا تھا جو اقلیم ہند میں آٹھ سو برس سے ہندوؤں اور اُن کے ہم وطن مسلمانوں کے مذہب و معاشرت میں برابر ہوتی چلی آرہی تھی۔ حقیقتہً ہندو یا مسلمان دونوں میں سے کسی ایک طبقے کو بھی اقلیم ہند کے اعتبار سے ملکی نہیں کہا جاسکتا مگر چونکہ ہندو فاتحون الاولون ہیں اور ہند کے اصلی باشندوں کے ساتھ ایک حد تک اپنی معاشرت اور نسل کو مخلوط کر چکے ہیں اس لیئے اگر کسی طبقے کو ہندی قوم کا لقب دیا جاسکتا ہے تو اس کا استحقاق اس قاعدے کی رو سے ہندو طبقے کو ہی حاصل ہے

سنہ ۶۴۰ئہ میں چینی زائر مسمی ہیون سیانگ کی سیاحت کے وقت مہاراشٹر ایک ہندو مملکت تھی جس کا دارالحکومت کلیانی یا کلیان تھا جو بمبئی کے قریب واقع تھا۔ اس مملکت کے مغرب میں سمندر واقع تھا۔ شمال میں دریائے نربدا تھا۔ مشرق میں بان گنگا ندی تھی اور جنوب میں کرشنا ندی تھی۔ سولھویں صدی عیسوی میں پرتگالیوں نے مملکت مہاراشٹر میں اچھے خاصے قدم جمالیئے تھے جن کے نشانات ابتک موجود پائے جاتے ہیں جن میں سے شہر گوا اور اُس کے مضافات خاص طور سے قابل لحاظ ہیں۔

اس ملک کے باشندے کچھ عرصے تک اپنے ملک ہی کے نام سے موسوم کیئے صفحہ ۱۲
جاتے رہے کیونکہ سلطان محمد تغلق جس نے جنوبی ہند پر چودھویں صدی کے وسط میں حملہ کیا تھا تاریخ میں اس قوم کو مرہٹ کہکر یاد کیا گیا ہے۔ اور اس سے کچھ عرصے بعد بھی جہاں اس قوم کا تذکرہ بیجاپور کی مسلمان سلطنت کے سلسلے میں کیا گیا ہے ہم اُن کو اسی نام سے موسوم پاتے ہیں۔ عادل شاہی خاندان بیجاپور کے پہلے فرماں روا یوسف عادل شاہ نے مہاراشٹر ہی کے ایک ہندو سردار کو بارہ ہزار پیدل سپاہ کی

قیادت سپرد کی تھی اور اسی خاندان کے دوسرے فرمانرواؤں کے عہد میں یہ قوم آزادی کے ساتھ مناصب جلیلہ پر سرفراز ہوتی رہی یہ لوگ سبک سیر سوار کہلاتے تھے اور قرائن اس قیاس کے موجود ہیں کہ انھی نے بیجاپور کے مسلمانوں کو قزاقانہ جنگ (گوریلا وارفیر) کا وہ طریقہ سکھایا تھا جس میں مہارت حاصل کر کے سلطنت بیجاپور اپنے دشمنوں کے حملوں [illegible] برس تک کامیابی کے ساتھ مدافعت کر سکی ۔

اس طرز جنگبازی نے اس قدر شہرت حاصل کر لی تھی کہ آجکل کے تاریخ داں مہاراشٹر کے تمام باشندوں کو بالکل ایک قوم اور ترکتازوں کا ایک قبیلہ سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن اصلی واقعات اس خیال کی تصدیق نہیں کرتے ۔ غائر نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دیگر ہند و طبقات کی طرح اہل مہاراشٹر بھی مختلف طبقات میں منقسم تھے ۔ ان میں برہمن تھے جو کاروبار مملکت میں سب سے ممتاز تھے۔ ان میں جنگجو راجپوت تھے جو راجپوت تارکان وطن کی نسل سے ہونیکے مدعی تھے۔ ان میں کنبی تھے جو زراعت پیشہ تھے۔ اور ان میں ایک جمیل گروہ اہل حرفہ یا پیشہ وروں کا تھا جو ملکی زبان میں شنکر جاتی کہلاتے تھے جو غالباً ہندو فاتحین اور اصلی قدیم باشندوں کی مخلوط نسل سے تھے ۔ اُن کی مملکت
صفحہ ۲۰ میں پنچائتی برادری اور جنگی سلطنت کی دونوں شانیں موجود تھیں یعنی بادشاہ کے مشیر برہمن تھے اور مواضعات کی پنچائتیں اپنے بہترین نوجوانوں کو مقامی فوج میں شریک ہونیکے لیئے بھیجا کرتی تھیں۔ ان دہقانی سربازوں کو اُن کے متکبر اور نمائش پسند مسلمان ہمچشم اس لیئے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے کہ نہ وہ لشکر میں کوئی نمائشی شوکت رکھتے تھے نہ میدان جنگ میں کوئی مصنوعی آن بان دکھاتے تھے بلکہ ہر جگہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے لیکن یہی وہ اوصاف تھے جن کی وجہ سے اہل مہاراشٹر کو اُس وقت ابتدائی کامیابیاں حاصل ہوئیں جبکہ اسلامی طاقت کا زوال شروع ہوا۔ اگر مغل کسی طرح اپنی قومی پستی کو سنبھال لیتے اور ساتھ ہی ان مرہٹوں کو کاسک یا الہن قوموں کی طرح اپنے جرار لشکروں میں شریک کر لیتے تو وہ اُن کو دکنی فتوحات کے حاصل کرنے میں یقینی کامیابی کے ساتھ کام میں لا سکتے تھے ۔ اور غالباً اس معقول منصوبے میں کامیاب ہو جاتے جس کا ماحصل یہ تھا کہ تمام جنوبی جزیرہ نمائے ہند کو ایک مستحکم سلطنت کا جزو لازم بنا لیا جائے ۔ لیکن سچی مثل یہ مشہور ہے گندم از گندم بروید جو ز جو ۔ اور جس وقت کہ شہنشاہ

اورنگ زیب عالمگیر کی زبردست مگر غلط تدبیر نے تمام قضیہ طے کردیا تو جنوبی ہند کی اسلامی سلطنتوں کی تباہی سے مرہٹہ حوصلہ مندی کے لیئے وسیع میدان عمل صاف ہوگیا۔ اب اُن کو وہ موقعہ ہاتھ آگیا جس کا اُنھیں عرصے سے انتظار تھا۔ انھوں نے اپنے منصوبوں کو وسیع تر کر کے اپنی شان کو رعب دار بنالیا۔ اور ایک طرف اپنے اصلی مقبوضات کی توسیع شروع کردی اور دوسری طرف اپنے بالواسطہ اثر کو ہر طرف بڑھانا شروع کردیا۔ جیسے جیسے یہ توسیع ترقی کرتی گئی ویسے ویسے اُنھوں نے اس کو اپنا شعار قومی بنانا شروع کردیا کہ دوسری سلطنتوں کے باشندوں سے بھی خراج وصول کرنے لگے۔ آخر کار اُن کا یہہ خراج وصول کرنے کا سلسلہ تمام جزیرہ نما پر پھیل گیا۔ اُن کی مملکت کو سلطنت نہیں بلکہ ضد سلطنت کہا جاسکتا ہے۔ اُن کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ "یہہ دوسروں کا کام ہے کہ وہ ملکی انتظام اپنے ہاتھ میں لیں اور اپنی رعایا کی بہبودی و مرفہ الحالی کی خبر گیری کریں۔ وہ اُن مکھیوں کی طرح ہیں جو اپنے لیئے شہد نہیں جمع کرتی ہیں۔ اُن کے نہایت سرسبز و متمول قصبات و مواضعات سے ہم بلا غیر ضروری تشدد یا نقصان رسانی کے اپنا باقاعدہ طے شدہ خراج پچیس فیصدی کل آمدنی پر وصول کرینگے اور اتنی رقم کسی کی امن و آسائش میں مداخلت سے باز رہنے کے لیئے کوئی سخت دھونس بھی نہیں ہے"۔ ورجل اپنے ہم قوموں کو نصیحت کرتا ہے کہ اے رومیو! یہہ یاد رکھو کہ تم کو قوموں پر حکومت کرنا ہے۔ برخلاف اس کے مرہٹہ امان دہی کا اصول یہہ تھا کہ "محکوم نہ بنانے کا معاوضہ ضرور وصول کرنا چاہیئے"۔

اس عجیب و غریب قوم کی قوت کا عروج شاہجہاں کے عہد میں شروع ہوا اور اُسکا سنگ بنیاد شاہجہاں کی اُس غیر معمولی جد و جہد کے دوران میں رکھا گیا جو شاہ موصوف نے بیجاپور کو اپنی سلطنت میں ملحق کرنے اور اُس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیئے کی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں مملکت بیجاپور کی تفصیلی تاریخ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ جنوبی ہند کی ایک قدیم مسلمان سلطنت سے جو خاندان بہنی کے زیر نگین تھی پندرھویں صدی عیسوی کے آخری زمانے میں بیجاپور ایک معمولی صوبہ کی حیثیت سے ایک ترکمان صوبیدار یوسف عادل کی عملداری میں علیحدہ ہوکر خود مختار ہوگیا اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے اس نے ایک مستقل مملکت کی صورت اختیار کرلی۔ شاہجہاں کے زمانے میں اس مملکت کا فرماں روا نابالغ تھا اور ریاست کی مدار المہامی ایک مرہٹہ سردار شاہ جی بھونسلا

صفحہ ۱۵ کے ہاتھ میں تھی جس نے نظام شاہ احمد نگر کی قوت کے پامال کرنے میں شاہجہاں کی امداد کی تھی اور یہی شاہ جی بھونسلا بعد کو اس مشہور خاندان کا بانی ہوا جس کو اس کے بیٹے نے چند روز کے لیئے چار چاند لگا دیئے تھے۔ چنانچہ شاہ جی کا سب سے بڑا امتیازی نشان یہی ہے کہ وہ سیواجی جیسے ممتاز مرہٹہ سردار کا باپ تھا۔

یہہ سربرآوردہ سردار یعنی سیواجی ابتدائے عمر ہی میں اپنے باپ سے کئی قدم آگے بڑھ گیا۔ اُس نے قلعہ جات پر قبضہ کر لیا۔ پیدل و سواروں کی ایک باقاعدہ تنخواہ دار فوج ترتیب دے لی اور آخر کار بادشاہ کے نفرالبغض و القاب اختیار کر لیئے۔ اُس نے بیجاپور اور مغلوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو توڑ ڈالا اور اُس شدید مخاصمت و بے صرفہ تاخت کی بنیاد ڈالی جس نے اُس کے جانشین کے زمانے میں اورنگ زیب کے دانت کھٹے کر دیئے اور سلطنت مغلیہ کے اندر زوال کے جراثیم پیدا کر دیئے۔ سیواجی کے پوتے کو نوعمری کے زمانے سے دربار مغلیہ میں نظربند رہنا پڑا تھا اس لیئے اُس نے مغلوں کے اطوار و عادات اختیار کر لیئے اور سیواجی کی مملکت کا انصرام برہمن وزرا کے خاندان کے ہاتھ میں آگیا جن کے عہد میں مُلکی انتظام نہایت باضابطہ ہو گیا اور فوجی نظام نے ترقی پاکر بہت کچھ شان و شوکت حاصل کر لی۔ آخر کار یہہ نوبت آگئی کہ سلطنت ہند کا شاہی لباس ایک جامہ زیب ہندو کے جسم کو زینت دینے لگا اور ایسی صورت میں دو میں سے ایک بات ہو کر رہنی تھی۔ یا تو ایک سلطنت قائم ہوئی تھی جو ہندوستان کے قدیم طریقے کے مطابق عروج پاکر زوال پذیر ہوتی یا ایک آئینی ہند کسی اجنبی اور غیرملکی دولت کی حفاظت و حمایت میں پیدا ہو جاتا۔ اس کتاب کا ہیرو اس قلب ہیئت کے دور کا خاص آدمی تھا جبکہ ابھی تک صورت معاملات نے کوئی خاص رنگ انقلاب نہیں اختیار کیا تھا یعنی وہ انقلاب جو غیرمقامی تاخت و تاراج سے ماہرانہ فن حرب کی صورت میں ہونیوالا تھا۔

صفحہ ۱۹ قابل وثوق روایت کے مطابق مادھوراؤ یا مادھوجی سندھیا اپنے زمانہ کا عدیم النظیر منتظم اور سپاہی تھا۔ (ملاحظہ ہو امپیریل گزیٹیر آف انڈیا۔ جلد پنجم صفحہ ۲۴۰) اُس نے ہندوستان کی فرمانروائی کے درجہ تک ترقی کی اور دور دراز مرہٹہ سلطنت کی پرپیچ سیاسیات سے بھی اپنی وابستگی کم نہونے دی۔ عام طور سے دنیا میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لیئے ایسی ادنیٰ صفات کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مسکینی و اطاعت شعاری وغیرہ مگر سندھیا کی کامگاری

ان سے اعلیٰ اور مردانہ صفات پر مبنی تھی۔ اُس نے مخلوق کی عادات میں تبدیلی پیدا کی۔ اُن کے خیالات کو دوسرے رُخ پر پھیر دیا اور انقلاب معاشرت کے لئے مصالحہ تیار کردیا۔ اُس کے اس طرزِ عمل کی توجیہ میں یہہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی غایات واضح و معقول تھیں جن پر اُس نے ہر پہلو سے غور کرلیا تھا اور جن کے حصول میں وہ استقلال کے ساتھ ساعی رہا اور انسانی اغراض و مقاصد کے سلسلہ لامتناہی کو کبھی نظرانداز نہیں ہونے دیا۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم مادھوجی کے واقعات پر نظر ڈال کر اپنے دعاوی کے ثبوت کی کوشش کریں یہہ مناسب ہوگا کہ ہم چند الفاظ اُن تماشہ گاہوں کے متعلق بھی کہیں جن میں وہ بھی ایک ممثل تھا اور اُن واقعات کا بھی اجمالی اعادہ کرجائیں جو اُسکے منظرِ عام پر آنے سے پہلے پیش آگئے تھے۔ مادھوجی کے زمانے میں اقلیم ہند ایک جغرافیائی اصطلاح تھی جیسی کہ خود اٹلی کسی زمانے میں بہت عرصہ تک ایک جغرافیائی اصطلاح رہ چکی ہے۔ جزیرہ نمائے ہند کے کوہستانی اور اس کوہستان کے نشیبی اقطاع میں ایسی جفاکش قومیں آباد تھیں جن کے ساتھ تصادم کرنے سے مادھوجی حتی الامکان پہلو بچاتا رہا۔ دریائے ستلج سے دریائے نربدا تک کا قطعہ دو پہلو واقع ہوا ہے جہاں سے زبردست دریا ایک طرف بحیرۂ عرب میں اور دوسری طرف خلیج بنگال میں گرتے ہیں۔ اس قطعۂ ملک کے مختلف نقاط پر قدیم قومیں رہتی ہیں جو قلعوں۔ شہروں اور کھیتوں کی مالک ہیں جہاں کاشتکار اور چرواہے اب تک قطعات زمین پر اسی طرح جھگڑتے ہیں صفحہ ۱۷
جیسے ہابیل و قابیل کے زمانے میں جھگڑا کرتے تھے۔ نربدا سے آگے پہاڑیوں۔ میدانوں اور دریاؤں کا ایک دوسرا قطعہ ہے جس میں ایسی قومیں آباد ہیں جو اپنے خصائل کے اعتبار سے کمتر جنگجو اور اپنی معاشرت کے اعتبار سے چند ہی روز ہوئے کہ تمدن و تہذیب سے بہرہ اندوز ہوئی ہیں۔ ہر دو آخر الذکر قطعات میں ہمارا ہیرو کم و بیش ایک قرن تک ہر منصۂ شہود پر جلوہ گر نظر آتا ہے۔

اقلیم ہند کے جن تین قدرتی حصوں کے ہم نے اجمالی حدود بیان کیئے ہیں انھی کو زمانۂ حال کے مغربی جغرافیہ داں اصلی تقسیم تصور کرتے ہیں اور خود باشندگان مُلک بھی اسی تقسیم سے واقف ہیں بلکہ وہ تو اس تقسیم میں پھر ہر حصہ کی شکلی تقسیم علٰحدہ علٰحدہ کرکے اُن کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پہلی تقسیم میں کئی مُلک ہیں۔ ان میں سے کشمیر

انغانستان اور پنجاب کو ہم اس لئے نظر انداز کئے دیتے ہیں کہ ہماری داستان کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور باقی میدانی قطعات میں سے صرف دو ایسے ہیں جن کا تذکرہ ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں کا انتہائی شمالی حصہ ہندوستان کہلاتا ہے۔ اکثر مورخ تمام اقلیم ہند کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں مگر خود اہل ہند اُس قطعۂ ملک کو ہندوستان کہتے ہیں جس کی حد شمالی دریائے ستلج ہے اور حد جنوبی دریائے چنبل ہے۔ ہندوستان کا مشرقی ڈھال جو دریائے گنگا و جمنا کے درمیان واقع ہے دوآبہ کہلاتا ہے۔ لیکن اس دوآبہ میں گنگا پار کے دونوں صوبے اودھ اور روہیلکھنڈ (کٹھر) بھی شامل سمجھے جاتے ہیں دریائے چنبل کے جنوب میں جانب مغرب ڈھلا ہوا سلسلۂ اراولی و بندھیاچل کا کوہستانی علاقہ ہے جس کے دامنوں میں راجپوتوں کی ریاستیں قائم ہیں جن کا تعلق زمانۂ قدیم کی اُن جنگجو قوموں سے ہے جو ابتدائی مسلمان حملہ آوروں کے سیلاب سے پناہ لینے کے لئے اُن کوہستانوں میں آ بسے تھے۔ اس کوہستان کے مشرق اور نربدا کے جنوب میں جو ملک ہے اُسے وسط ہند کہتے ہیں۔ اور اسی میں مالوہ اور گوالیار کے صفحہ ۱۸ اصلی تعلقے واقع ہیں جن پر سندھیا اور ہلکر خاندانوں نے اٹھارھویں صدی میں قبضہ کرلیا تھا اور اب تک انہی دونوں خاندانوں کی حکمرانی ان پر قائم ہے۔ اور آگے مشرق کی طرف بھوپال اور بندیلکھنڈ کے صوبہ جات واقع ہیں۔ تیسرا اور سب سے آخری قطعہ جو دریائے نربدا کے جنوب میں واقع ہے دکن[1] کہلاتا ہے جس میں خود بہت سے صوبہ جات ہیں جن کے حدود میں ہمیشہ اُن خاندانوں کے مقبوضات کے اعتبار سے اختلاف پڑتا رہا ہے جو وقتاً فوقتاً فتوحات حاصل کرکے آگے بڑھتے یا شکست کھا کر پیچھے ہٹتے رہے ہیں۔

اس وسیع و متنوع جزیرہ نمائے جنوبی کی تاریخ کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

[1] یورپ میں لفظ دکن کا استعمال یونانی جغرافیہ دان بطلیموس کے وقت سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اصل سنسکرت لفظ دکھن ہے جس کے معنے جانب راست کے ہیں۔ طلوع آفتاب کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہونے سے دست راست جانب جنوب رہتا ہے اس لئے دکھن مجازاً جنوب کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ ۱۲ مصنف

یہاں کے باشندوں میں ایک خاص میلان اتحاد و ہم رنگی ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے۔ ابھی تمام اقلیم ہند کی شہنشاہی کے مبالغہ آمیز افسانے اہل ہند کے کانوں میں گونج ہی رہے تھے کہ سرد ملکوں کے حوصلہ مندوں کی نظری طالع آزمائیوں نے مغلوں کو کابل سے جنوب کے گرم ملک کی طرف کھینچا۔ مگر مغلوں کو ہندوستان میں قدم جمانے کے لیئے دو مرتبہ خطرناک جان جوکھم کا سامنا کرنا پڑا۔ ابھی سلطنت مغلیہ نے اکبر اعظم کے عہد میں پورا استحکام بھی نہیں حاصل کیا تھا کہ پھر اقلیم ہند کو ایک چھتر کے سائے تلے لانے کے منصوبے کی تمام ہندوستان میں از سر نو بخت و پز ہونے لگی ؎

ایک مرتبہ حوصلہ مند باجگذاروں اور باغی عاملوں کی سرکوبی کا اتمام ہوتے ہی اس منصوبہ کی تکمیل کی کارروائی جاری ہوگئی۔ آگرہ و دہلی سے بڑے آب و تاب کے ساتھ شہنشاہی جلوہ فروزیاں آگے بڑھیں اور بیرونی قطعات میں شہنشاہی قوت کا استحکام شروع ہوگیا اور شاہی محلات کی تعمیر الہ آباد۔ اجمیر۔ لاہور اور کشمیر میں شروع ہوگئی صفحہ ۱۹
مگر راجپوت سردار جیسے اب بے قید ہیں ویسے ہی اُس زمانے میں بھی اپنے دور دراز پہاڑی قلعوں میں خود مختار رہے۔ پھر بھی دو راجپوت ریاستوں نے سلطنت کے ساتھ زبردست دوستانہ مراسم بلکہ باجگذاری تعلقات قائم کر لیئے اور اپنی صداقت و مودت کے ثبوت میں اپنے شجاع ترین فرزندوں کو شاہی افواج کی قیادت کیلئے اور اپنی حسین ترین دختروں کو شاہی خاندان کی عروسوں کے طور پر حوالہ کر دیا۔ دکن میں بھی شاہی اسلحہ نے حقیقی پیشقدمی کر لی۔ اس ملک کی پرانی ہندو بادشاہتیں چودھویں اور سولھویں صدی کے دوران میں ٹوٹ چکی تھیں اور اُن کی جگہ متعدد مسلمان مملکتیں قائم ہوگئی تھیں اور اُن کو اکبر کے زمانے سے اُس کے بعد تک شاہان مغلیہ برابر توڑتے پھوڑتے چلے آرہے تھے یعنے پہلے اُنکو باجگذار بنا لیتے تھے پھر محض ملحقہ صوبہ جات کی حالت میں لے آتے تھے ؎

سنہ ۱۶۳۶ء میں ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا یعنے اکبر کے پوتے شاہجہاں نے احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کو بالکل فنا کر دیا اور سلطنت مغلیہ کے ساتھ اسی مملکت کا الحاق کر لیا جس پر خاندان موصوف گزشتہ دو صدی سے حکمراں رہتا چلا آیا تھا۔ سنہ ۱۶۸۶ء میں شاہجہاں کے بیٹے اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھوں بھی حشر بیجاپور کے

عادل شاہی خاندان کا ہوا۔ اور اس کے بعد ہی ١٦٨٧ء میں جنوبی ہند کی آخری مسلمان مملکت یعنے گولکنڈہ کی قطب شاہی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ان مفتوحہ ممالک کے مجموعی رقبہ سے سلطنت مغلیہ کا صوبۂ دکن قائم ہوا جس کا بڑا حصہ اب بھی سلطنت آصفیہ کے قبضہ میں ہے۔ جو ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں سب سے بڑی ہے ؛ صفحہ ۲

اس جگہ یہ ظاہر کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ چونکہ سلطنت مغلیہ کی توسیع ناکافی وسائل کے ساتھ کی گئی تھی اس لیئے مرکزی قوت کے کمزور ہوتے ہی اجتماع کا عمل ساقط ہونا شروع ہوگیا اور اُس کا ضد یعنے عمل انتشار فوراً ہی شروع ہوگیا اور نہایت سرعت کے ساتھ بڑھنے لگا جس طرح ایک ہزار سال پہلے اسی قسم کی کارلنگ[1] سلطنت کے ساتھ پیش آیا تھا وہی سلطنت مغلیہ کے ساتھ بھی پیش آیا یعنے سلطنت کی انتہائی توسیع حاصل کرلینے کے دو ہی پشت بعد ہر صوبہ بجائے خود ایک خود مختار قومیت بنگیا۔

ان صوبہ جات کے تذکرہ میں ایک دوسری نظیر کا بھی خیال آگیا ہے۔ باعتبار تاریخ کے سلطنت مغلیہ زمانۂ موجودہ سے بہت بعید نہیں ہے۔ مولیبری کے ایک ہم مکتب نے اس سلطنت کو اصلی شان و شوکت میں دیکھا ہے۔ اس کی شان و شوکت کے فسانوں نے ملٹن کے تخیل میں تحرک پیدا کردیا تھا۔ ابھی چند ہی سال گزرے ہیں کہ ان سلطانوں کے دیوان عام و خاص نے تخت برطانیہ کے ولیعہد کی محفل رقص و سرود کا کام دیا ہے۔ اور اس خاندان کے آخری نام لیوا نے حال ہی میں انتقال کیا

---

[1] کارلنگ فرانس کے اس شاہی خاندان کا نام تھا جس کا بانی شاہ کارل اعظم تھا۔ کارل اعظم ٧٦٨ء میں اپنے بھائی کی شرکت میں بادشاہ ہوا۔ ٧٧١ء میں اپنے بھائی کے مرجانے کی وجہ سے اکیلا بادشاہ رہگیا۔ اُس نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ ٨٠٠ء میں وہ روما کا شہنشاہ منتخب کیا گیا اور پوپ کے ہاتھوں سے اُس کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اُس نے اپنی سلطنت کے مختلف حصوں کو متحد کرنے میں بہت کوشش کی اور ہر جگہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر کے امن و امان قائم رکھا۔ قانون سازی میں اُسے بڑا ملکہ تھا اور تعمیر کا بہت شوق تھا لیکن اُس سے بہترین شہرت اُس کی توسیع تعلیم سے ہے۔ اُسکی علم پرستی نے اُسکے دربار کو علما و فضلا کا مرجع بنا دیا تھا اور کثیر التعداد مدارس برابر جاری ہوتے رہتے تھے۔ ٨١٤ء میں اُس نے انتقال کیا اُسکے انتقال پر بہت جلد اُسکی سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے ۱۲ مترجم

ہے۔ باوصف اس تازگی کے سلطنت مغلیہ حقیقتاً زمانہ قدیم کی سلطنتوں کی حقیقی نشانی تھی یعنے سوائے مذہب کے اور ہر شان میں زمانۂ قدیم کی بابل و ایران کی زبردست سلطنتوں کی تصویر تھی۔ یہاں بھی زمین بوس رعایا اور عرش نشین شہنشاہ میں وہی اگلی سی پُرہیبت دوری قایم رکھی جاتی تھی۔ یہاں بھی جھونپڑوں کی کثافت اور محلوں کی شوکت میں وہی اگلی سی ناپاک تفرقہ موجود تھی۔ اور یہاں بھی شہنشاہ کے عظمت و جلال پر صفحہ ۲۱ بیرونی باغیوں اور اندرونی سازشیوں کا خطرہ منڈلاتا رہتا تھا۔ ایسی سلطنت میں کسی بندوبست کے ضابطہ کا یا مجلس شوریٰ کے نیز لگس کا وجود ممکن نہیں۔ بلکہ بادشاہ ہی تھوڑے یا بہت عرصہ کی مطلق العنان خودمختاری کے بعد نشۂ حکومت میں سرشار ہوکر متکبر ہو جاتا ہے یا اول فنا آخر فنا کی دار دئے ہوش پی کر انکسار اختیار کر لیتا ہے۔ صوبے کے صوبے قلادۂ اطاعت کو اُتارتے جاتے ہیں۔ خودمختار بادشاہ اُن کو کچل کر رکھدیتا ہے یا خود کچل دیا جاتا ہے اور آخر کار وہ یکایک غائب ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ میدان جنگ میں مارا گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اپنے محل ہی میں اُسے زہر دیدیا گیا ہو۔ اُس کی جگہ کوئی درباری یا کوئی غلام یا اُسی کا کوئی پدرکش بیٹا تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور وہی ہولناک سلسلۂ عمل پھر شروع ہو جاتا ہے۔ ان انقلابات سے سلطنت عموماً کمزور اور اکثر فنا ہو جاتی ہے پھر اسی مختل انداز پر سلطنت کی تعمیر تیار ہو جاتی ہے۔ کچھ پُرانے اجزا کم ہو جاتے ہیں کچھ نئے زائد ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایک مرتبہ مفتوح قوموں کا مال غنیمت اور بے سہارے رعایا سے چھینی ہوئی دولت خودمختار حکمراں کی ذات میں اور اُس کے محلات میں جمع ہو جاتی ہے۔ یہ سلطنت ہمیشہ اجتماع اضداد کی سیر بین بنی رہتی ہے یعنے ابھی جو شہنشاہ تھا ابھی وہ قیدی بن جاتا ہے۔ ابھی جس کے ہاتھ میں قسمتوں کی رسّیں تھیں ابھی وہ کسی وزیر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح تار پر حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن مطلق العنان عیش پسندی اور محض نمائشی شان و شوکت کی ناجائز چمک دمک کبھی کم نہیں ہونے پاتی۔ خودسر بادشاہ بھی جو کسی طرح اپنے ادنیٰ ترین دہقان سے کم غیر مطمئن اور حواس باختہ نہیں ہوتا اپنے بوسیدہ ڈھانچہ کو زرتار اور جواہر کار پٹیوں سے باندھے رہتا ہے۔ روزانہ تخت زریں پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور اُس کے خوشامدی اہل خاندان اور باجگذار شہزادے اُسے چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ منصۂ شاہی کے نیچے ترتیب وار مناصب کے ساتھ ندما۔ وزرا صفحہ ۲۲

مشیران ملکی و جنگی سفرائے ممالک غیر اور اُن منصب داروں کے وکلا صف بستہ حاضر رہتے ہیں جو دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اور کسی صوبہ کی عاملی پر یا کسی فوج کی قیادت پر ممالک غیر کو گئے ہوتے ہیں۔ یہی غیر متغیر تصویر دانیال یہودی کے سامنے۔ قطیسیاس یونانی کے سامنے۔ ٹیورنیر فرانسیسی جوہری کے سامنے اور کالبرٹ وزیر فرانس کے دوست برنیر سیاح کے سامنے آئی تھی۔ آخرالذکر سیاح نے تقریباً تمام اسلامی درباروں کا گشت لگایا تھا۔ اُس نے اپنے ملک فرانس کے بادشاہ لوئیس شانزدہم کا دربار دیکھا تھا جو بادشاہ ہونے کا آفتاب کہلاتا تھا۔ اُس نے سلطان شام اور شاہ مصر کے دربار دیکھے تھے اور اس کے مندرجہ ذیل الفاظ سے اُس شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اُس نے مغل اعظم کے دربار میں پائی تھی۔ وہ کہتا ہے۔

بادشاہ اپنے تخت پر دربار عام کے بڑے دالان میں بیٹھا ہوا نظر آتا تھا اور نہایت شاندار لباس زیب تن کئے تھا۔ اس کی صدری سپید شجر کی تھی جس پر ریشمیں اور زریں کلابتو کا کام ہو رہا تھا۔ اُس کا عمامہ زرتار تھا اور اُس پر ایک پرندکی زریں تصویر بنی ہوئی تھی جو بوتیمار سے مشابہ تھا اسکے نیچے غیر معمولی جسامت و قیمت کے ہیروں سے ڈھکے ہوئے تھے جن میں ایک بڑا لعل بدخشاں بھی تھا جس کو عدیم النظیر کہا جا سکتا ہے۔ یہ لعل چھوٹے سے خورشید کی طرح چمک رہا تھا۔ بڑے بڑے موتیوں کا ایک کنٹھا اُس کے گلے میں پڑا ہوا تھا جو بالکل اس وضع کا تھا جیسی اس ملک کے سلمان تسبیحیں رکھتے ہیں۔ بادشاہ کا تخت چھ اونچے پایوں پر قائم تھا جو ٹھوس سونے کے تھے اور جن پر یاقوت۔ زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ میں صحیح تعداد یا قیمت ان قیمتی جواہرات کے مجموعہ کی نہیں بتا سکتا کیونکہ اتنے قریب رسائی ممکن نہیں جہاں سے اُن کو شمار کیا جا سکے یا اُن کی آب و تاب اور قیمت کا اندازہ کیا جا سکے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس میں بڑے بڑے ہیرے کثرت سے ہیں اور اس تخت[1] کی قیمت کا اندازہ چار کروڑ روپیہ صفحہ ۳۰

[1] یہ شاہجہاں کا تخت طاؤس تھا جس کی قیمت برنیر کے تخمینہ کے مطابق چھ ملین لاکھ پونڈ انگریزی

کیا جاتا ہے یہاں کا روپیہ اپنے فرانس کے نصف ایکو[1] کے برابر ہوتا ہے
غرض یہہ کہ یہہ تخت چار کروڑ کی لاگت کا ہے جو چھ کروڑ فرانک کے برابر
ہوتا ہے۔ تخت سے نیچے سامنے کو ایک چبوترہ پر زرتار شامیانہ کے تلے
جس میں سنہری جھالر لگی ہوئی تھی اور جس کے چاروں طرف ایک
نقرئی کٹہرا تھا شاندار لباسوں میں ملبوس امرائے دربار بیٹھے ہوئے تھے۔
دیوان عام کے ستونوں پر جو پوششیں پڑی تھیں اُن کی زمین سنہری تھی
اور چھت پر زرتار مشجر کی چھتگیریاں سُرخ ریشمیں ڈوریوں سے بندھی ہوئی
تھیں جن میں ریشم اور کلابتو کے پُھندنے لٹک رہے تھے۔

یہہ ہے وہ حال جو برنیر نے تخت شاہی اور اسکے متعلقات کا بیان کیا ہے پھر وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"یہاں سے بادشاہ نیچے نظر ڈالتا ہے اور اعیانِ دولت۔ راجگان۔ وکلا
دسفرا ادب کے ساتھ نقرئی کٹہرہ والے اونچے چبوترہ پر نظر بر قدم دست بستہ
کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ اور ہٹ کر کچھ کم درجہ کے سردار اسی مودب انداز کے صفحہ ۲۴
ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور وہاں سے اور دور ہٹ کر گرا سی دیوان عام
کے بقیہ حصہ میں اور اس کے کُھلے ہوئے صحن میں عام رعایا کا ہجوم نظر
آتا ہے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے بادشاہ ہر یاشت کو طالبان دید کو
درشن دیتا ہے۔"

یہہ دربار عام کا موقعہ تھا اور اس موقعہ پر بادشاہ نہ صرف اپنے سرداروں کا سلام ہی لیتا تھا بلکہ پُرانے مشرقی بادشاہوں کا وہ فرض بھی ادا کرتا تھا جو وہ اپنی رعایا کے ماں باپ کی حیثیت سے اپنے خیموں کے دروازوں پر بیٹھکر دادرسی کے متعلق ادا کیا کرتے تھے۔ یہہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تمام حاضری و جلوس کا بہت سا حصہ شانِ دربار سے تعلق رکھتا تھا۔ بادشاہ کا دربار کوئی حقیقی قانونی عدالت نہیں تھا اور خود بادشاہ کو قانون یا انصاف کے معاملات سے اتنا ہی کم تعلق تھا جتنا ہمارے اپنے زمانے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوتی ہے۔ لیکن ٹیورنیر جو اس فن کا ماہر تھا اس کی قیمت کا تخمینہ اس سے دونا کرتا ہے۔ ۱۲ مصنف

[1] اس اعتبار سے اُس زمانے کا ہندوستانی روپیہ انگریزی سوا شلنگ کے برابر ہوتا ہے۔ ۱۲ مصنف

ملک معظم کو کنگس بنچ یعنے عدالت مرافعہ میں ٹھیکر انصاف و قانون سے تعلق ہوتا ہے۔ مگر برنیر نے جن امرا اور منصبداروں کا ذکر کیا ہے اُن کو ایک حقیقی نظام کہا جاسکتا ہے جو ایسا تھا کہ اسی میں ترقی کا اصلی تخم موجود تھا؛

اُمرا سے برنیر کی مراد اُن درباریوں سے ہے جن پر خاص عنایت کی نظر ہوتی تھی اور اکثر حاضر دربار رہتے تھے اور جو آجکل اہل یورپ کے ہاں وزرا یا حاضر باش ندما کہلاتے ہیں۔ ان سبکے سردار کا لقب امیر الامرا تھا جو سردار ندما ہوتا تھا اور ضابطہ میں وزیر اعظم سے دوسرا درجہ رکھتا تھا مگر اکثر اپنے اختیارات میں اور حقیقتاً اپنے اثر میں وزیر اعظم سے بہت زبردست ہوتا تھا۔ منصب دار بھی اعیان دربار ہوتے تھے مگر اُن میں رزمی شان واضح تر ہوتی تھی اور ہر ایک کا منصب اُتنے مسلح سپاہیوں کے اعتبار سے مشخص ہوتا تھا جن کی قیادت اُس کے سپرد ہوتی تھی۔ ضابطہ کے کاغذات میں ہر وہ منصبدار بھی امیر کہکر خطاب کیا جاتا تھا جس کا منصب پنجہزاری سے اوپر ہوتا تھا۔ پنجہزاری سے اوپر کے منصب اعلیٰ ترین منصب شمار کئے جاتے تھے اور صرف شاہی خاندان کے افراد کے لیے مخصوص تھے۔ پنجصدی اور پنجہزاری کے درمیان برنیر کے زمانے میں پانسو اسی (۵۸۰) سردار تھے اور اس تعداد میں ایک خمس ہندو تھے اور چار خمس میں ہندوستانی مسلمان یا وہ ممتاز غیر ملکی طالع آزما تھے جو ایران اور وسط ایشیا سے ترک وطن کر کے آئے تھے اور سب کے سب صحیح یا غلط طریقہ پر مغل کہلاتے تھے؛ صفحہ ۲۰

شاہی خاندان کے شہزادگان اور امرائے دربار سے نیچے ان منصبداروں کی ایک جنگی برادری تھی جس کو شارلیمین شاہ فرانس کے پلاڈین یا کرامویل کے میجر جنرل کی جماعت سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہہ منصبداریاں موروثی نہیں ہوتی تھیں۔ منصبداری کا ترکہ میں ملنا مشرقی خیالات کے خلاف تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی لوہار یا بہشتی درجہ بدرجہ ترقی کر کے فوج کی قیادت تک پہنچگیا ہے۔ اکثر ایک قابل غلام اُسی تخت کا مالک ہوگیا ہے جس کے پایہ کے پاس وہ منتظر احکام مودب کھڑا رہتا تھا۔ امیروں کے بیٹوں کو غیر معمولی حقوق ملازمت بیشک حاصل تھے مگر یہہ نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی بیٹا فوراً اپنے متوفی باپ کے منصب کا مالک ہوجائے۔ بہترین موقعہ جو اُن کو مل سکتا تھا وہ یہہ تھا کہ وہ احدی[1] کے

---

[1] یہہ دست بدست چنے سے تنخواہ پانیوالا غیر ضابطہ گروہ اب بھی اکثر ریاستوں میں موجود ہے اور جگہ جگہ الگ الگ

عہدے سے شروع کریں۔ احدی ایک غیر ضابطہ سردار ہوتا تھا جس کو گھوڑا رکھنا پڑتا تھا۔ اور بعض احدی اپنی ہمرکابی میں کچھ سوار بھی رکھتے تھے اور کوئی جو بہت غریب ہوتا تھا اکیلا ہی رہتا تھا۔ ان سردار حاضر باشوں کا تعلق پہلے جیب خاص سے ہوتا تھا مگر ان کو پہرہ چوکی سے اُس وقت تک معاف رکھا جاتا تھا جب تک وہ ترقی کے قابل نہ سمجھے جائیں۔ ان احدیوں کی ایک منتخب جماعت ہمیشہ بادشاہ کے جلوس خاص میں رہا کرتی تھی ؛

دربار عام کے حاضرین کا آخری درجہ جو برنیر نے بیان کیا ہے اُس کا فرانسیسی نام وہ ہے جس کا ترجمہ وکیل کیا جا سکتا ہے۔ یہہ وکیل اُن امیروں کے قائم مقام ہوتے تھے جو دربار سے غیر حاضر ہوتے تھے اور شاہی خدمات پر باہر گئے ہوتے تھے۔ اس زمانے میں پوری سلطنت پندرہ صوبوں میں منقسم تھی اور ہر صوبے پر ایک صوبہ دار متعین تھا جس طرح آئرلینڈ پر ملکہ الیزبتھ کے زمانے میں لارڈ ڈپٹی رہا کرتا تھا یا جس طرح زمانۂ قدیم کی سلطنتوں کی طرف سے ستریپ مقرر ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر صوبہ دار کا ذاتی دربار علیحدہ ہوا کرتا تھا جو اپنے سلطان کے دربار کا چھوٹے پیمانے پر نمونہ ہوتا تھا۔ لیکن ہر سردار کی اپنے حینِ حیات میں تبدیلی یا معزولی بھی احکام شاہی کے مطابق عمل میں آسکتی تھی۔ پہلے صوبہ دار دکن سب سے اول صوبہ دار رہیلکھنڈ ہوئے تھے اور وہاں سے مالوہ کی صوبہ داری پر تبدیل کر دیئے گئے تھے اور اٹھارھویں صدی کے ربع دوم سے پہلے یہہ کسی طرح ممکن نہیں ہوا کہ وہ صوبہ داری دکن کو موروثی ریاست کی صورت میں تبدیل کر سکیں۔ شاہانِ مغلیہ کے دربار کے نظام کو دیکھکر ہمیں انجیل مقدس کا وہ قصہ یاد آجاتا ہے کہ شاہ اہاسرس اپنے شاہی محل شوشن میں تخت پر جلوہ گر ہے اور اُس کے اہل خاندان اور متعلقین سلطنت اس کے گرد و پیش جمع ہیں۔ ایران و عراق کے قائم مقام اور صوبہ جات کے عمال اُس کے حضور میں موجود ہیں اور وہ اپنے تمول کی شان دکھا رہا ہے۔ سپید کپڑے کے پردے اور سبز و نیلگوں پوششیں ارغوانی ڈوریوں کے ذریعے سے نقرئی کڑیوں اور مرمر کے ستونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند نام قابل غور ہیں۔

(۱) بھلے آدمی جو پرائیویٹ جنٹلمین کا مرادف ہے (۲) خواص جو باڈی گارڈ کا مرادف ہے (۳) اکیلے جو احدی کا لفظی ترجمہ ہے۔

آج کل احدی بُرے معنے میں استعمال ہوتا ہے اور صرف وہ آدمی احدی کہلاتا ہے جو کام کا نہ کاج کا۔ ڈھائی سیر اناج کا ۱۲۰۔ مترجم

سے لٹک رہی ہیں اور سنگ سماق و سنگ مرمر کے فرش پر سونے اور چاندی کے تخت رکھے ہوئے ہیں۔ اس موقعہ پر صوبوں کے عمال حاضر دکھائے گئے ہیں مگر بالعموم اُنکی غیر حاضری کی صورت میں اُن کے وکلا حاضر رہتے تھے ؎

یہ حالت سلطنت مغلیہ کی انتہائے کمال کے وقت تھی۔ جس وقت برنیر نے اس مُلک کو چھوڑا ہے تو کوئی علامتیں زوال کی نظر نہیں آتی تھیں سوائے اس کے کہ ایک گہری نظر والا مبصر شہنشاہ کے شخصی اوصاف میں ضرور فرق دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ عالمگیر اپنی حوصلہ مندیوں اور اُن پر عمل کرنے کے اعتبار سے اُن بڑے بادشاہوں میں سے کسی سے کم نہیں تھا جو اُس کے مورثان اعلیٰ ہو گزرے تھے پھر بھی بعض اہم پہلو اُس کی طبیعت کے ایسے تھے جو اُسے کسی طرح اُس زبردست دولاب کے چلانیکا اہل نہیں قرار دیتے تھے جو اُن بڑے بادشاہوں نے بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔ گزشتہ سلاطین اپنی ہندو بیویوں اور ماؤں کے ساتھ نہایت رواداری بلکہ مذہبی بے تعصبی کا برتاؤ کرتے تھے اور اپنی خانگی زندگی میں نہایت خوش مزاجی برتتے تھے شہنشاہ اورنگ زیب ایک ایرانی بیگم کے بطن سے تھا جو اپنے حین حیات میں تعصب و ایذا رسانی کی وجہ سے بدنام تھی۔ وہ سب بھائیوں میں چھوٹا تھا اور اُس نے تخت سلطنت کو بے باکی بدظنی اور سازشوں کے وسیلے سے حاصل کیا تھا۔ اُس کا مزاج نہایت خشک اور طبیعت نہایت جُزرس تھی اس لیئے اُس نے دربار کے مصارف میں بہت کچھ کتر بیونت کر دی تھی۔ اُس کی قدیمی شان و شوکت کو بہت کچھ توڑ ڈالا تھا اور ہفتے میں دو بار کا جھروکے میں نشست کرنا بھی چھوڑ دیا تھا جہاں سے اُس کے مورثان اعلیٰ عام مخلوق کا سلام نیاز قبول فرمایا کرتے تھے۔ سب سے آخر بات یہہ ہوئی کہ اُس نے تالیف قلوب کے اجتماعی وسائل کا کافی انتظام کیئے بغیر عالمگیر سلطنت کے منصوبے پکانے شروع کر دیئے اور ہندوؤں پر جزیہ پھر قائم کر دیا جو اکبر اعظم کے وقت سے منسوخ چلا آ رہا تھا۔ عالمگیر کی اس حرکت پر ہمیں اُس کا فرانسیسی ہمعصر بادشاہ یاد آجاتا ہے جس نے ایڈکٹ آف نانٹیز[1] منسوخ

[1] (Edict of Nantes) وہ قانون تھا جو ہنری چہارم شاہ فرانس نے اپنے اُن اہل ملک کے راضی کرنے کے لیئے سنہ ۱۵۹۸ء میں جاری کیا تھا جو شاہ مذکور کے تبدیل مذہب سے ناراض تھے۔ اس سے پروٹسٹنٹ فرقے کو بہت سے سیاسی۔ فوجی اور عدالتی مراعات عطا کیئے گئے تھے۔ بعد کے بادشاہوں نے انہیں

کر کے پروٹسٹنٹ فرقے کو بیزار کر دیا تھا؛

غرض یہہ کہ اورنگ زیب کی فتوحات دکن نے مرہٹوں کے حوصلے اور بڑھا دیئے اور دوامی مشکلات کے سامان مہیا کر دیئے۔ حتیٰ کہ جس وقت سنہ ۱۷۰۷ء میں اُسے مقام اورنگ آباد میں سپرد خاک کیا گیا ہے اُس وقت حالت نزع میں بھی اُس پر اپنے بیٹوں کے باہمی تنازعات اور اپنے ملحقات کے انتظامی تفکرات کی وجہ سے تاسف و تشویش کا ایک عالم طاری تھا۔ آخر کار سنہ ۱۷۱۳ء میں نئے صوبے کی حکومت حسین علی کے ہاتھ آگئی جو بادشاہ گر سیدوں کا ایک فرد تھا۔ حسین علی نے اس صوبے کو اپنے ایک عزیز کے سپرد کر دیا اور خود دہلی میں معاملات سلطنت کا انصرام کرنے لگا۔ ایسے وقت میں اس دور دراز صوبے کے ایک موروثی ریاست میں تبدیل ہو جانے کا منصوبہ نہایت قرین قیاس تھا۔ عام اس سے کہ وہ ریاست کیسی ہی بیقاعدہ اور بے ضابطہ کیوں نہو مگر رفتار واقعات کا لازمی مقتضا یہہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے۔ چنانچہ اس منصوبے پر ایک قابل مدعی عمل پیرا ہو گیا۔ یہہ شخص ایک صوبہ دار تھا جو یورپ کے اُس طبقے کے افراد سے مشابہ تھا جنھیں عالیخاندان کہتے ہیں کیونکہ یہہ ایک ممتاز ترکمان سردار فیروز خاں کا بیٹا تھا جو نصف صدی تک دکن میں مناصب اعلیٰ پر سرفراز رہ چکا تھا۔ فیروز خاں کے اس قابل بیٹے کا نام قمرالدین تھا جس کو شہنشاہ دہلی محمد شاہ کی وزارت اور آصف جاہ کے خطاب سے سنہ ۱۷۲۱ء میں سرفراز کیا گیا تھا۔ تین سال سے کچھ ہی زائد عرصے میں آصف جاہ نے بددل ہو کر اس عہدہ سے سبکدوشی حاصل کر لی جس کے فرائض اپنے اطمینان کے مطابق نوجوان بادشاہ کی تلون مزاجی کی وجہ سے وہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ دکن کو واپس گیا اور یہاں پہنچکر وہ ریاست قائم کر لی جو آجتک محروسات سرکار آصفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابتداءً اس کو برائے نام صوبہ ہی رکھا گیا جو پرانی سلمان مملکتوں کے

صفحہ ۲۸

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) تبدیلیاں پیدا کیں اور آخر کار لوئیس چہار دہم ہمعصر اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۸۵ء میں اس کو بالکل منسوخ کر دیا اور پروٹسٹنٹ فرقے پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے۔ پچاس ہزار سے زائد خاندان ان مظالم کی تاب نہ لاکر بدرجۂ مجبوری انگلستان۔ ہالینڈ۔ پروشیا وغیرہ کو ہجرت کر گئے جس سے فرانس کو طرح طرح کے صناعوں۔ دستکاروں اور دیگر قابل اشخاص سے محروم ہونا پڑا۔ ۱۲۔ مترجم

آثار شکستہ پر قائم کیا گیا تھا۔ لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی یہہ صوبہ موروثی
اور نیم مختار سا ہوتا گیا پھر بھی اس کے حکمرانوں نے کبھی اپنے تئیں شاہی کے خطاب
سے ملقب نہیں کیا بلکہ شاہی صوبہ داری کا قدیم لقب یعنے نظام الملک ہی اپنے
نام کے ساتھ لگا رہنے دیا اور اُن کی اولاد بھی اتبک اُسی لقب سے ملقب کیجاتی ہے۔
نواب نظام الملک آصفجاہ دلیر اور دوراندیش حکمراں تھے۔ مرہٹوں کو اس صوبے سے صفحہ ۲۹
خراج وصول کرنے کی اجازت مل چکی تھی اور اُس کا روکنا نواب نظام الملک آصفجاہ کی طاقت
سے باہر تھا۔ پھر بھی اس قسم کا کوئی امر طے ہوگیا تھا کہ خراج کی تحصیل نواب نظام الملک آصفجاہ
کے ملازمین کرتے تھے اور مجموعی رقم خزانہ نظامی سے مرہٹوں کو دیدی جایا کرتی تھی۔ چنانچہ اس قرارداد
سے ایک تو وہ دستوری بند ہوگئی جو مرہٹہ محصل بطور معاوضۂ خدمت کے طلب کیا کرتے تھے
اور دوسرے رعایا کو دوعملی تحصیلداری کی مصیبت سے نجات مل گئی۔

اس حالت کو مہاراشٹر کے ہندوؤں کی معراج کمال سمجھنا چاہیئے۔ ملکی انتظام ایک
نہایت مکمل مجلس امراء کے ماتحت تھا۔ حکومت کا برائے نام افسر راجہ کے ماتحت ایک
طرح کا صدر دیوان تھا جس کا لقب پرتی ندھی تھا لیکن اصل مجلس حکومت آٹھ ارکان
کی اور تھی جس کا نام اشٹ پردھان تھا اور اس مجلس کے صدر یا مُکھ پردھان کا
لقب پیشوا تھا۔ نواب نظام الملک آصف جاہ کے ریاست حیدرآباد قائم کرنیسے کچھ عرصہ پہلے سے
جو پیشوا تھا اُس کا نام بالاجی وشواناتھ تھا۔ یہہ شخص اپنی قابلیت وتدبر کی وجہ سے
سلطنت کا مختار کل بن چکا تھا۔ بالاجی وشواناتھ ۱۷۲۰ء میں فوت ہوگیا اور اُس کا
جانشین اُس کا بیٹا باجی راؤ ہوا جس نے اس پر پیچ دولاب حکومت کو چلانا شروع کیا۔
پرتی ندھی سری پت راؤ نے کچھ عرصے تک اپنے ضابطے کی حیثیت کو قائم رکھا اور مدارالمہام
بنا رہا لیکن مرہٹہ سلطنت کی توسیع کا مخالف ہونے کی وجہ سے اُس کا اقتدار اپنی
سلطنت کے اندر کم ہوگیا اور پیشوا نے فوجی اصلاحات کی طرف زیادہ توجہ کرکے
راجہ اور پرجا دونوں کو قابو میں کرلیا اور نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کرکے تمام
برادری کا سرِ نخ بنگیا۔ یہی پہلا شخص تھا جس نے وہ راستہ بتایا جس پر چلکر مادھوجی سندھیا صفحہ ۳۰
بعد کے زمانے میں عروج کو پہنچگیا۔ اُس کا قول تھا کہ سلطنت مغلیہ ایک سوکھا تنہ ہے
اس لیئے اسی تنے پر ضرب لگانی چاہیئے پھر شاخیں خودبخود گر پڑینگی۔ چنانچہ سوار فوج

کے دوگونہ نظام[1] عسکری کو قائم رکھکر اُس نے اُس فوج کی تعداد میں اتنی تخفیف کردی کہ وہ آسانی سے قابو میں رہ سکے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس نے ایک پیدل فوج بھی مرتب کی جس کے ساتھ معقول تعداد توپوں کی بھی تھی تاکہ سپاہ کا پورا قیام و استحکام حاصل ہوجائے ×

پہلا قدم جو باجی راؤ نے اپنے پادشاہ کو کسی حوصلہ مند منصوبے کی طرف اُٹھانے دیا وہ زرخیز صوبۂ مالوہ کی تسخیر تھی۔ یہہ صوبہ جو پہلے نواب نظام الملک کی صوبہ داری میں تھا نواب موصوف کے حیدرآباد چلے جانے پر سلطان مغلیہ کی طرف سے ایک ہندو صوبہ دار گردھر راؤ کے تحت میں دیدیا گیا تھا اور حوصلہ مند مرہٹہ سردار نے نواب نظام الملک سابق کے ایما سے اُس پر حملہ کرنیکے لیئے پیشقدمی کی۔ اس سلسلے میں جو جنگی کارروائیاں پیش آئیں اُن میں دو خاص مرہٹہ سردار سلحدار تھے جو اپنے اپنے قبیلے کے رسالہ کی قیادت کر رہے تھے۔ ایک کا نام ملہار راؤ ہلکر اور دوسرے کا نام رانوجی سندھیا تھا۔ یہہ دونوں سلحدار پیشوا کی طرف سے اس امر کے مجاز کردیئے گئے تھے کہ وہ معمولی مرہٹہ خراج یعنے چوتھ وصول کریں اور اس میں سے کچھ حصہ فوجی اخراجات کی کفایت کے لیئے رکھکر بقیہ رقم خزانۂ سرکاری میں داخل کیا کریں۔ یہہ جنگ ۱۷۲۷ء میں شروع ہوئی لیکن نواب نظام الملک کے ساتھ نزاع پیدا ہوجانیکی وجہ سے اس کی رفتار میں خلل پڑگیا مگر اس نزاع کا آخری نتیجہ یہہ نکلا کہ پیشوا اپنے سب حریفوں کے مقابلے میں عہدہ برآ
صفحہ ۲۱ ہوگیا۔ گو نواب نظام الملک کو زیادہ نقصان نہ پہنچا لیکن باجی راؤ کی قوت مرہٹہ حکومت کے سردار کی حیثیت سے قائم ہوگئی۔ اس کے بعد ہی مالوے کی تسخیر عمل میں آگئی جسکی تفصیل ابھی کی جائے گی ×

اب تمام مرہٹہ برادری یعنے جمہوریۂ جنوبی ہند کا موروثی صدر پیشوا کا خاندان ہوگیا۔ ۱۷۵۱ء میں مرہٹے مالوہ اور اُڑیسہ کے مالک ہوگئے تھے اور بنگال سے بھی چوتھ وصول کرنے لگے تھے۔ کلکتے کی انگریزی تجارتگاہ بھی معرض خطر میں آگئی تھی اور اُس کی حفاظت کے جو اہتمام کیئے گئے تھے ان میں سے ایک مرہٹہ خندق کا

---

[1] ایک بارگیر تھے یعنے وہ سوار جن کو تنخواہ ملتی تھی اور کسی دوسرے کی اسامی پر ملازم ہو جاتے تھے دوسرے سلحدار ہوتے تھے جن کے اپنے گھوڑے ہوتے تھے اور جن کا تعلق باقاعدہ حفاظتی فوج سے تھا۔ ۱۲ مصنف

کھودنا بھی تھا۔ یہی قلعہ بند مقامات کے استحکامات تھے جنھوں نے پانچ سال بعد نواب بنگال کو برافروختہ کر کے کال کوٹھری کا منحوس واقعہ برپا کرایا جس سے خلاف امید اہم انقلابات رونما ہوگئے ﴿

اس اثنا میں ایرانیوں اور افغانیوں کے حملوں نے سلطنت دہلی کا شیرازہ بالکل پراگندہ کر کے رکھدیا تھا۔ اور اس کے بعد سے خاص دربار میں غیر ملکی سرداروں کی مزمن آویزشیں شروع ہوگئیں جن میں سے ہر فرقہ سلطنت کے بوسیدہ ڈھانچے کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مدعی بنا ہوا تھا۔ ایرانی فرقہ یعنے سرداران فارس کا سرگروہ صفدر جنگ وزیر اودھ تھا اور ترکمانی فرقہ یعنے سرداران توران کی پشت پناہی غازی الدین سے متعلق تھی جو نواب نظام الملک کے بھتیجے تھے۔ مرہٹوں نے ہلکر کی سرگردگی میں جاٹوں کی شرکت کر کے اول الذکر سرداروں کی جنبہ داری کی مگر اس فریق کو میدان ہارنا پڑا۔ اس کے بعد غازی الدین نے شاہ دہلی کو تخت سے اُتار دیا اور ۱۷۵۴ء میں ایک دوسرے بادشاہ ملقب بہ عالمگیر ثانی کو تخت نشین کر دیا ﴿

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی یہہ جان کنی بڑے قلق و اضطراب کے ساتھ ایک دور دراز ملک کے اسلامی بہادر احمد شاہ ابدالی نے دیکھیں جس نے صفحہ ۳۳
دریائے سندھ کے مغرب میں نادر شاہ کی وفات کے بعد دُرانی سلطنت قائم کرلی تھی۔ افغان سواروں کی ایک جماعت لیکر احمد شاہ نے قندھار سے پیشقدمی کی اور پنجاب کا صفایا کرتا ہوا ۱۷۵۷ء میں دہلی پر آدھمکا۔ ترکمانی وزیر غازی الدین نے اُس پٹھان سردار نجیب خاں کو ہمراہ لیا جو پہلے سے حملہ آور بادشاہ کے ساتھ خفیہ ساز باز کر چکا تھا اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوچ کیا۔ لیکن غازی الدین کی بدمعاملگی اُس سے خلقت کو اس درجہ بیگانہ کر چکی تھی کہ اُس کی آنکھیں یہہ دیکھکر کھُل گئیں کہ اُس کی فوج کا بڑا حصہ نجیب خاں کے پیچھے پیچھے دشمن کی صفوں میں جا ملا جہاں چشم براہ میزبانوں نے اُن کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ غازی الدین نے بہ تعجیل تمام احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صلح کا طورہ ڈالا اور اُس کو اپنے سرداروں اور سپاہیوں سے اس کام میں امداد دی کہ وہ جاٹوں اور دوسری قوموں سے وہ خراج وصول کرسکے جس کو سوائے مال غنیمت کے کسی طرح خراج کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے بعد جو

نادرشاہ کے ہتھے چڑھنے سے بچگیا تھا وہ اہل دہلی سے نوچ گھسوٹ کر اتبدلے ہم خزاں میں افغانی حملہ آور دہلی سے سدھار گئے۔ اپنی روانگی سے پہلے احمد شاہ نے نجیب خاں کو امیرالامرا مقرر کر کے اُس کو خاص طور پر یہہ تاکید کردی تھی کہ بوڑھے کمزور بادشاہ کی پوری طور پر حفاظت کرتا رہے۔ لیکن اس نئے امیرالامرا کی جان کے لئے غازی الدین بہت تھا اور جب اُنے یہہ اطمینان ہوگیا کہ احمد شاہ اتنی دُور نکل گیا ہے کہ واپس لوٹ نہیں سکتا تو اُس نے نجیب خاں کو زبردستی دارالحکومت سے نکلوا دیا اور رانوجی سندھیا کے دو بیٹوں کو اشارہ کردیا جنھوں نے نجیب خاں پر اُسکے خاص تعلقۂ روہیلکھنڈ میں حملہ کردیا اور اُسے ہر طرف سے محصور کرلیا۔ اب غازی الدین پھر دہلی کا مالک بن بیٹھا تھا اور اُس نے پھر شاہ دہلی اور اُس کے خاندان کو اذیتیں پہنچانی شروع کردی تھیں۔ نوجوان ولیعہد مسمی علی گوہر نے تو کسی طرح فرار پر قرار کیا اور اپنی جان بچا لیگیا مگر بدکردار ترکمان غازی الدین نے بے گناہ بادشاہ کو ۳۰ نومبر ۱۷۵۹ء کو تہ تیغ بیدریغ کرڈالا۔ جان بچا کر بھاگنے والے شہزادے نے نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ کے دامن پناہ میں آکر بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اور افغان سردار احمد شاہ اپنی چھاؤنی انوپ شہر کو واپس پہنچگیا۔ اس کے بعد نواب وزیر اودھ نے مرہٹوں سے مقابلہ کرنے کے لیئے نجیب خاں سے اتحاد کرلیا اور غازی الدین نے جب دیکھ لیا کہ اب کسی طرح حیثیت قائم نہیں رہ سکتی تو وہ بھی دہلی سے بھاگا اور بھرتپور کے جاٹ سردار کے پاس پناہ لی اور سنہ ۱۸۰۰ء میں اسی طرح خانماں آوارہ اور برادری سے باہر اُس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

باب دوم صفحہ ۴۴

سندھیا اور میدان پانی پت

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مرہٹے ہندوستان کے اندر رانوجی سندھیا کے دو
بیٹوں کی قیادت میں تھے۔ ان میں سے ایک دتاجی تھا اور دوسرا مادھوجی تھا اور یہہ
دونوں نوجوان ۱۷۵۱ء میں فرانسیسوں کے اور نواب نظام الملک کے مقابلے میں امتیاز حاصل کر چکے
تھے۔ دتاجی کے متعلق ہم کو آئندہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس
نے نجیب خاں اور روہیلوں کو اس غرض سے اپنا دوست بنانے کی کوشش کی کہ اگر
آئندہ احمد شاہ ابدالی سے کوئی مقابلہ آپڑے تو وہ مدد کر سکیں۔ اس کے بعد وہ
ملہار راؤ ہلکر کی معیت میں افغانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے پنجاب گیا مگر وہاں میدان جنگ
میں مارا گیا اور اُس کے بعد مرہٹہ فوج بھی شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی ؎

اب سلطنت مغلیہ کی نبضیں ساقط ہو چکی تھیں۔ موجودہ زمانے میں کبھی کسی متمدن
سلطنت کو ایسا سخت تنزل نہیں ہوا ہوگا۔ جنگ صد سالہ میں فرانس کی حالت
ہر چند بہت سقیم ہو گئی تھی اور عام طبقات پر بالکل مایوسی طاری تھی مگر کم سے کم حکمراں
طبقے کے دل میں حب وطن کی آتش مردہ کا ابھی تک ایک شرارہ باقی تھا اور بادشاہ کی
ذات کو آفتاب امید خیال کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے سلطنت مغلیہ کی تباہی
تدریجی ہوئی مگر قطعی ہوئی۔ صرف یہی نہیں تھا کہ بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنیوالے طبقات صفحہ ۴۵
بالکل فنا ہو گئے ہوں بلکہ یہہ مصیبت تھی کہ بیرونی حملہ آوروں کے چلے جانے کے
بعد جسم سیاست کے زخموں کا لہو بند کرنیوالوں کا وجود بھی نہیں رہا تھا۔ سلطنت کی
حالت ایک نعش کی سی تھی اور ملکیوں غیر ملکیوں کی لڑائی کوّے چیلوں کی لڑائی تھی
جو ایک دوسرے کی نوچ کھسوٹ سے فرصت پاتے ہی اُس نعش کی بوٹیاں نوچنے
لگتے تھے۔ یہہ نظارہ کیا کم عبرت انگیز اور حسرت خیز تھا کہ ایسی وسیع اور شہرۂ آفاق

سلطنت ایک جسم مردہ کی طرح ہاتھ پانو پھیلائے پڑی ہو اور چیل کوّے اُس کی بوٹیاں نوچنے کے لیئے اس میں لڑتے ہوں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار؛

اس اثنا میں دکن پر گو اتنا عجز و کسل طاری نہیں رہا تھا مگر کچھ زیادہ سرگرمی و سر سبزی اُسے بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اگر ہندوستان ایک جسم مردہ کی طرح ساکت پڑا تھا تو دکن میں ایک آتش فشاں کی سی کھولن ہو رہی تھی۔ شمال میں جو مرہٹہ فوجوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا تھا اُس کی تلافی کرنے کے لیئے بالاجی پیشوا نے اپنے ابن عم سداشیوراؤ بھاؤ کی سرکردگی میں محروسات نواب نظام الملک پر حملہ کرنیکے لیۓ ایک فوج بھیجدی تھی۔ بھاؤ نے بہت جلد شہر احمد نگر اور اُس کے مضافات پر قبضہ کرلیا جس کے بعد ہی نامہ و پیام صلح شروع ہوگیا جس کے ذریعے سے بڑی جانکاہ قربانیوں کے بعد نواب نظام الملک نے اپنی قوت کو بالکل ہی فنا ہو جانے سے بچا لیا۔ ان کامیابیوں سے بلند ہمت ہو کر بھاؤ نے یہہ تجویز کی کہ متوفی باجی راؤ کے اُس منصوبے پر عمل کیا جائے کہ مسلمانوں کو بالکل ہندوستان سے خارج کر دیا جائے اور مرہٹوں کی ایک شہنشاہی ہند قائم کرلی جائے۔ یہہ تجویز اس وقت بہت کچھ قابل عمل نظر آتی تھی۔ اب مرہٹہ فوج محض غارتگر نیزہ بازوں اور سبک سیر غیر مقامی جنگبازوں کا گروہ نہیں رہا تھا بلکہ اب وہ ایک باقاعدہ سپاہ عمدہ گھوڑوں والے سواروں کی تھی جن کو ریاست سے تنخواہ ملتی تھی۔ اور ایک زبردست پیدل فوج بھی تھی جس کو فرانسیسی قواعد دانی سے بہرہ مند کیا گیا تھا۔ اب یہ معلوم ہوتا تھا کہ متوفی باجی راؤ کا منصوبہ عنقریب پورا ہو جائیگا۔ پیشوا کے فوجی سرداروں میں سب سے پیش پیش رانوجی سندھیا تھا جس نے ایک ادنیٰ حیثیت سے ترقی کی تھی۔ رانوجی کی وفات کے بعد اُس کا پوتا جنکوجی اُس کا جانشین ہوا۔ رانوجی کا ایک ناجائز بیٹا مادھو راؤ یا مادھوجی بھی تھا جو ۱۷۴۳ء میں پیدا ہوا تھا اور اُس وقت ہندوستان میں فوجی کارروائیاں کر رہا تھا جبکہ اُس کا بھائی دتاجی پنجاب میں افغانیوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس وقت مادھوجی بھی اپنے بھتیجے جنکوجی کے ساتھ معہ اپنے قبیلے کے ایک رسالے کے جو شمالی مالوے کی موروثی جاگیر سے تیار کیا گیا تھا سداشیوراؤ بھاؤ کی معیت میں روانہ ہو گیا؛

جوانی اور کامیابی کے نشے میں سرشار سداشیوراؤ بھاؤ بمعیت وشواس راؤ

صفحہ ۳۶

پسر پیشوا ستمبر ۱۷۵۹ئہ میں پونا سے باہر نکلا اور مغل سپہ سالاروں کے سے تزک واحتشام کے ساتھ آگے بڑھا۔ اُس کا لشکر جو دکن کے مسلمانوں کے مال غنیمت سے مالا مال ہو رہا تھا ایسا شاندار تھا کہ مرہٹوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ گرانٹ ڈف لکھتا ہے:-

"وسیع و بلند شامیانے جو اندر سے بانات اور ریشمیں کپڑوں سے منڈھے تھے اور بڑے بڑے ملمع کار کلس اُن پر چڑھے ہوئے تھے دور سے نظر آتے تھے۔ کثیر التعداد ہاتھی۔ رنگا رنگ کے پھریرے۔ اعلیٰ درجے کے سجے کسے گھوڑے جو ملک کے ہر جانب سے جمع کیے گئے تھے۔ یہ تمام ساز و سامان بالکل نقل کا اصل اُن مغلوں کی شان و شوکت کا معلوم ہوتا تھا جو اپنے عروج کے زمانے میں نزاکت مزاج اور لطافت طبع کا اپنے ہر مذاق سے ثبوت دیتے تھے۔"

صرف اس شان و شوکت ہی کی جدت اس وقت لشکر میں نہ تھی بلکہ وہ مرہٹہ سپاہ جو صرف ایسے غیر قواعد داں سواروں کی جمعیت ہوتی تھی جو لمبے بانس کے نیزوں سے مسلح ہوتے تھے۔ جن میں کا ہر شخص اپنا توشہ۔ گھوڑے کا دانہ چارہ اور اصطبل کا سامان اپنے ساتھ لیئے پھرتا تھا۔ جو اچانک دشمن کے بدرقۂ رسد پر ٹوٹ پڑتے تھے جو شکست کھا کر بھی پچاس میل تک گھوڑا اڑائے چلے جاتے تھے اور دوسرے ہی دن پھر جمع ہو کر ٹڈی دل کی طرح آ نازل ہوتے تھے۔ اب اُن کی جگہ میں ہزار چیدہ سواروں کی ایک مستحکم سپاہ تھی جس کے ساتھ ایک گھوڑ چڑھا توپ خانہ تھا اور ایک دستہ دس ہزار بندوقچیوں اور توپچیوں کا تھا جو سب کے سب پلٹنوں اور توپ خانوں میں تقسیم کیے ہوئے تھے۔ آخر الذکر دستہ ایک مسلمان اقبالمند نبرد آزما کی قیادت میں تھا جو ابراہیم گاردی کے نام سے مشہور تھا۔ ابراہیم نے فرانسیسی سپہ سالار بُسی کی ماتحتی میں فن حرب سیکھا تھا اور چونکہ حیدرآباد میں بُسی کی خاص ہمرکاب فوج یعنے باڈی گارڈ کا افسر ابراہیم تھا اس لئے وہ گاردی ہی کہلاتا تھا۔ حیدرآباد سے برخاست ہونے پر بھاؤ نے اس کی قدر شناسی کر کے اس کو اپنی پیدل سپاہ کا سردار بنا لیا تھا۔ بہت سے ہندو رئیس بھی اپنی تازہ بھرتی کی ہوئی فوج لیکر آ گئے تھے جس سے مرہٹہ فوج کی تعداد اور بڑھ گئی تھی۔ مالوہ پہنچتے پہنچتے ہلکر شریک ہو گیا تھا اور گیکواڑ بڑودہ اپنی فوج

لیکر گجرات سے آگیا تھا۔ بدیلکھنڈ سے گوبند پنتھ آگیا تھا۔ بہت سے راجپوت رئیس بھی آپہنچے تھے یا اپنی فوجیں بھیجدی تھیں اور بھرتپور پر مشہور جاٹ سردار اپنے بیس ہزار جانباز جاٹ لیکر شریک ہوگیا تھا؛

ان مختلف طبائع میں جلد اختلاف رائے پیدا ہوگیا۔ ہلکر اور سورج مل جو قبائل کے قدیمی فن جنگ سے واقف تھے بھاؤ پر یہہ واضح کرنے لگے کہ اب تک مرہٹوں نے مسلمانوں کو جو زکیں پہنچائی ہیں وہ باقاعدہ معرکہ آرائی سے نہیں ممکن ہوئی ہیں اس لیئے یہہ تجویز مناسب ہے کہ تمام لاؤ لشکر کو گوالیار یا بھرتپور جیسے کسی زبردست مقام پر چھوڑ دیا جائے اور محض مبارزین کو ساتھ لیکر زمانۂ قدیم کی مرہٹہ ترکتازی کا سلسلہ جاری کردیا جائے یعنے ملک میں جگہ جگہ لوٹ مار شروع کردی جائے۔ رسدیں لوٹ لی جایا کریں اور اُس وقت تک کوئی لڑائی جمکر نہ لڑی جائے جب تک دشمن رسد کی کمی سے بہ تنگ آکر دانے چارے کی تلاش میں ادھر اُدھر منتشر نہو جائے لیکن بھاؤ نے ان مشوروں کو حقارت سے مسترد کردیا اور کچھ ایسے الفاظ بھی کہے جن کا منشا یہہ تھا کہ ہلکر اور سورج مل جیسے موٹی عقل والے لوگ جنگی معاملات میں کیا مشورہ دے سکتے ہیں۔ بھاؤ نے اپنی آنکھوں سے قواعد داں فوجوں اور توپوں کے فیصلہ کن اثرات جنوبی نوجکشیوں میں اچھی طرح دیکھے تھے اور اُسے یہہ یقین تھا کہ اب بھی ہر صورت سے اُسی کا پلہ بھاری رہیگا۔ ہلکر کے غیر مقامی لڑائی کے تجربات اور جاٹ سردار کی ان گرھہ دوراندیشی کے متعلق بھاؤ نے یہہ رائے قایم کرلی کہ یہہ ایسے لوگوں کی بزدلانہ تجویزیں ہیں جو فن حرب کے اصول سے واقف نہیں ہیں۔ الغرض یہہ زبردست مرہٹہ لشکر دہلی کی طرف بڑھا چلا گیا جہاں وہ ماہ ستمبر ۱۷۵۹ء میں پہنچگیا جو مقامی فوج دہلی میں تھی وہ کسی طرح فصیل کی حفاظت کے لیئے کافی نہیں تھی اس لیئے بھاؤ بلا دشواری شہر کے اندر داخل ہوگیا اور خاص قلعے کا محاصرہ شروع ہوگیا جسمیں محل شاہی تھا۔ تھوڑی سی گولہ باری کے بعد زینے کے ذریعے سے فوج چڑھا کر اس قلعے پر قبضہ کرلیا گیا اور جنگی اخراجات کے نام سے سترہ لاکھ روپے کی رقم اس طرح وصول کی گئی کہ دیوان عام کی چھتوں وغیرہ پر سے وہ نقرئی سامان اُتار لیا گیا جو دو متواتر غارتگریوں کے بعد بھی بچ رہا تھا؛

صفحہ ۴۸

اس اثنا میں درانی بادشاہ احمد شاہ اپنی انوپ شہر کی چھاؤنی میں اسلامی سپاہ کی تیاری و تربیت میں بدل و جان مصروف رہا۔ اس سال کے موسم بہار بھر ایک تجربہ کار جنگ آزما کی طرح وہ خموشی کے ساتھ اپنی پیشقدمی کو ملتوی کئے رہا اور برابر روہیلوں کو اپنی امداد پر آمادہ کرتا رہا۔ نجیب خاں کا برابر یہہ تقاضہ تھا کہ کسی طرح نواب اودھ کو اسلامی جھنڈے کے تلے لایا جائے لیکن صورت حالات کچھ ایسی آپڑی تھی کہ اس تحریک میں کامیابی مشکل نظر آتی تھی[1]۔ سرداران ایران نے ابتک ہمیشہ تورانیوں کے خلاف ہندوستانیوں کی طرفداری کا میلان ظاہر کیا تھا اور ہندوستانی بھی صرف تورانیوں کو غیر ملکی فاتحین سمجھا کرتے تھے۔ علاوہ براں ایرانیوں کا ایک اور اختلاف شیعہ مذہب ہونے کی وجہ سے ایسا تھا جو اُن میں کسی طرح پرچم اسلامی کے تلے آنیکا جوش و خروش نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ احمد شاہ نے ان عذرات کی معقولیت کو سمجھکر نجیب خاں سے استدعا کی کہ وہ بذات خود شجاع الدولہ کے پاس جائے اور اُس سے کہے کہ کافروں کے مقابلے میں حامیانِ اسلام کا ساتھ دے چنانچہ اس مدبرانہ سفارت میں نجیب خاں کامیاب ہوگیا۔ شجاع الدولہ نے بسم اللہ مجریہا و مرسیہا کہکر کشتیٔ دل کو عشق کے دریا میں ڈال ہی دیا اور اپنے لواحقین کو معقول بدرقے کے ساتھ لکھنؤ میں چھوڑکر نجیب خاں کے ساتھ ابدالی کی چھاؤنی انوپ شہر میں آگیا جہاں اُس کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اختتام برشگال سے کچھ پہلے متحدہ افواج نے انوپ شہر سے ٹانڈالادا اور دلدلوں کے راستوں کو طے کرتی ہوئی آہستہ آہستہ دریائے جمنا کے بائیں کنارے کیطرف بڑھیں۔

صفحہ ۲۹

بھاؤ کو جب شجاع الدولہ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اُس کو اس نئے اتحاد سے توڑ لینے کے لئے خفیہ نامہ و پیام شروع کیا لیکن گرگ باراں دیدہ نجیب خاں کسی وقت اپنے مرید کے پہلو سے جدا ہی نہیں ہوتا تھا اور اُدھر تو طرح طرح کے نامہ و پیام سے بھاؤ کا دل بڑھایا جارہا تھا ادھر تمام خط و کتابت نجیب خاں کو دکھادی جاتی تھی۔ اس خط و کتابت کا

[1] بعض حلقوں میں یہہ خبر گرم تھی کہ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد بھاؤ نے وشواش راؤ کو شاہ دہلی بنادیا ہے اور شجاع الدولہ نواب اودھ کو اُس کا وزیر مقرر کردیا ہے۔ ۱۲ مصنف

حال احمد شاہ کے وزیر خاص سے بھی کہا گیا اور وہ خاص خاص شرائط پر ہندوؤں سے صلح کرنے پر راضی ہوگیا تھا اور ملک کے تجزیئے پر نامہ وپیام بھی شروع ہوگیا تھا۔ لیکن نجیب خاں نے احمد شاہ کی شرکت کر کے اپنی قسمت کو ایسے داؤ پر لگا دیا تھا کہ اُسے کسی شرائط پر بھی بساط جنگ کے اُٹھ جانے سے اپنا کہیں ٹھکانہ نظر نہیں آتا تھا۔ اور اس تمام نامہ وپیام کا سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا کہ جاٹ سردار سورج مل جو
صفحہ ۴۱ پہلے ہی سے کچھ مذبذب تھا اب بالکل ہی بدظن ہوگیا اور کچھ دن بعد اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ آخرکار دسہرے کا زمانہ آگیا جو ہندوستان میں بارش کے اختتام پہ آتا ہے اور کسی امراہم کے شروع کرنے کے لیئے نہایت عمدہ اور مبارک موقعہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ بھاؤ نے جمنا کی طرف پیش قدمی کی اور آگے بڑھتے ہوئے ایک افغانی ہراول کو ۲۰ر اکتوبر سنہ ۱۷۶۰ء کو دہلی سے جانب شمال اسی میل کے فاصلے پر مقام کنجپورہ پر گھیر کر فنا کر ڈالا۔ دریا ابھی برساتی سیلابوں سے پُرہی تھا کہ احمد شاہ نے اس گستاخی کی سزا دینے کے لیئے اپنی خاص فوج کو پار اُتارا۔ ۲۶ر اکتوبر سنہ ۱۷۶۰ء کو سونی پت پر ایک مڈبھیڑ ہوئی اس میں افغانیوں نے ہندو فوج کو جانب شمال پیچھے ہٹایا یہاں تک کہ اُس نے پانی پت کی دیواروں کے نیچے پناہ لی۔ اس حالت میں دونوں لشکر ایکدوسرے کے سامنے دو ماہ تک پڑے رہے اور اس عرصے میں ہلکر اور سورج مل کی سال گزشتہ کی نصیحت کے فوائد اچھی طرح مرہٹوں پر ظاہر ہوگئے۔ کیونکہ اب مرہٹوں پر یہ آفت تھی کہ وہ سب طرف سے گھرے ہوئے تھے اور قلت رسد کی تکلیف میں مبتلا تھے اور مسلمانوں کی باری تھی کہ اُن کے ہلکے ہتھیاروں والے سوار ملک کو لوٹتے پھرتے تھے۔ اپنے دشمنوں کو ضروریات زندگی سے محروم کرتے جاتے تھے اور جو جماعتیں بڑے لشکر سے الگ نکل جاتی تھیں اُن کی خیر گھاتے میں منا لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ گوبند پنتھ دانے چارہ کی تلاش میں باہر گیا ہوا تھا کہ اُسے اچانک افغانیوں نے آگھیرا اور وہ خود معہ اپنے ایک ہزار ہمراہیوں کے میرٹھ کے قریب کام آگیا۔ بہر حال ۲۳ر دسمبر سنہ ۱۷۶۰ء کی ایک آویزش میں نجیب خاں کے تین ہزار روہیلے بھی کام آگئے تھے۔

آخرکار جنوری سنہ ۱۷۶۱ء کی چھٹی تاریخ آگئی جبکہ بھاؤ نے نصف شب کی مجلس شوریٰ کے بعد آخری پیام شجاع الدولہ کے پاس بھیجا لیکن اس کا جواب آنے سے پہلے مرہٹے صفحہ ۴۱

بے قابو ہو چکے تھے۔ صبح کے وقت اپنا آخری کھانا کھا کر وہ اپنی جائے پناہ سے اپنے چہروں پر ہلدی ملے ہوئے مارنے مرنے کے لیئے نکل کھڑے ہوئے ہؔ

افغانی سپاہ میں اٹھائیس ہزار گراں بار سوار موجود تھے جو پورے طور سے مسلح اور قد آور ترکمانی گھوڑوں پر سوار تھے۔ انھی کے ساتھ اتنی ہی تعداد روہیلا سواروں کی تھی اور تقریباً اڑتیس ہزار ہندوستانی پیدل سپاہ تھی جو توڑے دار بندوقوں اور برچھوں سے مسلح تھی اور تمام سپاہ کی حفاظت کرنے کے لیئے اسی توپیں تھیں۔ ہندو برادری کی قوت متواتر معرکوں کے نقصانات سے اور اتحادیوں کے ساتھ چھوڑ دینے سے اگرچہ گھٹ گئی تھی پھر بھی اُن کے پاس زبردست رسالہ اور گھوڑ چڑھا توپ خانہ تھا اور باقاعدہ پیدل فوج اُن کے علاوہ تھی۔ اُن کے لشکر کا مجموعی تخمینہ تین لاکھ کیا جاتا ہے مگر اس تعداد میں غیر مبارزین بھی شامل تھے۔ مبارزین جو صبح کے وقت ہتیلی پر جان لیکر نکلے تھے ستر ہزار یا زیادہ سے زیادہ اسی ہزار تھے جن کے ساتھ دو سو توپیں تھیں اور اور زنبورچوں کی بھی بڑی تعداد تھی۔ اس کے علاوہ اُن کے ساتھ معمولی اسلحہ والی ہلکی فوج بھی تھی مگر اس کو گھمسان کی لڑائی میں کچھ زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی ہے۔ اُنھوں نے ایک خط منحرف کی صورت میں بڑھنا شروع کیا اور اپنے میسرہ کو آگے کی طرف جھکائے رکھا اور توپوں کو سب سے آگے رکھا۔ قلب میں بھاؤ اپنی محافظ سپاہ کے ساتھ رہا اور میمنہ پر سندھیا اور ہلکر کے ماتحت رسالے رہے۔ پیدل فوج ابراہیم گاردی کی قیادت میں اصل میسرہ تھی جس کی دو پلٹنیں ذرا پیچھے کو اس طرح ہٹی ہوئی تھیں کہ ایک نیم مربع کی صورت پیدا ہوگئی تھی ہؔ

اس پیشقدمی کے انداز پر ایک نظر ڈال کر احمد شاہ نے بھی اپنی سپاہ کو اسی ترتیب سے صف بستہ کیا جس میں میسرہ پر سندھیا اور ہلکر کے مقابلے میں نجیب خاں اور اُس کے صفحہ ۲۴۳
روہیلوں کو رکھا اس کے بعد نواب اودھ معہ اپنے دو ہزار سواروں کے تھا اور اُس کے بعد افغانی وزیر شاہ ولی خاں کا زرہ پوش رسالہ تھا۔ میمنہ پر ابراہیم گاردی کے مقابلے میں دو ایرانی رسالے تھے۔ قلب میں حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلہ

لہ مسلمانوں میں سر سے کفن باندھکر مارنے مرنے کو نکلتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

سرداروں کی سرکردگی میں روہیلا سوار رکھے گئے تھے۔ ان سے علاوہ دو زبردست رسالے دونوں بازوؤں پر افغانی قاعدہ داں کی سرکردگی میں بطور محفوظ سپاہ کے رکھ دیئے گئے تھے اور یہ تمام اسلامی لشکر کی ناک تھے۔ احمد شاہ بہ نفس نفیس عقب سے احکام جنگ صادر کر رہا تھا۔

مرہٹہ توپوں نے دشمن کے بڑھتے ہوئے لشکر پر گولے پھینکنے شروع کیے لیکن دونوں فوجیں جس وقت قریب ہو گئیں اور دست بدست کی نوبت آگئی اسی وقت فرانسیسی قواعد دانی کی قدر و قیمت ظاہر ہونے لگی۔ ایرانی رسالوں کے حملے کو پسپا کر کے ابراہیم گاردی روہیلوں پر اس زور شور سے آکر پڑا کہ ذرا سی دیر میں اُن میں سے آٹھ ہزار ٹھکانے لگ گئے اور تین گھنٹے تک میدان ابراہیم کے ہاتھوں میں نظر آتا تھا۔ شجاع الدولہ پر بالکل سکتے کا عالم طاری تھا۔ نہ وہ میدان میں کوئی جوہر دکھاتا نہ پیٹھ دکھاتا تھا۔ شجاع الدولہ اور نجیب خاں کے درمیان شاہ ولی خاں کا زرہ پوش رسالہ تھا جس کی صفیں خاص بھاؤ نے حملہ کر کے درہم برہم کر دی تھیں۔ شاہ ولی خاں کا گھوڑا مارا گیا تھا اور وہ خود پیادہ پا ہو کر خطرات میں گھر گیا تھا اُس نے شجاع الدولہ کے پاس پیام بھیجا کہ فوراً اپنے تئیں مدد کے لیئے پہنچائے۔ بعد کی لڑائیوں میں شجاع الدولہ نے اس کا کافی ثبوت دیا کہ اُس میں جوہر سپہگری کی کمی نہیں تھی جو اُس نے انگریزوں کے مقابلے میں بھی اچھی طرح دکھایا مگر یہ شاید پہلا موقعہ تھا اس لیئے وہ اس موقعے پر اپنے تئیں اس کام کا اہل نہیں ثابت کر سکا۔ دور اندیش نجیب خاں نے ایسے ہی وقت کے لیئے اپنے واسطے دمدمے باندھ لیئے تھے اور سر میدان اُس نے بالکل صحیح کہا تھا کہ میرے ہاں غلطی کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ چنانچہ دوپہر تک وہ سندھیا صفحہ ۴۴
کے حملوں کو اپنے مورچوں میں سے زنبورچہ بازی کر کے پسپا کرتا رہا۔ یہ وہ موقعہ ہے جہاں ہم اپنے نوجوان طالع آزما کی تصویر اپنے بھتیجے اور قبیلے کے سردار جنکوجی کے دوش بدوش جنگ میں مصروف۔ توپوں کی گھن گرج۔ گولیوں کی سنسناہٹ اور زنبورچوں کی گڑگڑاہٹ کے درمیان کھینچی جا سکتی ہیں جبکہ پرستاران شیو اور وشنو کی جے جے کار مسلمانوں کے دین دین کے ساتھ فضائے فلک پر دست و گریباں ہو رہی تھی۔ احمد شاہ نے عقب سے اس نازک موقعہ کو غور سے دیکھا اور سمجھا۔ اور چپ و راست سے اپنے محفوظ رسالوں کو لیکر

اپنے مخدوش قلب کو کمک پہنچانے کے لیئے دھاوا کیا اور دونوں بازوؤں پر احکام بھیجے کہ سر بکف ہو کر دشمن کے دونوں بازوؤں پر ٹوٹ پڑیں ؛

یہ نقل وحرکت ایک بجے دنکو شروع ہوئی اور ایک گھنٹے تک بہت گھمسان کا رن پڑا۔ اس کے بعد بھوک کے مارے ہندوؤں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ بھاؤ نے اپنے متعلقین کو ہلکر کی حفاظت میں چھوڑا اور اپنے گھوڑے کو میدان سے پھیر کر فرار پر قرار کیا۔ ہلکر کے لیئے یہ اشارہ کافی تھا اُس نے اُس سمجھوتے پر بھروسہ کیا جو اُس کے اور روہیلوں کے درمیان ہمیشہ سے قایم تھا اور میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ وشواس راؤ اپنے ہاتھی پر مارا گیا۔ جان بچا کر بھاگ جانیوالوں میں جنار دھن بالاجی بھی تھا جو بعد کے زمانے میں نانا فرنویس کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اُسے جنگ نہیں قصابی کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ چالیس ہزار اسیران جنگ اُسی جگہ قتل کر ڈالے گئے اور ہزاروں جدھر منہ اُٹھا بھاگ نکلے اور مفروروں میں سے اکثر کو متعاقبین نے اور اکثر کو قریات و مواضعات کے باشندوں نے مال غنیمت کی خاطر قتل کر ڈالا ؛

فراریوں کے انبوہ میں نوجوان مادھوجی بھی اپنی چھریری کاٹھیاواڑی گھوڑی کو صفحہ ۴۴
سرپٹ دوڑائے لیئے چلا جا رہا تھا جس کے قدم اور اس لیئے تیز پڑ رہے تھے کہ پیچھے ہی پیچھے ایک زبردست افغانی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز اور نتھنوں کے پھنکارے برابر سنائی دے رہے تھے کیونکہ مال غنیمت کی خاطر ایک دیوزاد افغان لگا چلا آرہا تھا۔ تعاقب کا سلسلہ بڑی دیر تک جاری رہا یا مصیبت زدہ مادھوجی پر ایک ایک گھڑی پہاڑ ہو رہی تھی اس لئے اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ آخر کار کاٹھیاواڑی گھوڑی ایک خندق پر سے جست کرنے میں گر پڑی اور جانبری کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ متعاقب بھی آپہنچا اور گھوڑے سے کود کر سندھیا کے منہ پر تھوک دیا اور اُس کے گھٹنے پر ایک ضرب ایسی رسید کی کہ جس سے وہ بالکل لنگڑا ہو گیا۔ پھر اُس کے قیمتی ملبوس وجواہرات اُتار کر وہ افغانی سندھیا کی نسلی گھوڑی پر سوار ہو گیا اور جاں بخشی کر کے نظروں سے غائب ہو گیا ؛

مادھوجی کا بھتیجا جنکوجی جو سندھیا قبیلے کا سردار ہو کر آیا تھا اس حسن اتفاق سے بھی دوچار نہو سکا۔ میدان افغانیوں کے ہاتھ رہتے وقت وہ اسیران جنگ

کے انبوہ کے ساتھ دوسرے دن باوجود نواب اودھ کی سخت سفارش اور کوشش سے بھی قتل کر ڈالا گیا۔ میدان جنگ سے کئی میل کے فاصلے پر ایک جسم بے سر بھی پایا گیا اور اُسی کو اپنے وقت کے زبردست و متکبر سداشیو راؤ بھاؤ کا لاشہ سمجھا گیا اور شجاع الدولہ کی خاص التجاؤں پر جو ہندوستانیوں کے ساتھ برابر اظہار ہمدردی کرتا رہا تھا اس لاشہ کو ہندو رسوم تجہیز و تکفین کے ساتھ جلائے جانے کی اجازت دیدی گئی۔ بہادر ابراہیم گاردی بھی زخموں سے چور ہو کر گرفتار ہو گیا تھا۔ افغانی سرداروں نے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دینے پر اُس کو سخت طعن و تشنیع کی اور چند روز بعد وہ بھی جاں بحق ہو گیا کیونکہ اُس کے زخموں کی مرہم پٹی اچھی طرح نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ بعض کا تو خیال ہے کہ قصداً اُس کے زخموں کو بگاڑ دیا گیا تھا۔ ان تمام معاملات کے دوران میں شیعہ نواب شجاع الدولہ کی بے اطمینانی اس کم التفاتی کی وجہ سے بڑھتی چلی گئی جس کا برتاؤ اُس کے ساتھ کیا جا رہا تھا کیونکہ دراصل نواب موصوف سے جو کچھ صفحہ ۵۴
بھی امداد احمد شاہ کو ملی تھی وہ شاہ موصوف کی نظر میں بالکل ہیچ تھی۔ بعد کے واقعات نے اچھی طرح ثابت کر دکھایا کہ شجاع الدولہ کوئی کم پایہ کا سپاہی نہیں تھا مگر اس جنگ میں تو اس کے اتحادِ عمل میں ایک گونہ بددلی یقیناً پائی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ شجاع الدولہ افغانی لشکر سے بغیر جانبین کے کسی غیر معمولی رسوم و مدارات کے اظہار کے روانہ ہو گیا اور اُسکے بعد سے اُس نے کبھی کسی مذہبی جنگ میں حصہ نہیں لیا؛

احمد شاہ نے کچھ عرصہ بعد اپنے مُلک کو مراجعت کی لیکن واپسی سے پہلے اُسنے شاہ عالم کی بادشاہی کا اعلان کیا جو اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا اور بادشاہ کی عدم موجودگی کے زمانے کے لیئے ایک عارضی مجلس حکومت قائم کر کے شاہ عالم کے سب سے بڑے بیٹے مرزا جواں بخت کو اُس کا صدر مقرر کیا اور نجیب خاں کو نجیب الدولہ کا خطاب دیکر صلح و جنگ کے معاملات میں وزیر اعظم مقرر کیا جیسا کہ وہ اس جنگ سے پہلے بھی رہ چکا تھا؛

سنہ ۱۷۶۰-۶۱ء کی یہ جنگ عظیم سب سے پہلے تو فن حرب کی قابلیت و استقلال کی قدر و قیمت کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے۔ اپنے اتحادی نجیب خاں کی طرح احمد شاہ کے ہاں بھی غلطی کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ برخلاف اس کے بھاؤ اگرچہ

بڑا بہادر تھا مگر نہایت متکبر اور غیر محتاط اپنے حربی و سیاسی نتائج کے اعتبار سے بھی یہہ معارک عظیم
خاص طور سے قابل غور ہے۔ اس میں اُس انتہائے زور و قوت کا نمونہ ہی پیش نہیں
ہوا جو اُس زمانے میں جنوبی ہندو برادری کو حاصل ہو گئی تھی بلکہ پہلی مرتبہ یہہ بھی پیش
آیا کہ ایک ایشیائی قوم نے یورپ کے فن حرب کو ایشیا کے قرون وسطیٰ کی جنگبازی
کے مقابلے میں استعمال کیا۔ اس میں شک نہیں کہ کامیابی آخر الذکر کو ہوئی۔ باوجود
گھوڑ چڑھے توپ خانے اور قواعد داں پیدل سپاہ سے کام لئے جانے کے بھی دشمن صفحہ ۴۶
نے اپنے زرہ پوشوں کے تابڑ توڑ حملوں کی وجہ سے میدان مار لیا مگر گاردی کے سپاہی
باوجود پوری طور پر قواعد داں نہونے کے اور باوجود کسی یورپین افسر کی عدم موجودگی
کے بھی جس شان اور کامیابی سے میدان کو ہاتھ میں لیئے رہے تھے اس سے نوجوان
مادھوجی کے دل پر خاصہ اثر پڑا تھا۔ ہم آگے چل کر ابھی یہ دیکھینگے کہ خاص سندھیا کی
قسمت پر براہ راست اثر ڈالنے کے لیئے کارکنانِ قضا و قدر نے ان واقعات کا پہلو
ڈالا تھا۔ اس وقت کی عارضی پامالی نے مرہٹوں کو بنگال پر حملہ کرنے سے روک
دیا جس میں شاہ عالم اور شجاع الدولہ بھی غالباً اُن کے شریک ہو جاتے اور ممکن ہے
یہ سب مل کر اُس زمانے کی برطانوی قوت کے کچے کمزور پودے کو جڑ سے اُکھیڑ پھینکتے
اگر مرہٹے بنگال میں کامیاب ہو جاتے تو کوئی چیز اُن کو شمالی ہند میں روکنے والی
نہیں باقی رہتی اور جنوبی ہند میں واپس جا کر خواہ کتنی ہی لڑائیاں اُنھیں لڑنی پڑتیں
مگر مادھوجی سندھیا کی اولوالعزمیوں کے شروع ہونے کا کوئی راستہ نہیں پیدا ہوتا۔
ممکن تھا کہ وہ حیدر علی یا نواب نظام الملک کے خلاف امتیازی کامیابیاں حاصل کر لیتا لیکن اُس کو
وارن ہیسٹنگز کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کرنے کا موقع نہیں مل سکتا اور نہ اس کو
ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا مطلقاً مالک بننا نصیب ہوتا۔

یہہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر پونا کی حکومت کے شمالی ہند پر حملہ کرنے کو اور
اس حملے میں مرہٹوں کی افغانوں کے ہاتھوں نہایت خونریز پامالی کو خاص طور سے
اسی وقت پر پیش آنے کے قابل سمجھا جاتا ہے اور اپنے نتائج کے اعتبار سے اس قدر
اہم شمار کیا جاتا ہے۔ اس وقت کے بعد اور کسی وقت اگر یہہ جنگ پیش آتی تو ہرگز اس
درجہ اہمیت نہیں حاصل کر سکتی تھی۔ رستاخیز پانی پت کے بعد چند ہی سال کے اندر

صفحہ ۴۷ سکھ قوت کو استحکام حاصل ہوگیا تھا۔ اس لیئے پھر کسی طرح افغانوں کو پنجاب میں راہ پانا نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ معرکۂ پانی پت کے بعد صرف چند تاختیں اور ہوئیں جن میں سے ہر ایک اپنے سے پہلی کی بہ نسبت کمتر کامیاب ہوتی گئی یہانتک کہ نوخیز نیم ہندو برادری یعنے خالصہ قوت اہل شمال کی یورشوں کے مقابلے میں سد سکندری کی طرح حائل ہوگئی جس نے اُدھر کے حملوں کے سیلاب کو ہمیشہ کے لیئے روک دیا۔ صرف یہی نہیں کہ خالصہ دیوار نے یورشوں کے سیلاب کو روک دیا ہو بلکہ اُس نے ایک اور بھی خلاف امید تبدیلی ایسی پیدا کردی جس کی طرف بہت کم مورخ توجہ کرتے ہیں۔ سولھویں صدی کے دہلی زمانے سے برابر ایک ایک کر کے کثیر التعداد ایرانی اور ترکمانی طالع آزماؤں کی بھرتی چلی آرہی تھی جن میں سے سلطنت مغلیہ کو زبردست فلسفی۔ خوبصورت شہزادیاں۔ بہادر سپہ سالار اور قابل سیاست داں برابر میسر آتے جاتے تھے۔ اب اس حملے سے نقل مکان کا یہ سلسلہ بالکل بند ہوگیا۔ اور جس وقت کہ بچے کھچے آٹھ دس مغل سردار بھی دُنیائے ہند سے کوچ کر گئے اُس وقت کسی دوسری ایسی زبردست شخصیتوں کا وجود نہیں رہا جو ہند کی تربیت پذیر طبیعتوں کو اپنے سانچے میں ڈھال کر بساط ملک پر جس چال چلانا چاہیں چلالیا کریں؛

بصورت موجودہ ان غیر ملکیوں میں جو سب سے زبردست تھا یعنے نجیب الدولہ وہ دہلی میں مختار کل بنا ہوا تھا۔ اٹھارہ مہینے پہلے جو ہندو انبوہ فاتحین کے طور پر شہر دہلی میں گھسا تھا اُن میں مشکل سے کوئی ایسا بچا ہوگا جو اپنی جان سلامت لیکر دکن پہنچ گیا ہو۔ ہندوستان پاک ہوگیا تھا مگر اس طرح جیسے آگ جلاکر پاک کر ڈالتی ہے کہ سوائے ہر طرف راکھ کے ڈھیر کے اور کچھ باقی ہی نہیں رہتا۔ مخلوق کی مصیبت زدہ حالت کا اندازہ ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو ٹاڈ نے اپنی کتاب موسومہ راجستان میں ایک ہندی مورخ سے نقل کیئے ہیں؛

صفحہ ۴۸ "اُس زمانے میں اہل ہندستان کو صرف اپنی سلامتی اور اپنے اپنے پیٹ کی پڑی ہوئی تھی۔ جو لوگ مصیبت سے بچ جاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی فرد بشر مصیبت میں نہیں ہے۔ ہر نفس اپنی نفسانیت میں اس قدر غرق تھا کہ وہ بنی نوع کے وجود کو گویا بالکل فراموش کیئے ہوئے تھا۔

یہہ نفسانیت جو جماعت و افراد دونوں کی صفات حسنہ کے واسطے
مہلک ہے نادر شاہ کے حملے کے بعد ہندوستان میں عام ہو گئی تھی۔
اس کے بعد سے مخلوق کی حالت اب تک کچھ سنبھلی نہیں ہے چنانچہ اب
بھی نہ اُن کو مرفہ الحالی نصیب ہے نہ آزادی سے بہرہ حاصل ہے۔"

اس وقت مرہٹہ برادری ایسا صدمہ اُٹھا چکی تھی کہ اُس میں یہہ دم نہیں رہا تھا کہ اب بہت دن تک ہندوستان کے امن میں اُس کے کوئی افراد خلل ڈال سکیں ابتدائی آویزشوں میں۔ میدان جنگ کے قتل وخون میں۔ اور بعد کو اسیرانِ جنگ کے افغانیوں کے ہاتھوں اور فراریوں کے متعاقبین یا دہقانیوں کے ہاتھوں قتل ہو جانے میں جو نقصان ہوا تھا اُس میں زبردست مرہٹہ لشکر کا تین چوتھائی حصہ فنا ہو گیا تھا۔ گرانٹ ڈف کے تخمینے کے مطابق اس محاربۂ عظیم میں دو لاکھ مرہٹہ سپاہ کام آگئی تھی۔ مرہٹوں کو اس تباہی سے بچانے اور کامیابی دلانیکی کوشش بھی کی گئی تھی۔ پانی پت کی نو یا دس ہفتے کی ناکہ بندی کے زمانے میں بھاؤ کی مصائب کی خبریں اس کے ابن عم کے پاس پونا پہنچ چکی تھیں۔ پیشوا اگرچہ عیش پسند تھا مگر ہمت مردانہ سے عاری نہیں تھا اور اُس نے اپنے اعزا و احباب کی جان بچانیکے لیئے حتی الامکان کوشش میں کمی نہیں کی۔ دسمبر سنہ ۱۷۶۰ء میں وہ احمد نگر سے پوری ممکن الاجتماع فوج لیکر نکلا۔
ابھی وہ نربدا تک پہنچا تھا کہ دریا کو عبور کرتے وقت اُس کو ایک ہرکارے نے سلام صفحہ ۴۹
کیا جو ایک ساہوکار کا خط لیئے ہوئے جا رہا تھا۔ اس ہرکارے کو مکتوب الیہ کے پاس یہہ خط پہنچانیکی بہت جلدی تھی۔ بہرحال اس خط کو ہرکارے سے لیکر پیشوا نے یہہ بُری گھڑی کے الفاظ پڑھے۔ "دو موتی گم ہو گئے۔ ستائیس اشرفیاں گھل گئیں۔ چاندی اور تانبے کے نقصان کا اندازہ بیرون از قیاس ہے۔"

تقاضائے احتیاط کے مطابق جس استعارے میں وہ خط بھیجا گیا تھا اُس سے پیشوا کی سمجھ میں وہ تباہی و بربادی آگئی جو افسروں اور سپاہیوں پر نازل ہو چکی تھی۔ اسکے بعد ہی بدحواس فراری ایک ایک کر کے لشکر میں ٹپکنے شروع ہو گئے جو برابر اُس حادثۂ جانکاہ کی خبریں لیئے آ رہے تھے۔ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ پر رنج و قلق کا عالم طاری ہو گیا اور بڑی حسرت کے ساتھ پیشوا نے اپنی ہیچکارہ کمک کی واپسی کے احکام صادر کر دیئے

پیشوا کی صحت اپنی عیش پرستی کی وجہ سے پہلے ہی خراب ہو رہی تھی۔ اس صدمے نے
بالکل اُس کی کمر ہی توڑ دی اور جون سنہ ۱۷۶۱ء میں وہ شکستہ دل ہوکر پونا میں انتقال
کر گیا۔ اس کے بعد مرہٹہ مملکت کی صدارت عظمیٰ پر اُس کا منجھلا بیٹا مادھوراؤ تخت نشین
ہوا جو سندھیا کا ہمنام تھا؛

ذیل کے صفحات میں ہم ناظرین پر اُس بڑے آدمی کی شخصیت و انداز رفتار کو
واضح کرینگے جس نے اس طرح غارتگری، مصائب اور طوائف الملوکی کے گہوارے
میں پرورش پائی۔ اپنی زندگی کے بڑے حصے میں ہر قسم کی مخاصمتوں اور سازشوں
سے دوچار ہوتا رہا اور پھر بھی اسی ابتری اور بے ترتیبی کے اندر ایک ایسا راستہ
نکالا جس سے مصیبت زدہ قوم کی سرسبزی و خوشحالی کی پہلی منزل طے ہوگئی؛

یہہ لکھا جا چکا ہے کہ مادھوجی ناجائز بیٹا رانوجی پٹیل کا تھا اور رانوجی دراصل
اپنے آقا پیشوا کا کفش بردار تھا۔ رانوجی کا خاندان بہت اعلیٰ اور بہت شریف تھا۔ صفحہ ۵۰
اس خاندان کے ایک ادنیٰ شخص کی نسل میں کنیر کھیڑہ کی سرداری تھی جو ستارا سے
سولہ میل پر واقع ہے۔ خود رانوجی کے مورثوں کو سلطنت مغلیہ کے اندر منصب
حاصل رہا تھا۔ مگر رانوجی کے باپ پر بُرا وقت آگیا تھا اور وہ موضع کا پٹیل رہگیا تھا اور
اُس کا بیٹا رانوجی بالاجی وشوا ناتھ پیشوا کے پائیگاہ یعنے شاگرد پیشوں میں ملازم ہوگیا
تھا۔ رانوجی کا کام یہہ تھا کہ جب پیشوا اپنے راجہ کی ملاقات کے لیئے اندر جائے تو
وہ پیشوا کی جوتیوں کی حفاظت رکھے اور جب وہ اندر سے نکلے تو جوتیاں جھاڑ کر
اُس کے سامنے رکھدے۔ ایک موقع پر پیشوا کو تخلیئے میں دیر لگ گئی اور رانوجی اس
قدر تھک گیا کہ وہ اپنی جگہ پر پڑ کر سو رہا۔ پیشوا جب باہر آیا تو اُس کو یہہ ادا بہت
پسند آئی کہ سوتے وقت نمک حلال ملازم اپنے آقا کی جوتیاں دونوں ہاتھوں میں
لیئے ہوئے سینے سے لگائے تھا۔ اس وقت سے رانوجی کی قسمت کا ستارہ چمکا
اور رفتہ رفتہ اُس کو ایک جاگیر شمالی مالوہ میں عطا کردیگئی اور اُسے افسر بنا دیا گیا۔
چنانچہ اُس نے قدیم راجہ بکرماجیت کی راجدھانی اُجّین کو اپنا صدر مقام قرار دیا
اور وہیں رہنے لگا۔ صوبۂ مالوہ پہلے نواب آصف جاہ بہادر کی زیر علمداری تھا جو موجودہ
حکمرانان حیدرآباد کے مورث اعلیٰ ہیں۔ سنہ ۱۷۲۴ء میں جب نواب آصف جاہ بہادر دکن فتح کرنے کے

لیئے گئے تو اس پر دوسرا صوبہ دار آگیا اور اسی طرح ایک کے بعد دوسرا آتا رہا یہاں تک
کہ سلطنت مغلیہ کے زوال ہی کے زمانے میں ایک باضابطہ صوبہ دار جے سنگھ نامی مقرر صفحہ ۵۱
کیا گیا جو جے پور کا نمک حلال اور قابل مہاراج تھا۔ اس صدی کے وسط میں بالاجی
باجی راؤ پیشوائے ثالث نے جس کی شکست و موت کا حال ابھی لکھا جا چکا ہے
اس صوبے پر اس حیلے سے قبضہ کر لیا کہ وہ سلطنت مغلیہ کے ماتحت صوبہ دار کے
طور پر سلطنت کا باجگذار رہیگا۔ لیکن چونکہ پیشوا کو اپنے دور دراز مستقر میں اور ضروری
باتوں میں مصروفیت بہت رہتی تھی اس لیئے اس نئے مقبوضے کے اس طرح
حصے بخرے کیئے کہ جنوبی حصہ تو ملہار راؤ ہلکر کو بطور جاگیر کے عطا کر دیا اور شمالی حصہ اسی طرح
رانوجی کو دے ڈالا۔*

رانوجی نے اپنا صدر مقام شمالی مالوہ میں اُجین کو مقرر کیا اور اسی مقام پر
وہ پانچ بیٹے چھوڑ کر راہی مُلک عدم ہوگیا۔ ہماری داستان کا ہیرو ان پانچوں میں عمر
کے اعتبار سے چوتھا تھا اور ولادت کے اعتبار سے ناجائز تھا۔ مادھوجی کے سب
بھائی پانی پت کی لڑائی سے پہلے ہی پانی پت کے واقعے میں ختم ہو چکے تھے چنانچہ جہاں تک ہم تذکرہ کر آئے
ہیں اس وقت صرف یہی ایک پاشکستہ مفرور اپنے خاندان کا آخری نام لیوا راستے
کے کنارے مرجانیکے لیئے افغان متعاقب کے ہاتھ سے بچ رہا تھا۔ لیکن یہ خاندان
بے چراغ ہونے سے بچنے کو تھا۔ خدا نے عین وقت پر اس راستے ایک بھشتی کو بھیجدیا
جو اپنے بیل پر پکھال لادے چلا جا رہا تھا۔ اس بھشتی نے جس کا نام رانا خاں تھا زخمی
سردار کو اُٹھا کر بیل پر لادلیا اور ایک مقام محفوظ پر لیگیا اور اس انسانیت کے معاوضے
میں رانا کو آخر کار نہایت ہی معقول انعام بھی ملا۔ نوجوان مادھوجی جو کبھی بھلائی یا بُرائی کو
دل سے بھلایا نہیں کرتا تھا ہمیشہ اس مسلمان بھشتی کو بھائی کہکر خطاب کرتا رہا اور جب
یہ بھشتی فوجی ملازمت میں داخل ہو گیا تو مادھوجی نے اس پر اس قدر عنایت کی نظر مبذول صفحہ ۵۲
رکھی کہ ایک دن رانا خاں فوج کا سپہ سالار ہوگیا اور بعد کے کئی اہم معرکوں میں اُس
نے سپاہ کی قیادتیں کیں۔*

پانی پت کے واقعۂ ہائلہ کے وقت مادھوراؤ کی عمر اندازاً انیس سال تھی
اُس کی صحیح عمر اس وجہ سے نہیں بتائی جاسکتی کہ کسی بیاہتا بیوی کے بطن سے نہ ہونیکی

وجہ سے اُس کی پیدائش کا وقت اور مقام ہمیشہ چھپایا گیا تھا۔ اب چونکہ وہی ایک اہلیت رکھنے والا اپنے تمام خاندان کا نام لیوا رہگیا تھا اس لیئے اُسی کے ہاتھ موروثی جاگیر اور جاگیری فوج کی قیادت آئی اگرچہ اس میں اس کو بڑی دشواریوں اور الجھنوں میں بھی پھنسنا پڑا۔ پُرانے زمانے کے بوڑھے سردار سب اُس کی ناجائز ولادت کی وجہ سے اُس کی وراثت کے خلاف تھے اور بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس مخالفت نے اُس کے دل میں اپنے ہمقوموں کی طرف سے بغض و عناد کا بیج بو دیا تھا چنانچہ جب وہ ملکی و فوجی نظام قائم کرنے کے قابل ہوا تو اُس نے اپنے ہمقوموں کے مقابلے میں ہمیشہ غیروں کو ترجیح دی۔ مادھوجی سے سرکشی کے آثار بھی ظاہر ہوئے تھے اور ایک مرتبہ تو اُس کو سخت سزا کا بھی مستوجب سمجھا گیا تھا جبکہ اُس کو حکم تو یہ ملا تھا کہ جاکر اپنے خواجہ تاش ہلکر کی موت کے وقت فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیلے مگر وہ پونا ہی میں بیٹھا رہگیا۔ بہر حال یہ واقعات مادھوجی کے چال چلن پر کوئی دھبا نہیں لگا سکتے ؛

ملہار جی ہلکر جو دراصل ایک چرواہا تھا اُن لڑائیوں میں امتیاز حاصل کرچکا تھا جو تسخیر مالوہ کے سلسلے میں پیش آئی تھیں۔ جنگ پانی پت کے بعد ۱۷۶۱ء میں وہ مالوہ واپس آگیا اور چار سال بعد انتقال کر گیا اور اپنی جاگیر کو اہلیہ بائی کے زیر انتظام چھوڑ گیا جو کہ اس کے بیٹے کی بیوہ اور اُس کے نابالغ پوتے کی نگراں تھی۔ اس خاتون نے جس کی شہرۂ آفاق قابلیت کا حال ہم بعد کو کسی جگہ لکھینگے اپنی جائے سکونت کے لیئے
خوش وقوع موضع اندور کو پسند کیا ۱۷۶۷ء میں اُس نے تعمیرات کا سلسلہ شروع کردیا صفحہ ۵۳
اور یہ چھوٹا سا موضع اب ترقی کر کے نہایت آباد شہر بنگیا ہے اور ہلکر کی ریاست کا دارالحکومت ہے۔ اس وقت سے پہلے اس علاقے میں اور کئی بڑے بڑے شہر مختلف اوقات میں عروج حاصل کرچکے تھے مثلاً اُجین۔ سارنگ پور۔ مانڈو وغیرہ مگر وہ سب اب برباد ہو چکے ہیں ؛

ملہار جی کا پوتا اپنے دادا کے بعد عرصے تک زندہ نہیں رہا اور پونا کے مدارالمہام رگھناتھ راؤ عرف رگھوبا نے بیوہ رانی کو حکم دیا کہ ہلکر خاندان کی جائداد اور ریاست کے لیئے کوئی مرد وارث متبنیٰ کرے لیکن رانی نے یہ کہکر انکار کردیا کہ وہ خود حکمرانی کرسکتی ہے۔ اس پر رگھناتھ راؤ نے جو پونا میں مختار کل تھا اپنے جاگیردار کی بیوہ بہو کے خلاف فوجی

کارروائی کرنے کی دھمکی دی کہ اگر وہ کسی کو متبنیٰ نہ بنائے گی تو اُس کی تمام جائداد لوٹ لی جائے گی اور اُس کے خاندان کو استحقاق حکمرانی سے محروم کر دیا جائیگا لیکن مادھوجی سندھیا نے اپنے متوفی حلیف کے خاندان کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیا اور چونکہ بھونسلا راجہ ناگپور بھی اس مخالفت میں شریک ہوگیا اس لیئے رگھناتھ راؤ کو مجبوراً یہ سارا ارادہ ملتوی کرنا پڑا؛

الغرض مدار المہام پونا نے جو فوج اندور پر حملہ کرنے کے لیئے ترتیب دی تھی اُس کا رُخ بدلنا پڑا چنانچہ اس کو میر سامان ویسیاجی کرشن کی برائے نام قیادت میں دیکر اُس زمانے کی کمزور و برباد سلطنت دہلی کے خلاف پیشقدمی کرنے کا حکم دیا گیا جو اُس وقت نجیب الدولہ کی نگرانی میں تھی لیکن سندھیا پرائے ہاتھ پر شکرہ پالنے والا نہیں تھا۔
اُس نے وسط ہند میں بادشاہت کی بنیادیں رکھدی تھیں جہاں خود اُس کی جاگیر بھی صفحہ ۵۴
واقع تھی۔ اور چونکہ اُس کے پاس اُس کی ذاتی جمعیت پندرہ ہزار سوار کی موجود تھی اس لیئے اُس نے بہت جلد اپنے تئیں بہ اعتبار اپنے اقتدار کے نربدا اور چنبل کے درمیانی علاقے کا حاکم بنا لیا؛

بہر حال ۱۷۶۹ء میں سندھیا نے اپنی فوج کو میر سامان کی سپاہ میں شامل کرکے بھرتپور کے جاٹوں پر باقاعدہ تاخت کرنے میں شرکت کی۔ یہ موقعہ اُس زبردست قوم کے حالات بیان کرنے کا نہیں ہے جو مدتوں سے ہندوؤں کے مُلک میں اسطرح بستی چلی آرہی ہے کہ اُن میں رہی مگر ان میں ملی جلی نہیں۔ حالت صلح میں نہایت محنتی اور حالت جنگ میں نہایت مشکل سے قابو میں آنے والے جاٹ ہمیشہ اپنے مخصوص قومی خصائل کو قائم رکھتے چلے آئے ہیں۔ جاٹ پہلے وادی سندھ میں نمودار ہوئے جہاں سے تیمور لنگ کے زمانے میں وہ جانب مغرب پھیلتے چلے گئے۔ امیر تیمور اُن کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مگر اپنے خصائل کے اعتبار سے اول درجے کے قزاق ہیں۔ عالمگیر کے زمانے میں یہ لوگ آگرہ اور بھرتپور تک آپہنچے تھے اور پنجاب میں کھتریوں کے ساتھ مخلوط ہوکر ایک تیسری قوم سکھ انسے پیدا ہوگئی تھی۔ ۱۶۸۱ء میں اور پھر ۱۶۹۱ء میں شاہی حکومت ہند کی طرف سے ان کے خلاف مہیں بھیجی گئی تھیں جن کا مقابلہ کرنے کے لیئے ان لوگوں نے اپنا ایک سردار منتخب کرلیا تھا

جس کا نام چورامن تھا۔ چورامن بعد کو سنہ ۱۷۲۱ء کے ایک معرکے میں مارا گیا۔ اسی چورامن کا پوتا سورج مل تھا جس نے سنہ ۱۷۶۱ء میں بھاؤ کو مشورہ دیا تھا اور اپنے مشورے پر عمل نہ ہوتے دیکھکر کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے تئیں تباہی سے بچا لیا تھا۔ ان بہادر کسانوں کی امداد سے نجیب الدولہ نے کچھ عرصے تک مرہٹہ سپاہ کے حملوں کا مقابلہ کیا خاصکر سنہ ۱۷۶۵ء میں جبکہ مرہٹہ سپاہ کے ایک دوسرے حصے کو کرنل کارنک نے کانپور کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا۔ لیکن جاٹ کبھی اپنی فیاضی کے لئے مشہور نہ تھے۔ کیونکہ جیسے ہی مرہٹے نکال باہر کیئے گئے کہ جاٹوں نے سلطنت مغلیہ کے جسم مردہ کی بوٹیاں کی نوچ کھسوٹ کا موقعہ ڈھونڈھ نکالا سورج مل نے شاہی شہر آگرہ اور اُس کے زبردست قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اور کئی دیگر مقامات دہلی کے جنوب مغربی ملک میوات میں اپنے قبضے میں کر لئے اور بالائی جمنا کے ملک کا قصد کرنے لگا اس وقت سورج مل نے والٹر رین ہارٹ عرف سومبر کی خدمات حاصل کر لی تھیں سومبر ان فرنگیوں میں تھا جن کو معہ اپنے ہمراہیوں کے کسی کی ملازمتیں اختیار کرنے میں ذرا تامل نہ تھا۔ ایک پلٹن قواعد داں تلنگوں کی بھی سورج مل کے پاس ہو گئی تھی۔ تھوڑا سا گھوڑ چڑھا توپ خانہ بھی تھا اور کئی سو مختلف قوموں کے یورپین سپاہی بھی تھے لیکن دہلی کا رستم اب بھی بھرتپور کے اسفندیار کے لئے بہت نکلا۔ جاٹ سردار مارا گیا اور اُس کی فوج سنہ ۱۷۶۵ء میں شکست دیکر بھرتپور کے قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور کی گئی۔ اس کے بعد جاٹوں نے جیپور کے راجپوتوں پر حملہ کیا اور شکست کھا کر سومبر نے بھی اُن کا ساتھ چھوڑ دیا جو ہمیشہ سے ہارنیوالوں کا زیادہ ساتھ دینے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے بعد جاٹ ریاست میں عرصے تک ابتری پھیلی رہی لیکن آخر کار سورج مل کا سب سے چھوٹا بیٹا راجہ یا جاٹوں کی اصطلاح میں اُن کا ٹھاکر ہو گیا۔ اس کے راج میں بھی جاٹ ریاست آگرے سے الور تک پھیلی ہوئی تھی جس کی سالانہ آمدنی بیس لاکھ تھی اور جسکے پاس ساٹھ ہزار سپاہ تھی۔

ابتدائے سنہ ۱۷۶۷ء میں سکھوں نے نجیب الدولہ کے خلاف فوجکشی کی مگر اس سے افغانیوں کو اکدم آپڑنے کا موقع مل گیا جنھوں نے احمد شاہ کی سرکردگی میں تمام پنجاب کو روند کر رکھدیا۔ احمد شاہ نے کچھ عرصے تک اپنی سابقہ کامیابی کے مقام پانی پت پر قیام کیا جہاں اُس نے سابقہ انتظامات کو از سر نو استوار کیا اور پھر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ اس روانگی کے تھوڑے ہی عرصے بعد مرہٹہ فوج نے دریائے

صفحہ ۵۵

چنبل کو عبور کیا اور جے پور کے میدانوں میں سے ہو کر اُن کو لوٹتی کھسوٹتی پھر تو پر حملہ آور ہوئی جاٹوں کو زیر کر کے مرہٹوں نے ۱۷۷۰ء میں دہلی پر پیشقدمی کی اور نجیب الدولہ کے ساتھ شرائط طے کرنے کے لیئے نامہ و پیام شروع کیا جس کا اصلی منشا یہہ تھا کہ مرہٹوں کو بلاغل وغش یہہ حق حاصل ہو جائے کہ جو ملک دریائے چنبل یعنے حد مملکت سندھیا سے شروع ہو کر دریائے جمنا تک چلا گیا تھا اور دربار دہلی کا محروسہ سمجھا جاتا تھا اُس میں وہ چوتھ وصول کر سکیں ؛؛ صفحہ ۵۶

میر سامان کی قیادت میں جو فوج ۱۷۶۹ء میں دریائے نربدا کو عبور کر کے چلی تھی اُس کا جائزہ مالوہ میں لیا گیا جہاں سندھیا کی فوج اور بیوہ رانی کی فوج اُس کے قابل سپہ سالار تکوجی ہلکر کی سرکردگی میں آکر شریک ہو گئی تھی۔ ان میں سے ہر سردار کی ماتحتی میں پندرہ ہزار سوار تھے اور خود میر سامان کی ماتحتی میں بیس ہزار تھے اور وہ سبک سیر غارتگر رسالے اُن کے علاوہ تھے جو بعد میں پنڈاروں کے منحوس لقب سے مشہور ہوئے ایک زبردست پیدل سپاہ بھی معہ توپوں کے اس لشکر میں شامل تھی لیکن اس فوج کے سپاہی مرہٹہ قوم سے نہیں تھے۔ بعض مالوے کے باشندے تھے بعض دوآبہ کے ہندو تھے اور سب میں زیادہ بھروسے اور قدر کے قابل عرب اور حبشی تھے جو کوکن اور مالابار کی جہازراں قوموں سے تعلق رکھتے تھے ؛؛

۱۷۶۵ء میں ہلکر کی فوجوں کی تاخت سے قطع نظر کر کے یہ پہلا موقع تھا کہ واقعۂ پانی پت کے بعد مرہٹہ فوج پھر ہندوستان میں نمودار ہوی۔ اس وقفے کے دوران میں بہت سے واقعات پیش آچکے تھے جن میں مشرقی صوبہ جات سے میر قاسم کا معزول و بیدخل کر دیا جانا اور شاہی فرمان کی رو سے برطانوی تجارتی کمپنی کے کارکنوں کا دیوانی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لینا بھی شامل تھا۔ مفرور شاہ دہلی کو پھر برطانیہ اور نواب وزیر اودھ کی حمایت میں تخت پر بیٹھا دیا گیا تھا اور وہ اب بھی اپنا ٹوٹا پھوٹا دربار اپنے مورثانِ اعلیٰ کے دیوان خانوں میں الہ آباد میں منعقد کر لیا کرتا تھا۔ اس کی بادشاہی اب ایسی گری ہوئی حالت کو پہنچ گئی تھی کہ اُس کو برطانوی قلعدار کی فہمائش پر اپنے محل کا باجہ بند کر دینا پڑا تھا۔ خدا کی شان ہے کہ اس باجے کے وحشیانہ نغمے آئے دن برطانوی قلعہ دار کی نیند میں خلل ڈالتے تھے دراں حالیکہ ایک زمانے میں اسی باجے نے فرانسیسی (برنیر) سیاح پر

ایسا رعب طاری کیا تھا کہ اُسے اُسی میں شان سلطنت نظر آگئی تھی۔ ان قیود سے تنگ آکر شاہ عالم دہلی پہنچ جانے کے لیئے بیتاب تھا اور بغیر اپنے برطانوی سرپرستوں سے ذرا بھی مشورہ کیئے ہوئے اُس نے خفیہ نامہ وپیام براہ راست مرہٹہ سردار سے شروع کر دیا اور شاید یہی اصلی غرض وغایت مرہٹوں کے اس وقت ہندوستان میں نمودار ہونیکی ہوئی بھی ہو کیونکہ یہاں آکر انھوں نے شاہی محلات اور شہزادہ صدر حکومت کا بڑا احترام کیا۔

اب ہم جنگ وسازش کے نہایت ہی پرآشوب وپرفتنہ دور میں آتے ہیں اور یہہ تفصیل تحمل سے متحمل ناظرین کے لیئے بھی اجیرن ہو جائیگی جس کی ہم کو ابھی سے معذرت کر لینی چاہیئے۔ ہمارے پاس صرف یہہ ایک عذر ہے کہ یہہ وہ زمانہ ہے جس سے ہندوستان کی تدریجی بحالی امن کی ابتدا ہوتی ہے اور اُس سربرآوردہ برطانوی مدبر[1] کی عمیق نظری کا ثبوت ملتا ہے جس نے بلا فتوحات اور بلا غیر ضروری خونریزی کے اقلیم ہند میں برطانوی سلطنت قایم کر لی؛

[1] وارن ہیسٹنگز سے مراد ہے۔ ۱۲ مترجم

صفحہ ۵۸

باب سوم

بحالی شہنشاہ سے معاہدۂ سالبائی تک

مرہٹہ میر ساماں نے جس نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا تھا اُس کا اتمام تکوجی ہلکر کے سپرد ہوا۔ یہہ وہی سردار تھا جسے ملہار راؤ کی بیوہ ہو نے خاندان ہلکر کا انصرام اپنے ہاتھ میں لے رکھنے کے لیئے منتخب کیا تھا۔ اگرچہ یہہ شخص ملہار راؤ کے قبیلے کا فرد نہیں تھا مگر اُس نے بھی ہلکر خاندان کے قدیمی اصول کو اپنا دستور العمل بنا لیا تھا جسکا ایک جزو یہہ تھا کہ پٹھانوں یا ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ اتحاد رکھا جائے جن میں روہیلے اُس زمانے میں اپنی مستعدی کے اعتبار سے سب میں پیش پیش تھے۔ مگر مادھوجی کو اس فرقے سے ایک تو خاندانی عناد تھا دوسرے وہ نجیب الدولہ کو حصول مقاصد میں اپنا سب سے سخت حریف سمجھتا تھا اور پٹھان نجیب الدولہ کے ساتھ تھے۔ اس موقعے پر ان دو شخصوں کی خصوصیات کا بالمقابل بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں جن کے ہاتھوں میں بٹا ہوا اس وقت مرہٹہ سلطنت کا محکمہ خارجیہ بھی تھا اور تقسیم مالوہ میں بھی ان کا برابر کا جوڑ تھا۔ ہلکر خاندان کے سرگروہ کے قبضے میں مالوے کا جنوبی حصہ تھا جو نربدا کے شمال میں سلسلۂ بندھیاچل پر ختم ہوتا تھا۔ یہہ شخص نہایت اچھا سردار تھا اور نکملالی کے ساتھ اُس مستقل مزاج رانی کا مطیع تھا جس نے اُس کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر اس رتبے تک پہنچا دیا تھا۔ اس سردار کا انتہائی مطمح نظر یہہ تھا کہ اُس کی اپنی مالکہ کے اغراض بالخصوص اور مرہٹہ برادری کے اغراض بالعموم پورے ہو جائیں۔ چنانچہ اس اعتبار سے اُس کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ نجیب الدولہ کی طرف سے جو اظہار آشتی و مصالحت ہو رہا ہے اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے کیونکہ ابھی نجیب الدولہ جاٹوں کی سرکوبی کر چکا تھا اور یہہ ہر وقت ممکن تھا کہ وہ اسلامی اتحاد کو ازسرِنو استوار کر لے وہ سنہ ۱۷۶۰ع کے مرہٹہ کش اتحاد کا روح رواں رہ چکا تھا اور اب بھی

صفحہ ۵۹

احمد شاہ کی نظر عنایت اُس پر ویسی ہی موجود تھی کیونکہ احمد شاہ کے لیئے نجیب الدولہ کا وجود ہمیشہ مفید ثابت ہوا تھا۔ غرض یہہ کہ نجیب الدولہ کو مرہٹہ لشکر میں دوستانہ قدم رنجہ کرنے کی دعوت دی گئی جو اُس نے منظور کر لی۔ مگر اب چونکہ اُس کا وقت اخیر تھا اور جانتا تھا کہ حیات مستعار کے زیادہ دن باقی نہیں ہیں اس لیئے اُس نے اپنے بیٹے ضابطہ خاں کا ہاتھ تکوجی کے ہاتھ میں دیدیا کہ تکوجی اُسکے فرزند کا حامی رہے گویا نجیب الدولہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اس کمزور طبیعت اور نااہل بیٹے کو ہمیشہ کس قدر ضرورت دوستوں کی رہیگی۔ نجیب الدولہ نے سندھیا کو بھی رُخ پر لانے کی کوشش کی مگر اس میں وہ مات کھا گیا۔ سندھیا نے صاف کہدیا کہ میں انتقام وخوں بہا چاہتا ہوں اُس تباہی وخونریزی کا جو میرے بھائی بھتیجوں کو برداشت کرنی پڑی ہے اور جس نے مجھے ہمیشہ کے لیئے لنگڑا کر دیا ہے میں اس پر بھی خوش نہیں ہوں کہ میرے خواجہ تاش نے اس مسلمان سردار کو اپنا دوست بنانا پسند کر لیا ہے مگر میں پیشوا کا ملازم ہوں اور اگر وہ اس اتحاد کو منظور فرمالیگا تو مجھ پر پابندی لازم ہو جائیگی۔

اس صاف گوئی کو ایک ہمعصر مورخ نے نقل کیا ہے اور یہی فقرہ حقیقت میں سندھیا کے ظاہر و باطن کا از ابتدا تا انتہا راز تھا یعنے مرہٹہ برادری کا قیام اور اپنے ذاتی منصوبہ جات واغراض کا انصرام۔ صفحہ ۶۰

ان انتظامات کے بعد نجیب الدولہ مرہٹہ لشکر سے واپس آگیا اور اپنی خدمات سے سبکدوش ہو کر شہر نجیب آباد کو چلا گیا جو اُس نے اپنے نام پر دریائے گنگا کے مشرق میں بسالیا تھا اور یہیں اُس نے اکتوبر ۱۷۷۰ء میں انتقال کیا اور اُس کی تمام جائداد جاگیر معہ مدارالمہامی کے اُس کے مذکورالصدر بیٹے ضابطہ خاں کے ہاتھ آگئی۔ نجیب الدولہ کے حین حیات میں مسٹر فانسی ٹارسٹ پریزیڈنٹ برطانوی مستعمرۂ بنگال نے اُسکی شخصیت کے متعلق یہہ رائے قائم کی تھی کہ ہندوستان بھر میں صرف نجیب الدولہ ہی کی ذات ایسی ہے جس کو عظمت واہلیت کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔

۱۷۷۰ء میں روہیلوں کی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ جو علاقے ڈنڈی خاں نے دوآبہ میں حاصل کر لیئے تھے وہ اُس کو مجبوراً مرہٹوں کے حوالے کرنے پڑے اور اپنی وفات کے وقت وہ صوبہ کٹھیر (روہیلکھنڈ) کو پٹھان سرداروں کی ایک غیر مستحکم سی

مجلس حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ گیا جس کا صدر حافظ رحمت خاں تھا۔ روہیلوں کی دوآبہ سے بیدخلی مادھوجی کے ہاتھوں انجام پائی جس کو جاٹوں کی سرکوبی کے احکام بھی مل چکے تھے؛

اس عرصے میں ضابطہ خاں نے اپنی طبیعت کی اس غدارانہ کمزوری کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا جو اُس کی مختصر اور بدنام زندگی کی نمایاں شان رہتی چلی آئی جس وقت کہ مرہٹے راجپوتانہ میں۔ جاٹوں کے مُلک میں۔ بالائی دوآبہ اور روہیلکھنڈ میں دھونس دیتے پھر رہے تھے اُس وقت بھی ضابطہ خاں نے نہ ان کو روبراہ لانے کی کوشش کی نہ کسی اور طرف امداد و اتحاد کے لیئے ہاتھ بڑھایا بلکہ چپ چاپ بیٹھا ہوا دارالحکومت سے غیر موجود بادشاہ کی آمدنی کو گاؤخورد اور خاندان شاہی کے متعلقین سے سازشیں کر کے قلعۂ معلیٰ میں جو تیموریہ خاندان کا آخری مامن و ملجا تھا ابتری پیدا کر دی سنہ ۱۷۷۰ئہ میں قلعۂ شاہی پر مرہٹہ سردار نے قبضہ کر لیا اور ضابطہ خاں فرار ہو کر اپنے شمالی مقبوضات میں پناہ گزیں ہو گیا اور وہاں سے اُس نے تکوجی ہلکر سے نامہ و پیام شروع کیا جو خود شاہ عالم کو تخت دہلی پر واپس لانے کی تجاویز پر غور کر رہا تھا؛ صفحہ ۶۱

اس خانماں برباد بادشاہ کو نواب شجاع الدولہ کی ۱۷۶۵ئہ کی شکست کے بعد کلائیو نے ایک وظیفہ مقرر کر کے برطانوی حمایت میں الہ آباد میں سکونت گزیں کر دیا تھا جہاں اُس کو تحفۂ شمال مغربی اضلاع پر بلا واسطہ دیوانی و فوجداری اختیارات بھی حاصل تھے لیکن اُس کو دہلی واپس جانے کے بعد اپنے آبا و اجداد کی سلطنت کو پھر زندہ کر دکھانیکے خواب نظر آیا کرتے تھے۔ اُن خوابوں کی تعبیر کا بہترین موقع اُسے نجیب الدولہ کی وفات کے وقت نظر آنے لگا۔ دہلی کے سربرآوردہ اشخاص بھی پٹھانوں سے اُکتا گئے تھے اور بادشاہی کے پھر قیام میں اُنھیں روہیلوں کی درازدستیوں سے خلاصی ملنے کی اور خود امور سلطنت میں حصہ دار بننے کی امیدیں پوری ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ برخلاف اس کے نواب اودھ اس تجویز کے خلاف تھا اور جس وقت اس کا اظہار برطانوی حکام پر ضابطہ سے کیا گیا تو اُنھوں نے بھی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا؛

بہرصورت تکوجی نے بادشاہ سے یا بادشاہ نے تکوجی سے نامہ و پیام جس

صفحہ ۶۲

شخص کے ذریعے شروع کیا اُس کا خطاب حسام الدولہ تھا۔ یہہ ایک ناقص مغل سردار تھا اس تمام نامہ وپیام میں سندھیا کے شریک ہونے کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے اور صرف ایک امر یہہ پایۂ تحقیق کو پہنچ سکا ہے کہ بادشاہ نے پونا دربار کو دس لاکھ روپیہ بطور نذرانہ یکمشت پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ایک باہمی قرارداد زبانی یہہ بھی ہوگئی تھی کہ برطانوی کفالت میں جو اضلاع بادشاہ کو نواب اودھ سے ملے تھے وہ بھی مرہٹوں کو دیدئے جائیں گے مگر اس کا ذکر کسی تحریر میں صاف صاف نہیں تھا بلکہ اشارہ کردیا گیا تھا۔

غرض یہہ کہ برطانوی گورنمنٹ کے مشورے اور نواب اودھ کی فہمائش کی پروا نکر کے شاہ عالم دوآبہ تک بڑھگیا اور برشکال ختم ہونے سے پہلے روہیلکھنڈ کی سرحد پر فرخ آباد پہنچگیا۔ ہندوستان میں جو مرہٹہ لشکر کا بڑا حصہ موجود تھا وہ دہلی میں امن قائم کئے ہوئے شاہ کی آمد کا منتظر رہا لیکن سندھیا جو اپنے زبردست منصوبوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ مستعد رہتا تھا ایک منتخب جماعت اپنے ہمراہ لیکر دہلی سے روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کے لشکر میں پہنچکر اُس سے نیاز حاصل کیا اور خود ہمرکابی میں روانہ ہوکر بادشاہ کو دارالحکومت کی طرف لیچلا جہاں موکب شاہی ۲۵ ر ڈسمبر ۱۷۷۱ء کو پہنچگیا۔ آیندہ چند ماہ تک سندھیا اور دوسرے مرہٹہ سردار خاص دہلی اور اُس کے مضافات میں رہکر ضابطہ خاں کے ممکن حملوں کے خلاف مدافعت کے استحکامات میں مصروف رہے کیونکہ ضابطہ خاں اُس وقت دوآبہ کے اس سرے پر مقیم تھا۔ اس جگہ اُس کے کئی زبردست قلعے تھے مثلاً غوث گڑھ۔ سہارنپور اور شکرتال۔ جہاں دریائے گنگا کوہستان سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے قابل جہاز رانی ہوتا ہے۔ ضابطہ خاں نے کچھ عرصے سے ہلکر کی حمایت سے فائدہ اُٹھانا ترک کردیا تھا اور دریا کے اُس پار اپنے ہمقوم پٹھانوں اور روہیلوں کو اُبھارنے کی کارروائیاں کررہا تھا اسی صوبے میں ضابطہ خاں کے پاس ایک چوتھا معرکے کا مقام نجیب آباد بھی تھا جس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ جہاں اُس کے باپ کا انتقال ہوا تھا اور اس شہر کے قلعے کا نام پتھر گڑھ تھا۔ اس قلعے میں ضابطہ خاں نے روزافزوں مخاصمت کی کارروائیوں کی خبر سنکر سکونت اختیار کرلی تھی تاکہ دریا اُس کے سامنے آجائے اور اُسکے پیچھے اُس کے دوستانہ قبائل روہیلوں کے آجائیں لیکن روہیلوں

نے نواب شجاع الدولہ کی تیاریوں کو دیکھکر فوراً غیر جانبداری اختیار کر لی اور خود شجاع الدولہ نے جو منصوبے باندھ رکھے تھے اُن کی تکمیل کی صورت اُسے اسی میں نظر آئی کہ بادشاہ کے محض خیالی منصوبوں کے ساتھ شریک کار ہو جائے۔ شجاع الدولہ اگرچہ یہہ جانتا تھا کہ دہلی میں جو تجویزیں سوچی جارہی ہیں اُن سب کا محرک سندھیا کا جذبۂ انتقام ہے پھر بھی اُس نے یہہ سوچ لیا کہ ایک بحال شدہ بادشاہ کو شاہی سیاسیات میں کچھہ تو دخل ضرور ہی رہیگا۔ علاوہ براں خود شاہ عالم سیاسیات کا وجدان خواہ کیسا ہی رکھتا ہو اُس کے پاس صلح و جنگ کا وزیر تو ایسا ضرور تھا جو بڑی اہم اور کارآمد تجاویز سوچ سکتا تھا اور عمل میں لا سکتا تھا۔ یہہ شخص مرزا نجف خاں تھا جو ایک عالیخاندان اور ممتاز قابلیت والا ایرانی تارک وطن تھا اور اُس زبردست طبقے کا آخری نام لیوا تھا جس کے افراد سکھوں کی سد سکندری پنجاب میں حائل ہونے تک اکبر کے زمانے سے برابر ہندوستان میں آکر کارہائے نمایاں انجام دیتے رہتے تھے ؛

الغرض بڑی شان و شوکت سے بادشاہ سلامت کو اپنا سردار بنا کر ۱۷۷۱ء میں مرہٹے دہلی سے نکلے اور اپنے ساتھ خاص بادشاہ کی مختصر سی منتخب فوج بھی معہ شاہی احدیوں کے لیلی اور لال پلٹن بھی لیلی جو قواعد داں پیدل سپاہ ایک فرانسیسی افسر مسمی مڈاک کی قیادت میں رہا کرتی تھی بادشاہ سلامت چند منزل تک فوج کے ہمراہ آکر ٹھیر گئے اور باقی لشکر آگے بڑھ گیا۔ گنگا میں سے راستہ آسانی کے ساتھ نکال لیا گیا کیونکہ یہہ موسم وہ تھا جس میں ہمالیہ کی برف پگھل کر دریا میں نہیں آتی ہے اور دریائے گنگا اپنے بالائی بہاؤ میں قریب قریب ہر مقام پر پایاب ہوا کرتا ہے۔ پٹھان ایک اور دھوکے میں رہ گئے کہ سندھیا اور ہلکر کا ارادہ ایک دوسرے اوپر کے گھاٹ سے عبور کرنے کا ہے جہاں دوسرے موسموں میں عموماً دریا پار اُترا جاتا ہے۔ شجاع الدولہ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھکر روہیلے کچھ ایسے سہم گئے تھے کہ اُنھوں نے امداد کے لیئے بالکل ہاتھ پانوں نہ ہلائے اور ضابطہ خاں گھبراہٹ میں پتھر گڑھ سے چلا گیا اور اپنے اہل و عیال کو اور اُس خزانے کو بھی وہیں چھوڑ گیا جو اُس کے باپ نے اپنی دس سال کی عہدہ داری میں جمع کیا تھا ضابطہ خاں کا بیٹا غلام قادر گرفتار ہوا اور اِس جرم میں کہ نجیب الدولہ کی موت کے بعد قلعہ معلیٰ میں بے عنوانیاں کی گئی تھیں اسکو خصی بنا کر خواجہ سراؤں میں شامل کیا گیا

اس وقت یہہ صاف نظر آرہا تھا کہ اب سندھیا کی انتقامی کارروائیاں شروع ہو رہی ہیں؛

لیکن روہیلوں کی سرکوبی شاہی جماعتوں میں پھوٹ پڑ جانے سے پھر معرض تعویق میں پڑ گئی۔ بادشاہ نے چونکہ مرہٹوں کو اپنے ساتھ نہایت معمولی درجے کی عزت کا برتاؤ کرتے دیکھا اس لیئے وہ دہلی واپس چلا گیا اور مرہٹوں نے مغرور ضابطہ خاں کو تھوڑا سا تاوان جنگ وصول کر کے معافی بھی دیدی اور پتھر گڑھ کے اسیران جنگ کو بھی واپس کر دیا۔ اس کے بعد مرہٹہ فوج آگرہ چلی گئی جہاں اُس نے موسم بارش ختم کیا۔ ادھر روہیلوں نے نواب اودھ سے نامہ و پیام شروع کیا جس کے اصلی منصوبوں کو وہ اب تک سمجھ نہیں سکے تھے اور جس کی امداد و شرکت سے اُنھوں نے پھر ویسا ہی اسلامی اتحاد قائم کرنا چاہا جیسا کہ سنہ ۱۷۶۱ء میں اس قدر کامیاب ہو چکا تھا۔ برطانوی حکومت بنگال کی معقول مداخلت سے یہہ نامہ و پیام ایک معاہدے کی صورت میں ختم ہوا جس کی رُو سے روہیلکھنڈ کے صدر مجلس حکومت نے اپنے تئیں اور اپنی برادری کو صفحہ ۶۵ اُس کا پابند کیا کہ وہ اسلامی حقوق کی محافظت میں شریک رہینگے اور بشرط اخراج مرہٹہ سپاہ کے نواب اودھ کو چار قسطوں میں چار لاکھ روپیہ نذر کرینگے۔ یہہ معاہدہ جو دراصل روہیلوں کی تباہی کا نوشتہ تھا ۱۱ر جولائی سنہ ۱۷۷۲ء کو تصدیق ہو گیا۔ مندرجۂ ذیل اقتباس سے اصلی شرط معلوم ہو سکتی ہے:۔

> نواب وزیر روہیلوں کی قوت کو پھر قائم کر دیگا اور مرہٹوں کو بہ آشتی یا بہ جنگ اُن کے مُلک کو واپس کر دیگا۔ اگر پھر وہ کسی وقت روہیلکھنڈ میں داخل ہوں تو پھر اُن کا اخراج نواب وزیر کے ذمے ہے۔ روہیلہ سردار ایفائے عہد کے طور پر یہہ رضامندی ظاہر کرتا ہے کہ وہ نواب وزیر اودھ کو چار لاکھ روپیہ نذر کریگا .... الی آخرہ

اس معاہدے کے بعد خود روہیلوں میں شدت سے اختلاف شروع ہو گیا اور اُن کا تمام صوبہ عرصے تک ابتری و طوائف الملوکی کا منظر بنا رہا۔ ساتھ ہی اس کے ضابطہ خاں نے اپنے مذہبی اتحاد سے روگردانی کر کے مرہٹوں کے ساتھ خفیہ شرائط طے کرنی شروع کر دی تھیں۔ ضابطہ خاں کی خواہش یہہ تھی کہ امور مملکت دہلی کا انصرام پھر ہاتھ آجائے

اور نواب وزیر کو اس قضیئے سے کوئی بحث ہی نہیں تھی۔ ادھر مرہٹوں کو سندھیا نے اس پر اُبھار دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ پھر ایک ایک ٹکر لڑانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مرزا نجف کی قابلیت و محاسن کا شہرہ برابر بڑھتا جا رہا تھا اس لئے اسلامی اتحاد کے خلاف سازش کرنے سے ضابطہ خاں کی غرض یہہ تھی کہ اپنے اس حریف کا کسی طرح کھوج کھو دے۔

ان نئے اتحادیوں نے اپنی حصول غرض کے لیئے یہہ تجویز کی کہ دہلی کے قرب و جوار میں مشکلات پیدا کرنے پر مخلوق کو اُبھارا جائے جس کا نتیجہ یہہ نکلیگا کہ مرزا نجف خوب ذلیل ہو جائے گا اور بادشاہ مجبور ہو کر مرہٹوں سے امداد کا خواہشمند ہوگا۔ اس منصوبے کے مطابق اُنھوں نے جاٹوں کے ٹھاکر کو ایک طرف اور رنجیت سنگھ کو دوسری طرف یہہ شہ دی کہ خاص دار الحکومت کے سر پر جو اضلاع دریائے جمنا کے دہنے کنارے پر واقع ہیں اُن پر بعض پرانے دعوے پیش کریں۔ ان دعاوی کی تائید میں جاٹ فوج نے قلعہ بلبھ گڑھ پر پیشقدمی بھی کر دی۔ یہہ قلعہ ایک بلوچی سردار کے قبضے میں تھا اور ایک مسلمان باجگذار کی امداد کو اپنا فرض سمجھکر مرزا نجف نے جاٹوں کے مقابلے کے لیئے ایک مغل فوج دہلی سے روانہ کی۔ مرہٹہ سپاہ جاٹوں کی کمک کے لیئے آگے بڑھی اس پر خود مرزا نجف ایم میڈاک کی لال پلٹن کو لیکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہہ تمام سازش اور تمام نقل و حرکت سندھیا کو سخت ناگوار تھی کیونکہ اُس کی خواہش ہرگز یہہ نہیں تھی کہ نجیب الدولہ کے بیٹے کو پھر مرفہ الحالی نصیب ہو یا نیچاں سلطنت مغلیہ پر اس سے پہلے کوئی ضرب قاتل پڑے کہ خود سندھیا اس نعش نسبل کے بڑے نام کو اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیئے کام میں لا سکے۔ چنانچہ وہ اپنی اعلیٰ درجے کی فوج کو لیکر راجپوتانے کی طرف ٹل گیا جہاں اُس نے اپنے فوجی اخراجات کی کفالت کے لیئے راجہ جیپور کے علاقے میں من مانی تحصیل شروع کر دی۔ مگر ہلکر جاٹ سپاہ اور مرزا نجف کے درمیان اُلجھا اور دہلی سے دس میل جانب جنوب مقام بدلپور پر شاہی فوج اور مرہٹہ سپاہ کی مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ چار دن تک شدید لڑائی ہوتی رہی اور قواعد دانی نے خوب خوب اپنے جوہر دکھائے مگر کثرت تعداد کے آگے کچھ پیش نہ گئی اور مرزا کی فوج دہلی کی طرف

صفحہ ۶۶

پیدا ہونی شروع ہوئی اور ہر دو متخاصمین شہر میں ایک ساتھ گھسے۔ ہلکر کو حسام الدولہ نے قلعے میں گھس آنیکی اجازت دیدی اور اس عارضی اتحاد کا مقصد اس طرح پورا ہو گیا کہ مرزا نجف کو اپنے عہدے سے سبکدوشی حاصل کرنے کی ہدایت کر دیگئی اور امیر الامرا یعنے وزیر اعظم کا عہدہ ضابطہ خاں کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اور بادشاہ نے زیرین دوآبہ صفحہ ۶۷
مرہٹوں کے حوالے کر دیا یا حوالگی کی تصدیق کر دی۔ یہہ تمام واقعات شاہ عالم کی بحالی سے ٹھیک بارہ مہینے بعد دسمبر ۱۷۷۲ء میں پیش آئے۔ ابھی ان کا اتمام بھی نہونے پایا تھا کہ پونا سے ایسی خبریں پہنچیں جنھوں نے تمام تدابیر کو درہم برہم کر دیا۔ نوجوان پیشوا نے ابھی سات سال بھی اپنی خود مختار حکومت کے نہیں گزارے تھے کہ غالباً وہ اس مرض میں ۱۸ نومبر ۱۷۷۲ء کو انتقال کر گیا جو اُسے عرصے سے لاحق تھا۔ اسکے چچا رگناتھ راؤ عرف رگھوبا نے اپنے تئیں مدار المہام قرار دیا۔ مگر عام طور پر یہہ خیال کیا جانے لگا کہ خود رگھوبا کے ارادے پیشوا بن بیٹھنے کے ہیں۔ باہمی آویزش بلکہ خانہ جنگی کا دور سر پر منڈلانے لگا اور مرہٹہ میر سامان اور دیگر سرداروں نے سب سے پہلے اسی کو ضروری سمجھا کہ پونا پہنچ جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کسی نہ کسی طرف کام آسکیں۔ حقیقتہً نئے پیشوا نے خود ہندوستان کی افواج کی واپسی کے احکام اس خیال سے بھیجدیئے تھے کہ شاید اُس کو اپنے چچا رگھوبا کے حریصانہ توڑ جوڑ کے خلاف فوجی امداد کی ضرورت پڑ جائے؛

لیکن قبل اس کے کہ سندھیا یا ہلکر پونا پہنچیں وہاں معاملات دگرگوں صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ۳۰ اگست ۱۷۷۳ء کو نیا پیشوا بھی اپنے متوفی بھائی کے پیچھے راہی مُلک عدم ہو گیا اور عام خیال یہہ تھا کہ اس کو حریص رگھوبا نے چُپکے سے مروا ڈالا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی رگھوبا نے فوراً پیشوا کے عہدے اور خطاب پر قبضہ کر لیا مسلمان فرمانروایان دکن یعنے حیدر علی اور نواب نظام الملک کے خلاف مخاصمانہ کارروائیاں بھی شروع کر دیں۔ مگر قبل اس کے کہ حسب فائدے کی رگھوبا کو امید تھی وہ ہمسایوں پر اس بلا اشتعال حملے سے حاصل ہو سکتا اُس کو پونا لوٹ آنیکی ضرورت پڑ گئی کیونکہ ایک صفحہ ۶۸
ایسا واقعہ پیش آگیا تھا جو رگھوبا کے حریصانہ منصوبوں کو خاک میں ملا دینے والا تھا۔ جو طبقہ رگھوبا کا مخالف تھا اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ متوفی پیشوا کی حاملہ بیوہ کو

ایک پہاڑی قلعے میں پہنچا دیا تھا جہاں وہ بڑی حفاظت سے رہی تھی اور اب اُسکے بخیر و عافیت ایک بیٹا پیدا ہو گیا تھا۔ اس بچے کی پیشوائی کا پونا کے وزرا نے فوراً اعلان کر دیا اور جس وقت رگھوبا نے اُن پر حملہ کیا تو اس کو خاص پونا کی دیواروں تلے شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ رگھوبا شمال کی طرف بھاگا تاکہ ہندوستان سے لوٹنے والی فوج سے جا ملے اور ٹھیک ایسے وقت پر اندور آ کر پہنچا کہ ہلکر اور سندھیا دونوں سرداروں نے اپنے پڑاؤ وہاں ڈالے ہی تھے۔ دونوں سرداروں نے اُس سے امداد کا وعدہ کیا اور وہاں سے اُسے ساتھ لیکر گجرات کی طرف لوٹ پڑے تاکہ گیکواڑ کی امداد حاصل کریں جو اُس صوبے کا حکمراں تھا۔ دوسری کارروائی جو غالباً سندھیا کی تجویز کے مطابق کی گئی وہ یہہ تھی کہ بمبئی کے برطانوی حکام کے ساتھ رابطۂ اتحاد کی سلسلہ جنبانی کیجائے۔ بمبئی اُس وقت میں ایک چھوٹا سا تجارتی کارخانہ تھا جو مجمع الجزائر کے ایک جزیرۂ ساحل کونکن پر واقع تھا جس کے متعلق یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ مورخ ایرین[1] نے ہیٹا فیتیا سے موسوم کیا ہے۔ کمپنی کے ملازمان متعینۂ بمبئی کی عرصے سے یہہ خواہش تھی کہ اپنے مالکوں کے مقبوضات کی توسیع و استحکام کے لیئے پُرانے پرتگالی بندرگاہ بسین پر اور جزیرۂ سالسٹ پر قبضہ کریں کیونکہ یہہ جزیرہ بندرگاہ بمبئی کا ناکہ روکے ہوئے تھا چنانچہ حکام بمبئی نے بغیر کلکتہ کے گورنر جنرل سے مشورہ لیئے ہوئے یہہ وعدہ کر لیا کہ اگر وہ اخراجات جنگ کی رقم ادا کریگا اور ان دونوں مقاموں پر انگریزوں کو قبضہ کر لینے دیگا تو انگریز اُسے فوجی امداد دینگے۔ بمبئی کونسل کے ممبروں کو اس معاملے میں ایسی جلدی پڑی ہوئی تھی کہ انھوں نے پندرہ سو تلنگوں کی جمعیت رگھوبا کو مستعار بھی دیدی صفحہ ۶۹
اور اپنی شرطوں کی اُس کی طرف سے باضابطہ منظوری کا بھی انتظار نہیں کیا جن دونوں مقامات کی سپردگی انگریز چاہتے تھے وہ جائز طور پر پرتگالیوں کے مقبوضات تھے اور جیسے ہی اس نامہ و پیام کی نوعیت کی اطلاع گوا میں پہنچی وہاں کے وائسرائے نے ان مقامات کی حفاظت کے لیئے ایک مہم تیار کرنی شروع کر دی۔ یہہ خبر سُنکر مسٹر ہارن بی گورنر بمبئی نے بلا اونچ نیچ دیکھے سالسٹ اور بسین پر فوراً قبضہ کر لیا۔

[1] یہہ مورخ دوسری صدی عیسوی میں ہوا ہے اُسنے سکندر رومی کی فتوحات پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ مترجم

چونکہ ہم برطانوی ہند کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں اس لیئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کارروائیوں پر لمبی چوڑی بحث کر کے ناظرین کی سمع خراشی کریں صرف یہہ کہدینا کافی ہے کہ یہہ کارروائیاں نہایت عُجلت اور نہایت ناسمجھی سے کیگئی تھیں۔ اگر مسٹر ہارن بی نے حکومت اعلیٰ یعنے گورنر جنرل کلکتہ کی منظوری حاصل کرلی ہوتی جس کا ماتحت گورنر بمبئی کو حال ہی کے ایک ضابطۂ ایوان حکومت کی رُو سے بنا دیا گیا تھا اور اگر مسٹر ہارن بی کی دیدہ دلیری کو اُس کے اپنے فوجی افسروں کی ہمت و قابلیت سے پوری امداد مل گئی ہوتی تو رگھوبا ضرور پیشوا بنا کر بٹھا دیا گیا ہوتا اور مادھوجی سندھیا کے اور خاصکر ہندوستان کے تاریخی واقعات بہت کچھ اس سے مختلف ہوجاتے جواب ہوگئے ہ؛

لیکن قبل اس کے کہ رگھوبا اور اُس کے حمایتی کوئی عملی کارروائی شروع کریں پونا کی مجلس حکومت نے بعض حمایتیوں پر اثر ڈالنا شروع کردیا تھا۔ ملہار راؤ کی بہو جو ہلکر کی بڑی مربی تھی اور ممتاز قابلیت اور لیاقت کی عورت تھی بہت آسانی کے ساتھ اپنے متوفی شوہر کی دوسری بیوہ اور اُس کے معصوم بچے کی درمند بن گئی۔ سندھیا نے بھی اس زمانے میں زیادہ تر ہلکر تبطیے کا ساتھ دینا شروع کردیا تھا کیونکہ دونوں کا ست سنگ مالوہ میں رہا کرتا تھا اس لیئے اُس نے بھی غاصب کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ رگھوبا کو پھر ایک مرتبہ سخت شکست ہوئی اور اُس نے بھاگ کر سورت میں کرنل کیٹنگ کے لشکر میں مختصر ہمراہیوں کے ساتھ دسمبر ۱۷۷۴ء میں پناہ لی ؛ صفحہ ۷۰

اس شکست کے بعد پھر رگھوبا اور گورنمنٹ بمبئی کے درمیان ایک جدید معاہدہ مگر بغیر اعلیٰ حکومت کی منظوری کے ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے رگھوبا نے انگریزوں کے قبضۂ سالسٹ اور بسین کی تصدیق کردی اور ساتھ ہی اور بھی علاقہ بڑی آمدنی کا انگریزوں کو دیدینا تسلیم کرلیا اور بہت سا زر نقد بھی نذر کیا۔ ادھر سے بھی برطانوی کمک کو المضاعف کردیا گیا۔ کیٹنگ کے پاس مزید فوج بھیجکر اُس کو احکام بھیجدیئے گئے کہ پونا پر پیشقدمی کرے اور فوجی کارروائی کے ذریعے سے زبردستی رگھوبا کو پیشوائی کی گدی پر بٹھا دے۔ ادھر پونا کی مجلس حکومت نے اس پیشقدمی کو روکنے کے لیئے اپنی تمام ممکن الاجتماع فوج کو کوچ کا حکم دیدیا۔ دونوں فوجوں نے سورت کے قریب

پیشتر سے بدلنے شروع کر دیئے اور باوجودیکہ پونا کی فوج انگریزی فوج کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ تھی مگر کیٹینگ کے مقابلے کی ٹھان ہی لی۔ کرنل کیٹینگ کی ذاتی فوج بالکل مختصر تھی اور رگھوبا کی فوج سے بجائے اس کے کہ فوجی کارروائی میں کوئی امداد ملتی ایک حد تک ماہرانہ نقل و حرکت میں اور رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ بڑے سخت میدان میں خلیج کمبے کے پاس ایک مقام موسومہ آرس پر کیٹینگ نے ایک جانبازانہ مقابلہ کیا جس میں خاص اُس کی فوج کے ۲۲۲۔ آدمی اور سات یورپین افسر مارے گئے اور آخرکار صرف اپنی جانبازیٔ مردی اور اپنی چھوٹی سی گورہ فوج کی قابلانہ نقل و حرکت سے وہ دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔ یہہ فتح کرنل کیٹینگ کو ۱۸ مئی ۱۷۷۵ء کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد ۱۰ جون ۱۷۷۵ء کو اُس نے پھر دشمن کی فوج کو بھروچ کے قریب مقام بھاؤبیر پر جالیا مگر اس مرتبہ پھر رگھوبا کی فوج نے اُس کی جنگی چالوں میں بڑی رکاوٹیں ڈالیں اور پونا کی فوج رات میں جان بچاکر نکل گئی۔ اور مرہٹے بھاگتے وقت اپنی توپیں دریائے نربدا میں پھینکتے گئے کہ مبادا اُن سے فراری میں کوئی رکاوٹ پڑے ؛ صفحہ ۱۷

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہہ تمام باتیں سندھیا کی غائر نظر سے نہیں چھپ سکتی تھیں۔ وہ نظرباز کبھی سیاسیات یا حربیات میں سبق آموزی کے لیئے کسی سے پیچھے نہیں رہتا تھا اور اگر انگریز اُس وقت کسی ایسے سیاسی پس و پیش میں نہ مبتلا ہو جاتے جو سندھیا کے علم و فہم سے بالا تھا تو جو کچھ سبق انگریزوں کی قواعددانی اور اطاعت شعاری سے سندھیا نے سیکھا تھا اُس سے اُس نے اپنی آئندہ زندگی کے دستورالعمل کا ایک ڈھیر اُسی وقت قائم کرلیا ہوتا۔ مگر صورت حالات یہہ ہوئی کہ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے بمبئی کی اس حرکت کو کسی طرح پسند تو نہیں کیا مگر یہہ محسوس ضرور کیا کہ اب اس کارروائی کو کالعدم کرنے سے انگریزی ساکھ بگڑتی ہے چنانچہ اُس کی رائے یہہ ہوئی کہ اگر انگریز حوالہ شدہ اضلاع و مقامات پر اپنا قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو اُن کا فرض یہہ ہے کہ وہ وزارت پونا کے خلاف اُن تمام کارروائیوں کے کرنے پر تیار رہیں جو بروئے معاہدہ اُنھیں کرنی چاہیئے تھیں مگر اس خیال میں کثرت رائے گورنر جنرل کے خلاف رہی۔ اُس کی کونسل کا ممبر فرانسیس اور اُس کے دوسرے ہمنوا یہہ طے کرچکے

تھے کہ بالقصد ایسی کارروائیاں کرتے رہینگے جو اُنھیں نہیں کرنی چاہئیں اور وہ کارروائیاں
ہرگز نہیں کرینگے جو کرنی چاہئیں۔ ضابطے کی رُو سے وارن ہیسٹنگز کو اُن کے متفقہ فیصلے کو
منسوخ کرنیکا اختیار نہیں تھا۔ غرض یہہ کہ بنگال کونسل کیطرف سے کرنل اپٹن کو بطور وکیل خاص
کے پونا بھیجا گیا کیونکہ سنہ ۱۷۷۳ء کے قانون تنظیم کی رُو سے بنگال گورنمنٹ کو اعلیٰ حکومت
کے اختیارات تمیزی حاصل ہوگئے تھے۔ کرنل اپٹن کو ہدایت کردیگئی تھی کہ وہ بمبئی کونسل
کی کارروائیوں کی تکذیب کردے اور پونا کی مجلس حکومت کے ساتھ از سر نو نامہ و پیام
شروع کرے۔ کرنل اپٹن کی اعتدال پسندی کو کمزوری پر محمول کر کے اول اول وزارت پونا
نے تحکمانہ انداز سے رعب جمانا شروع کیا۔ لیکن جب بنگال کونسل کو یہہ اطلاع دیگئی کہ صفحہ ۷۲
جو شرائط وزارت پونا نے تجویز کی ہیں اُن میں نہ صرف رگھوبا کی حوالگی شامل ہے بلکہ
حوالہ کردہ علاقے کی واپسی بھی ہے تو کونسل مذکورہ نے وزارت پونا کے ان دعاوی کو
مسترد کردیا۔ آخرکار مفاہمت کی نوبت آگئی اور بعض شرائط پر ایک طرف سے کرنل اپٹن
نے اور دوسری طرف سے سکھرام باپو اور اُس کے خواجہ تاشوں نے اتفاق کیا اور
اس قرارداد ضابطے کا نام معاہدہ پُران دھر رکھا گیا۔ اس معاہدے کا خلاصہ یہہ تھا کہ برطانوی
گورنمنٹ اگر رگھوبا کو حوالے نہیں کرتی ہے تو اُس کا ساتھ چھوڑ دے اور اُس کی فوج
بھی توڑ دی جائے۔ جب تک گورنر جنرل مناسب سمجھے سالسٹ پر انگریزی قبضہ
رکھا جائے اور پونا دربار کی طرف سے بارہ لاکھ روپیہ تاوان جنگ کا اور بھڑوچ اور
اُس کے مضافات کی سالانہ آمدنی برطانوی گورنمنٹ کو دی جائے۔

ان شرائط پر رضامند ہونے کو نہ بمبئی کی حکومت تیار تھی نہ اُن کا معاون رگھوبا
تیار تھا اور پونا کی وزارت پر بہت جلد یہہ حقیقت کھل گئی کہ اُن کی سفارتی کامیابیاں
محض لفظی تھیں معنوی نہ تھیں۔ اس معاملے کا محرک ایک بوڑھا برہمن مسمی سکھرام باپو
تھا جو بڑا محتاط و متین مدبر تھا اور ان خاص معاملات میں اُس کو ایک نوجوان ہمچشم
سے بہت مدد ملی تھی جو آہستہ آہستہ ترقی کے مدارج طے کر کے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔
یہہ بھی ایک برہمن تھا جس کا نام بالاجی جنار دھن تھا جو بعد کو اپنے ضابطے کے
لقب نانا فرنویس سے مشہور رہا۔ اپنی غرض کے لیئے نانا فرنویس نے سکھرام باپو کی موافقت
میں کام کرنا شروع کر دیا تھا اور چونکہ نانا فرنویس ہمیشہ سے بطور سرپرست پیشوا کی ماں گنگا بائی کا منظور نظر

بھی تھا اس لیئے سکھرام باپو کے لیئے اسکی دوستی مفید تھی۔ سندھیا کی نیت ہمیشہ سے
یہہ رہی تھی کہ پونا دربار میں فرقہ بندیوں کے وقت فریقین میں باہمی مصالحت کرا دیا کرے
مگر اب جبکہ اس قسم کی مخالفت کچھ عرصے کے لیئے ختم ہو چکی تھی اس لیئے اپنی جبلی
طبیعت کے تقاضے کے مطابق وہ عام مخالفت پر آمادہ ہوگیا تھا خصوصاً اس لیئے صفحہ ۴۳،
کہ سکھرام کی طرف سے سندھیا کے دل میں پرانا کینہ موجود تھا کیونکہ یہہ بوڑھا برہمن
کبھی سندھیا کا دوست نہیں رہا تھا۔

ادھر سیاست پونا کی یہہ حالت تھی اُدھر رگھوبا کی حرکتوں نے تازہ پیچیدگیاں
پیدا کردیں۔ چونکہ وہ خود معاہدۂ پوران دھر کے متعاقدین میں سے نہیں تھا اس لیئے
اس کی شرائط کو مسترد کر کے اُس نے اپنی فوج توڑنے سے انکار کردیا اور فوراً برطانوی
چھاؤنی سورت کو چلا گیا جہاں بمبئی کی حکومت کی طرف سے اُس کا خیر مقدم کیا گیا
اور اُسے پناہ دیگئی۔ کرنل اپٹن کی رائے میں یہہ نقض عہد تھا اس لیئے اس نے اس کے
خلاف بہت کچھ احتجاج کیا مگر بے سود۔ رگھوبا نے اپنے معاملے کو مجلس انتظامیہ سے رجوع
کیا اور وارن ہیسٹنگز نے اُس کی عرضداشت کی تائید کی اور آخرکار لندن سے وہ احکام
صادر ہوگئے جن کی رُو سے معاہدۂ پوران دھر کی شرائط بلا چون وچرا کے منسوخ کردیگئیں
اور رگھوبا کو ۱۷۷۶ء میں عزت کے ساتھ بمبئی طلب کر کے دس ہزار روپے کا ماہانہ
وظیفہ مقرر کردیا گیا۔

پونا میں صورت معاملات روز بروز پیچیدہ تر ہوتی جاتی تھی۔ ابتدائے ۱۷۷۷ء
میں ایک فرانسیسی طالع آزما مسمی لینٹ لیوبن ساحل پر اُترا اور وزرائے پونا کے سامنے
اپنے تئیں دربار ورسیلز کا ایلچی ظاہر کیا۔ اس خلاف توقع اتحاد سے پھول کر نانا فرنویس
نے اپنے دوسرے ہمچشموں کے ساتھ ناگوار برتاؤ کرنے شروع کر دیئے سکھرام باپو چوکنا
ہوگیا اور دوسرے مقتدر اشخاص کے ساتھ رگھوبا کی بحالی کی تجویز میں شریک
ہوگیا اور اس غرض کے لیئے بمبئی کی حکومت کے ساتھ خفیہ نامہ وپیام بھی شروع کردیا
چونکہ تکوجی ہلکر بھی رگھوبا کی بحالی کا طرفدار ہوگیا تھا اور اپنی فوج سے کام لینے کے لیئے صفحہ ۴۴،
تیار ہوگیا تھا اس لیئے نانا فرنویس نے جو فطرۃً جنگجو نہیں تھا۔ اسی میں بہتر دیکھی کہ
میدان سے ہٹ جائے۔ اور بمبئی کونسل نے حکومت اعلیٰ سے استصواب کیا جس نے

ایک سپاہ کرنل لیسلی کی سرکردگی میں ضرورت کے وقت کام کرنے کے لیئے بھیجدی۔ اس کے بعد اس ارادے کا اعلان کردیا گیا کہ رگھوبا کو بزور شمشیر منصب پیشوائی پر بحال کیا جائیگا۔

اس نازک موقعہ پر سندھیا کو ثالث بالخیر بننے کا خوشگوار موقعہ پھر ہاتھ آگیا۔ سندھیا کو نانا فرنویس سے غالباً کبھی کوئی ذاتی وجہ مخاصمت نہیں پیدا ہوئی تھی اور اس وقت تو بالکل کوئی بھی نہ تھی۔ برخلاف اس کے سکھرام باپو کے ساتھ بھی اُس کے تعلقات دوستانہ نہیں رہے تھے۔ تکوجی ہلکر کے ساتھ سندھیا کے بہت سے روابط ہم مشربی کے قدیم سے چلے آرہے تھے اور دونوں قدیم سے ایک جگہ کے رہنے والے بھی تھے۔ غرض یہہ کہ اس وقت سندھیا نے اپنے تمام اثر و اقتدار کا وزن نانا فرنویس کی طرف رجوع کردیا اور ہلکر کو سکھرام باپو کی طرف سے توڑکر اور مشہور ہری پنتھ کو اپنے ساتھ لیکر اس نے پوران دھر پر پیشقدمی کردی اور ۵ ؍ جون ۱۷۷۸ء کو نانا فرنویس کو منصب وزارت پر پھر متمکن کردیا۔

لیکن ابھی رگھوبا کے حق میں صورت معاملات ایسی خراب نہیں ہوئی تھی اور انگلستان کے احکام کے مطابق حکومت ہائے بمبئی و بنگال بڑی گرمجوشی سے اُس کی طرفدار تھیں۔ نانا فرنویس کے پھر برسر اقتدار ہوجانے کی پروا نکرکے نقض معاہدہ پوران دھر کا لحاظ نکرکے اور اس کا بھی خیال نکرکے کہ مدعی وکالت فرانس سینٹ لیوبن پونا سے بے نیل مرام رخصت کردیا گیا ہے اور اب ہندوستان سے روانہ بھی ہوگیا ہے۔ بمبئی کی حکومت نے بلا توقف بنگالی کمک کے آنے کا بغیر انتظار کیئے پونا پر حملہ کرنیکا عزم کرلیا۔ چنانچہ چار ہزار فوج ترتیب دیگئی جس میں چوتھائی تعداد گورہ فوج کی تھی اور سپاہ کی قیادت ایک ایسے پیر نابالغ مسمی ایجرٹن کے سپرد کی گئی جو عمر میں دقیانوس مگر فن حرب میں طفل مکتب تھا۔ اپنے عزم بالجزم کو موکد کرنیکے لیئے بمبئی گورنمنٹ نے خاص اپنے ارکان میں سے ایک شخص مسمی جنرل کارنک کو بھی اس فوج کے ساتھ کردیا۔ یہہ کارنک حال ہی میں بنگال سے آیا تھا بنگال میں اُسکا کارنامہ کچھ بہت تعریف کے قابل نہ تھا۔ باوصف انتہائی ضرورت کا اظہار کرنے کے بھی روانگی کی تیاریوں میں اور پھر دو میل روزانہ سفر کرنے میں پورے سو دن سنار کے ختم ہوگئے۔

صفحہ ۷۵

ادھر سندھیا نے جھٹ پٹ سکھرام اور نانا فرنویس میں میل کرادیا اور گھاٹ کی چوٹیوں پر زبردست سپاہ بھی جمع کرلی۔ ۹ر جنوری ۱۷۷۹ء کو برطانوی فوج تالیگاؤں پہنچی جو پونا سے بیس میل کے فاصلے پر تھا لیکن آگے بڑھنا اس کے مقدر میں نہیں تھا۔ قائد اعلیٰ بیمار پڑگیا اور کونسل کا مشیر جنگ مخبوط الحواس ہوگیا اور انگریزی فوج نے جب سب طرف سے اپنے تئیں گھرتا ہوا دیکھا تو دبک کر پیچھے ہٹی۔ افسروں اور سپاہیوں کے جی چھوٹ گئے۔ سامان رسد جلا ڈالا گیا۔ توپیں ایک تالاب میں پھینکدی گئیں اور بمشکل تمام ایک افسر مسمی کرنل ہارٹلے کے دم قدم کے طفیل میں بددل سپاہ مرگر کر وڈگاؤں پہنچی جو ٹھیک تین میل پیچھے واقع تھا۔ ۱۲ر جنوری تک اس مختصر سی فوج میں سے تین سو باون ٹھکانے لگ چکے تھے جن میں پندرہ یورپین افسر تھے۔ اب قرار داد باہمی کی ضرورت پڑی جس کی پہلی شرط مرہٹوں کی طرف سے یہہ تھی کہ رگھوبا مدعی کو حوالے کردیا جائے۔ لیکن خود رگھوبا نے برطانوی افسر کو اس ذلت پر راضی ہونے سے بچا لیا اور سندھیا کے ساتھ بطور خود معاملہ طے کرکے اپنے تئیں اُس کے حوالے کردیا۔ اس کے بعد جب برطانوی افسر نے یہہ جواب دیا کہ مجھکو حوالگی علاقے کا معاملہ طے کرنے کا مجاز نہیں کیا گیا ہے تو سندھیا نے قوت مناظرہ سے کام لیکر وہیں یہہ جواب دیدیا کہ آپ ذرا مہربانی کرکے
صفحہ ۷۶ ہمیں وہ حکم تو دکھادیجئے جس کی رُو سے آپ معاہدۂ پوران دھر کو توڑنے کے مجاز ہوگئے تھے۔ سندھیا نے انگریزی فوج کے ساتھ نہایت تہذیب و متانت کا برتاؤ کیا لیکن شرائط جان بخشی جتنی سخت ممکن تھیں منوائیں۔ یعنے یہہ کہ بنگالی کمک کی واپسی کے احکام فوراً صادر ہونے چاہئیں۔ اور خاص سندھیا کو بھڑوچ حوالے کردیا جائے اور اکتالیس ہزار روپیہ اُس کی ذاتی فوج کے قدم رنجہ فرمانے کا نذر کیا جائے۔

اس ذلت خیز قرار داد نے ناقابل امید نتائج پیدا کیئے۔ جن افسروں کی وجہ سے یہہ نحوست سر پر آئی تھی وہ برخاست کردیئے گئے۔ بنگالی فوج نے وسط ہند کی طرف رُخ کرلیا اور سب سے زیادہ تعجب خیز یہہ بات ہوئی کہ سندھیا نے اب تک انگریزوں کے خلاف اتحاد عام کے جس منصوبے میں ہاتھ بٹایا تھا اب وہ دلمیں پس و پیش کرنے لگا۔ یہہ قیاس کرنا شبہ سے خالی نہیں ہے کہ اس اچانک تبدیلی کی وجہ آیا یہہ ہوئی کہ سندھیا کے دل میں نانا فرنویس کے معراج کمال پر پہنچ جانے کا کانٹا کھٹکنے لگا تھا۔

یا یہہ ہوئی کہ برطانوی افسر ہارٹلے اور اُس کے دلیر ہمراہیوں کا انداز کچھ اُس کے دل میں کھب گیا تھا۔ بہرحال اُس نے رگھوبا کے معاملے میں کچھ تجاہل سے کام لیا اور وہ بھاگ کر برطانوی پناہ میں سورت پہنچگیا جہاں وہ بطور پروانہ راہداری کے اپنے خلاصی دہندہ کا سلام بھی لیکر پہنچا؛

اس اثنا میں بنگالی سپاہ کی پیشقدمی میں یہہ رکاوٹ پڑگئی کہ بعض بندیلکھنڈی سرداروں نے اظہار مخاصمت شروع کر دیا تھا اور کرنل لیسلی کو اُن کی سرکوبی ضروری نظر آئی تھی لیکن لیسلی کا اکتوبر ۱۷۷۸ء میں انتقال ہوگیا اور اُس کی جگہ کرنل گوڈارڈ نے لی جس کو وارن ہیسٹنگز نے جواب کونسل میں اپنا زور باندھ چکا تھا اپنا جانشین منتخب کیا تھا۔ بمبئی سے متواتر استدعاؤں کی ڈاک لگی ہوئی تھی اس لیئے گوڈارڈ بھی بڑھا ہی چلا گیا۔ ۲ دسمبر ۱۷۷۸ء کو اُس نے نربدا کو عبور کرلیا اور ۲۶ فروری کو سورت پہنچگیا اور اپنی مستعدی سے اُن بیس ہزار سواروں کا راستہ کاٹ کر نکل گیا جو اُسے روکنے کے لیئے پونا سے بھیجے گئے تھے۔ ۱۵ اپریل کو کرنل گوڈارڈ نے پونا دربار کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا جو معاہدہ پوراندھر پر مبنی تھا۔ صرف فرانسیسی مداخلت کے خلاف ایک شرط اس میں زیادہ تھی۔ سندھیا کے متعلق گوڈارڈ کو مجاز کر دیا گیا تھا کہ وہ اس سے علحدہ قرار داد کرے کیونکہ گورنر جنرل پر اُسکی اس انسانیت کا بڑا اثر ہوا تھا کہ اُس نے واڈگاؤں پر الجبرٹن کی فوج کی جان بخشی کردی تھی چنانچہ گورنر جنرل نے یہہ تاڑ لیا تھا کہ یہہ شخص آیندہ زمانے میں نہایت کار آمد اتحادی ثابت ہوگا۔ لیکن سندھیا نے اُس وقت تک اپنے متعلق شاید کچھ طے نہیں کیا تھا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ برطانوی سپاہیوں کی سپہگری کے متعلق جو خیالات اُس کے دل میں تھے اُنکے اظہار میں وہ اب بھی تامل نہیں کرتا تھا؛ صفحہ ۷۰

اسی زمانے میں سکھرام باپو اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھگیا اور عام خیال یہ تھا کہ یہ کام سندھیا کی مرضی اور اس کی مدد سے ہوا ہے۔ غرض یہہ کہ بوڑھا سکھرام باپو اس قلعے سے اُس قلعے میں پھرایا جاتا رہا یہانتک کہ رائے گڑھ پر آکر وہ سب قلعوں سے ہی رخصت ہوگیا۔ گوڈارڈ نے بڑی احتیاط کے ساتھ مرہٹوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے احتراز کیا اور خود رگھوبا کے ساتھ اگرچہ بڑی سرچشمی کا برتاؤ کیا جاتا تھا مگر اُس کو ایک نارضامند رعایا پر زبردستی حاکم بنانے کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ مگر

نانا فرنویس اُس وقت تک شرائط صلح طے کرنے سے بالکل انکاری رہا جب تک کہ رگھوبا کو سپرد نہ کردیا جائے اس لیئے مجبور ہو کر برطانوی سپہ سالار نے بھی اب بحیثیت سپہ سالار کل افواج بمبئی کے دوٹوک فیصلہ کرلینے کی تیاریاں شروع کردیں۔ ۱۵ فروری ۱۷۸۰ کو گجرات کے دارالحکومت احمد آباد پر لفٹننٹ کرنل ہارٹ لے نے دھاوا کرکے فتح کرلیا اور ۲۹ فروری ۱۷۸۰ کو سندھیا نے ہلکر کی معیت میں بڑودہ کی طرف پیشقدمی کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی سپاہ پر حملہ کریگا۔ مگر پھر بھی اب تک کوئی مخاصمانہ حرکت اُس کی طرف سے وقوع میں نہیں آئی بلکہ جو اشخاص کہ سندھیا نے تکمیل قرارداد واڈگاؤں کی ضمانت کے طور پر رکھ لیئے تھے وہ بھی رہا کردیئے گئے اور وہ ۹ مارچ ۱۷۸۰ کو گوڈارڈ کے لشکر میں آپہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھیا نے گوڈارڈ کو اُس کے متعلق بھی ٹٹولا کہ اُسے کن فوائد کی برطانیہ کی طرف سے امید دلائی جاسکتی تھی لیکن اس کے جواب میں برطانوی سپہ سالار نے سندھیا ہی سے پوچھا کہ اپنے مطالبات بیان کرے۔ منھ مانگی مراد پوری ہوتی دیکھکر سندھیا نے یہ شرط پیش کی کہ رگھوبا کے چھوٹے بیٹے باجی راؤ کو پیشوا بناکر خود سندھیا کو اُس کا مدارالمہام بنادیا جائے۔ یہ باجی راؤ وہی شخص ہے جو سب سے آخری پیشوا ہو گزرا ہے۔ چونکہ اب تک کسی قسم کا باضابطہ نامہ و پیام شروع نہ ہوا تھا اور سندھیا نے برطانیہ کے دیسی اتحادیوں سے خفیہ نامہ و پیام بھی آغاز کردیا تھا اس لیئے گوڈارڈ نے یہی مناسب سمجھا کہ سندھیا کو ایک تازہ سبق اور پڑھا دیا جائے چنانچہ اُس نے تابڑتوڑ حملے کرکے اُسے نربدا پار پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ صفحہ ۸۰

اب یہ مبارزت دراصل سندھیا اور وارن ہسٹنگز کے درمیان دست بدست مجاربت ہوتی جاتی تھی اور تقریباً بارہ مہینے تک یہ دونوں قابلترین آدمی دل کھول کر ایک دوسرے سے دست وگریباں رہے۔ آخرکار آخری ضرب سے پہلے ایک کاری ضرب گوالیار پر لگائی گئی جو ایک تازہ قلعہ سندھیا نے اپنے شمالی مالوہ کے مقبوضات میں اضافہ کرلیا تھا۔ قلعۂ گوالیار کی مندرجۂ ذیل کیفیت امپیریل گزیٹیر آف انڈیا سے اخذ کرکے ناظرین کے ملاحظے کے لیئے پیش کی جاتی ہے :-

قلعۂ گوالیار ریتیلے پتھر کی ایک پہاڑی پر قائم ہے جس میں جگہ جگہ تیلیا پتھر بھی ہے اور یہ پہاڑی زمین سیدھی اُٹھی چلی گئی ہے۔ جہاں کہیں

یہ پہاڑی ڈھلواں تھی ؛ ہاں اُس کے ڈھلان کاٹ دیئے گئے
حتیٰ کہ بعض اطراف میں اوپر کا حصہ نیچے کے حصے پر چھایا ہوا ہے۔
اس کا بڑے سے بڑا طول ڈیڑھ میل اور بڑے سے بڑا عرض تین سو گز صفحہ ۷۹
ہے۔ اور انتہائی بلندی تین سو بیالیس فٹ ہے اس پر ایک پرانا مغلیہ
محل ہے جو کسی زمانے میں لندن ٹاور کی طرح شاہی خاندان کے
ارکان یا دوسرے معزز لوگوں اور منصبداروں کی نظربندی کے لیئے
کام میں لایا جاتا تھا سلطنت مغلیہ کے تجزیے کے وقت اس قلعے پر گوہد
کے جاٹ رانانے قبضہ کر لیا تھا جس کا خاندان اب حکمرانِ دھولپور ہے
مگر سندھیانے تھوڑے ہی دن سے اس پر قبضہ کر کے اس کے
استحکامات کو اور اچھی طرح پائدار کر لیا تھا (امپیریل گزیٹیر پنجم صفحہ ۲۲۴ وغیرہ)

۳ر اگست سنہ ۸۰ء کو رانائے گوہد کی دعوت پر اس طرف ایک بڑا چلتا ہوا برطانوی افسر مسمی پوپہم آیا جس کو وارن ہیسٹنگز کی طرف سے یہ ہدایات مل چکی تھیں کہ سندھیا کے عقب میں جاٹوں اور راجپوتوں کو کسی طرح اُبھار کر متحد کر دے۔ اپنی قلعہ پیما سیڑھیوں کو نہایت خفیہ طور سے تیار کر کے اور سوائے اپنے فوجی انجینیر کپتان بروس کے اور کسی شخص کو اپنا رازدار نہ بنا کر پوپہم نے دھولپور پر چنبل کو عبور کیا اور سرعت کے ساتھ گوالیار پر بڑھتا چلا گیا۔ اور خاص قلعے پر اُس نے بروس کی سرکردگی میں بیس چیدہ اشخاص کی ایک جمعیت کو سیڑھیاں دے کر روانہ کیا اور خود اس کی اڑے وقت پر امداد کرنے کے لیئے ایک محفوظ فوج کے ساتھ کچھ فاصلے سے گوش برآواز رہا۔ اس جمعیت نے اپنے پیروں کی چاپ کو دبانے کے لیئے جوتوں کے تلوں میں روئی باندھ لی اور اندھیری رات میں دبے پاؤں پہاڑی کے تلے ایسے پہنچ گئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ یہاں چند چوروں کو اُنھوں نے رہنما بنا لیا تھا اور رات کو اتنی دیر تک دبکے پڑے رہے کہ معمولی گشت گرداوری کا وقت ختم ہو کر بالکل سناٹا ہو گیا جب شمعیں اور آوازیں خاموش ہو گئیں تو ان لوگوں نے اپنی قلعہ پیما سیڑھیاں چپکے سے پہاڑی پر جمائیں اور دبے پاؤں اوپر پہنچ کر پہرہ داروں کو ایک دم گھیر لیا اور اسی صفحہ ۸۰
بدحواسی میں اُنھیں گرفتار کر کے مشکیں باندھ لیں۔ پیچھے ہی پیچھے پوپہم بھی پہنچ گیا اور اس

ناقابل تسخیر نظر آنے والے قلعے کو بغیر ایک قطرہ خون بہائے فتح کرلیا ؛

تسخیر گوالیار نے سیاسی خیالات و حرکات پر فوری اثر کیا۔ نانا فرنویس کے وکیل متعینہ لشکر سندھیا نے اپنے مالک کو اطلاع دی کہ دہلی کی حکومت سے اس معاملے میں کسی امداد کی امید نہیں ہوسکتی۔ خود سندھیا کے خیالات کے متعلق یہہ کہنا کافی ہے کہ اُس کے لیئے ہمیشہ اشارہ کافی ہوا کرتا تھا اور اُس نے فوراً اپنی تنہائی کو اور ایسے دشمن کی زد میں آجانے کو محسوس کرلیا جس کو ہر طرح اپنا اُستاد تسلیم کرنے کے وجوہ اُس کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ ایسے وقت میں اُس کو اپنے اغراض کے حصول کے لیئے صرف برطانیہ کی دوستی کا حاصل کرنا بمقابلہ اُن کی دشمنی مول لینے کے زیادہ سودمند معلوم ہوا۔ کیونکہ بعد کے واقعات پر جب ہم غائر نظر ڈالتے ہیں تو یہہ ثابت ہوجاتا ہے کہ سندھیا ایک مہتم بالشان منصوبے کے توڑ جوڑ لگا رہا تھا جس میں یہہ بنگال کے غیر ملکی حکمران صرف اُسی قدر حصہ لے سکتے تھے جس قدر کہ سندھیا کے حصول اغراض کیلیئے ضروری تھا۔ وہ منصوبہ یہہ تھا کہ وہ سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر اپنے لیئے عالیشان اقتدار حکومت کی عمارت قائم کرلے۔ چنانچہ اسی منصوبے کی تاریخ اُن تمام تعلقات کی نوعیت ہوسکتی تھی جو وہ پونا یا کلکتہ کے ساتھ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ ایسے موقعہ پر سندھیا ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ ایسے زبردست ہمسایوں کی مخاصمت جان بوجھکر اپنے سر لے بلکہ وہ حتی الامکان اس کوشش میں تھا کہ اگر اُن کی طرف سے یقینی امداد حاصل نہو تو بھی اپنے ساتھ ان کا برتاؤ اپنی شان کے شایاں ہوتا رہے اس نصب العین کو سندھیا کی اس روش کا حقیقی انداز سمجھنا چاہیئے جو وہ ان دونوں ہمسایوں کے ساتھ اختیار کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہلکر اور نانا فرنویس کے ساتھ کوئی نزاع نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہہ دونوں اگر عنایت فرماکر محض غیر جانبداری برتتے رہے تو وہ بھی سندھیا کے لیئے اتنی ہی سودمند ہوسکتی تھی جتنی اُن کی امداد تھی۔ اور وارن ہسٹنگز
صفحہ ۸۱ کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی اس کی ضروریات اسی کی متقاضی تھیں۔ پھر بھی سندھیا نے یہہ عزم کیا کہ اگر کوئی انتقامی ضرب انگریزوں پر نہ لگا سکے تو بھی چلتے چلتے ہوشیار کرنے کا تو ایک وار کرہی دے۔ اس غرض سے اُس نے انگریزوں کے خلاف علاقہ گوالیار میں پیشقدمی کی اور بڑی امیدوں سے کی کیونکہ پوپہم اب اس علاقے سے

جاچکا تھا اور پوپہم کا جانشین میجر کماک مقابلہ کرنے سے کچھ پہلو بچاتا نظر آرہا تھا۔ لیکن گرگ باراں دیدہ بروس ابھی انگریزی لشکر میں موجود تھا اور سندھیا کے لیئے شبخون کی تواضع اُس کے پاس حاضر تھی۔ چنانچہ یکایک سندھیا کے لشکر پر ایسی مار پڑی کہ اُس کے ہاتھی گھوڑے خیمہ و خرگاہ سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر سندھیا نے وہ سبق ضرور حاصل کر لیا جو اس سب نقصان کی تلافی کو کافی تھا یعنے انگریزوں کے منھ آنیکی حقیقت اُس کے سمجھ میں آگئی اور یہہ حقیقت پھر کبھی اُس کے دل سے نہیں اُتری۔

یہہ واقعہ جو ۲۴ ر مارچ سنہ ۱۷۸۱ئہ کا ہے سندھیا اور ہیسٹنگز کی زور آزمائی کا خاتمہ کرنیوالا تھا اور اس کے سلسلے میں جتنی ایک حریف کی تعریف کی جاسکتی ہے اُتنا ہی دوسرے حریف کو سراہا جاسکتا ہے۔ پھر اس کے بعد کبھی حتیٰ کہ سر جان شور اور کارنوالس کے کمزور زمانوں میں بھی سندھیا نہ برطانیہ کے ساتھ آمادۂ پیکار ہوا نہ ان کے اعلان کردہ دعاوی و خواہشات کا احترام کرنے میں اُس نے کوتاہی کی۔ وارن ہیسٹنگز کی یہہ ایک شاندار خصوصیت ہے کہ وہ جو کچھ کر گیا دیرپا کر گیا۔ اُس نے عمارت حکومت کو نہ خراب مصالح سے تیار کیا نہ ریگ کی بنیاد پر اُٹھایا۔ اُس کے ساتھ ہی سندھیا کی شاندار خصوصیت ہے کہ جب اُسے اپنی قوت کے حدود معلوم ہو گئے تو اُس نے بھول کر بھی اُن سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا۔

۱۳ ر اکتوبر سنہ ۱۷۸۲ئہ کو کرنل میور کے توسط سے وارن ہیسٹنگز نے اُس تحریک صلح کو
اختتام کو پہنچایا جس کی رو سے سندھیا کے ساتھ وہ معقول برتاؤ روا رکھا گیا جو ایک صفحہ ۸۲
لائق حریف کو دوسرے لائق حریف کے لیئے روا رکھنا چاہیئے یعنے ہیسٹنگز نے سندھیا کو گوالیار اور اُجین دونوں واپس کر دیئے اور اُن کے ساتھ ہی اُس کے تمام پہلے کے وہ مقبوضات بھی واپس کر دیئے جو دریائے جمنا کے جنوب اور مغرب میں واقع تھے اور ان تمام مراعات کے معاوضے میں سندھیا پر صرف ایک شرط عائد کی گئی کہ وہ حتی الامکان وزارت پونا کو آمادۂ صلح ہونے پر رضامند کر لے۔

اس کا نتیجہ معاہدۂ سالبائی ہوا جو ۱۷ ر مئی سنہ ۱۷۸۲ئہ کو اتمام کو پہنچا۔ گو یہہ معاہدہ بادی النظر میں کوئی کارگر ہتھیار نہ معلوم ہوتا ہو مگر اسی سے ایک نیا دور تاریخ ہند کا شروع ہوتا ہے کیونکہ یہہ اسی معاہدے کے دم قدم کا ظہور تھا کہ بغیر ایک انچ قطعۂ زمین کا

الحاق کیئے ہوئے برطانیہ کی قوت نے تمام جزیرہ نمائے ہند پر صفائی اقتدار حکومت حاصل کرلیا اور اس قطعۂ اقلیم کے ہر صوبے نے سوائے میسور کے برطانیہ کو عام ثالث بالخیر تسلیم کرلیا۔ اور یہہ کوئی معمولی لقب اور منصب نہیں تھا؛

ماہ مئی ۱۷۸۲ء میں سندھیا نے تو اُس برادری کی طرف سے دستخط کردیئے جس کی طرف سے وہ کارکن بنا ہوا تھا مگر نانا فرنویس اپنی حسب معمول احتیاط کے مطابق اس معاہدے کی تصدیق میں لیت و لعل کرتا رہا۔ اُسے ابھی تک یہہ امید تھی کہ انگریزوں کو سالسٹ کی واپسی پر راضی کیا جاسکیگا بلکہ اُس نے یہاں تک کارروائی کرلی کہ ایک افواہ یہہ اڑادی کہ پونا کی حکومت حیدر علی کے ساتھ ایک جداگانہ معاہدے کے متعلق نامہ و پیام کررہی ہے۔ اس دھمکی کا اثر انگریزوں کو لازمی طور پر محسوس ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کا قدیمی دشمن حیدر علی ابھی تک جنرل بسی اور دیگر دشمنان برطانیہ کے ساتھ اس سازش میں مصروف تھا کہ انگریزوں کے حقوق کو بالکل پامال کرکے رکھدیا جائے۔ لیکن دسمبر ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کی وفات نے پیشوا کی حیلہ بازی کے اس آخری تار کو بھی توڑ ڈالا اور اسی ماہ کے اختتام سے پہلے معاہدۂ سالبائی پر نانا فرنویس کے دستخط بھی ہوگئے اور مرہٹہ مشارکت کی مہر سے مزین بھی کردیا گیا مگر امن عامہ حقیقۃً اُس وقت تک نامکمل رہا جاتا تھا جب تک کہ میسور بھی راہ راست پر نہ لایا جاتا جہاں کہ حیدر علی کا بیٹا ٹیپو اگرچہ اپنے باپ کی قابلیتوں کا نہیں مگر اپنے باپ کے مقبوضات اور جوش و خروش کا ضرور وارث بن چکا تھا۔ صفو سہہ حکومت مدراس کو اس درجہ صلح جوئی پر اضطراب تھا کہ اُس نے اپنے وکیلوں کو ٹیپو کے دربار میں ہر قسم کی ہتک اور اہانت کے برداشت کرنے کے لیئے تیار کرکے بھیجا جو اُس تند و تیز جنگجو کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑے اور ۱۰ مارچ ۱۷۸۳ء کو کہیں جاکر یہہ نوبت آئی کہ حد سے زیادہ ذلت آمیز برتاؤ کے بعد ٹیپو سلطان نے نہایت ترشروئی کیساتھ معاہدۂ منگلور پر دستخط کرنے کے بعد امن عامہ میں شریک ہونے کا اقرار کیا؛

لیکن اب وہ وقت آگیا تھا کہ انگریز اور اُن کے مد مقابل برابر جنگبازی سے تھک گئے تھے اور ہیسٹنگز نے اس ارادے سے اپنی تعمیر سلطنت پر ایک نمائشی قلعی پھیرنی شروع کردی تھی کہ وہ اب ہندوستان سے روانہ ہونیوالا اور اپنا کام دوسرے کے سپرد

کرنیوالا تھا۔ اُس کی غائر نظر نے جانچ لیا تھا کہ مُلکی اختیارات کا اصلی مالک میسور کا بدمزاج و خود پسند سردار نہیں ہو سکتا بلکہ متین و مدبر مرہٹہ جو ہو سکتا ہے۔ اس لیئے اُس نے سندھیا سے صاف الفاظ میں وہ وجوہ بیان کر دیئے جو اُس کی طرف سے معاہدہ منگلور کی تصدیق کا باعث ہوئے تھے دراں حالیکہ بادی النظر میں گورنر جنرل کا اس معاہدے کی تصدیق کرنا گویا مدراس کی حکومت کی ذلت خیز کارروائیوں کو جائز سمجھنا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ہیسٹنگز نے اپنے معاملہ فہم مکتوب الیہ سندھیا کو یہ بھی سمجھا دیا کہ برطانیہ اور سندھیا دونوں کے اغراض کے واسطے بس یہی بہتر ہے کہ اب جو صورت معاملات پڑ چکی ہے اُسے چھیڑا نہ جائے؛

سندھیا کی ہمت مردانہ اور قابلیت عمل نے جس اعلیٰ حیثیت تک اُسے پہنچا دیا تھا اُسکا بہترین اندازہ اس سے زیادہ اور کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو وارن ہیسٹنگز
صفحہ ۸۴ جیسا مدبر قیام امن کے معاملے میں اُس کے کلمہ خیر کا مستدعی ہو دوسری طرف اس
معاملے میں نانا فرنویس جیسا توڑ جوڑ کا سیاست داں اُسے مختار کل کے منصب سے اپنی طرف سے سرفراز کر کے وکیل بنائے۔ ساتھ ہی اس کے جو شرائط اس معاہدے کی طے ہوئی تھیں اُن سے سندھیا کی معاملہ فہمی اور اعتدال پسندی کی شہرت کی پوری تائید ہوتی ہے۔ گجرات کا مسئلہ جوں کا توں رہنے دیا گیا تھا اور گیکواڑ کے علاقے کو ہر قسم کے تجزیے سے بالکل محفوظ رکھا گیا تھا۔ شورش پسند رگھوبا کو معقول وظیفہ دیکر اپنا مقام نظربندی خود پسند کر لینے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ خود سندھیا کو اس معاہدے کے ذریعے سے وہ سب کچھ مل گیا تھا جس کی اُسے آرزو تھی یعنے وسط ہند اور ہندوستان میں اُسکے ہاتھ بالکل کُھل گئے تھے۔ اُس اُستادانہ چال سے اُس نے اپنے تئیں ہر قسم کی دخل درمعقولات کے خطرے سے بالکل آزاد کر لیا تھا۔ ایک طرف تو نانا فرنویس کی مخالفت کے جواب میں رگھوبا اور اُس کا بیٹا دو آدمی سندھیا کے ہاتھ میں تھے دوسری طرف انگریزوں کی مخالفت کا منہ وہ پہلے ہی بھر چکا تھا۔ جیمز مل[1] اپنی تاریخ برطانوی ہند میں اس موقع پر وارن ہیسٹنگز کے باہمی سمجھوتے کو اشتباہ انگیز و پُر اسرار قرار دیتا ہے لیکن یہ معاملہ بالکل صاف اور

[1] ہسٹری آف برٹش انڈیا جلد پنجم (مصححہ ولسن)

واضح ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہیسٹنگز کو فرقہ بندی کے اختلافات کا اتنا تجربہ تھا کہ وہ خوب جانتا تھا کہ جس قسم کی خط وکتابت وہ سندھیا سے کر رہا تھا اُس کے لیئے راز داری کی بڑی سخت ضرورت تھی لیکن جو نصب العین تمام معاملات کا وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا تھا وہ بہت صاف اور ضرور قابل غور ہے۔ سلطنت مغلیہ کے ٹکڑے اُڑ چکے تھے۔ انگریزوں نے اُس کے ایسے حصوں پر قبضہ کر لیا تھا جو اُن کے تجارتی کاربار کے لیئے ضروری تھے اس لیئے اُن کے اغراض کے لیئے یہی مفید تھا کہ بقیہ اقلیم ہند ایسی ہی حکومت کے تحت میں رہے جو ہر طرح سے حامی امن ہو اور وہ حکومت سندھیا ہی کی تھی ؛؛

ل کے لیئے وارن ہیسٹنگز کا نام ایسا ہی تھا جیسا گبن کے لیئے کلیسا کا نام۔ یعنے صفحہ ۸۵
وہ خلط فاسد جس کی موجودگی کی وجہ سے مقام ماؤف کے تمام دیگر اخلاط اپنی ضد نظر آنے لگتے تھے۔ اس لیئے اُس متین ترشروئی پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے جسکے ساتھ معاہدہ سالبائی پر انگلستان کے اس فلسفی مورخ نے تبصرہ کیا ہے جس کی تصانیف باوجود اپنے خصوصی استقام کے بھی علم ادب کی قابل زیارت یادگاریں ہیں۔ المختصر جو انتظام کیا گیا۔ اُس میں دیر لگی اندھیر نہیں ہوا اور موقعہ کے اعتبار سے صرف وہی بہترین انتظام تھا۔ اس قرارداد کو قریب قریب جزیرہ نمائے ہند کی تقسیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو اُن دو مدبروں کے درمیان عمل میں آگئی جو اُس کے مالک بننے کے اہل تھے۔ اس معاہدے کے بلاواسطہ اثرات ایک متعاقد کے اختتام شخصی زندگی تک اور ہر دو متعاقدین کی ملکی زندگی کے بعد تک قائم رہے اور بالواسطہ تو اس معاہدے کو برطانوی ہند کا سنگِ بنیاد کہا جاسکتا ہے سلطان ٹیپو اور نواب نظام الملک کے علاقوں کو چھوڑ کر سندھیا کو ہر غیر برطانوی علاقے میں من مانی کارروائیاں کرنے کی آزادی حاصل تھی اور ہیسٹنگز نے جو ایک ہی برطانوی حکمرانِ ہند ایسا تھا جس نے کوئی الحاقات نہیں کیئے اپنے وطن کے مقام کو اس بہترین طریقے سے محفوظ کر لیا کہ اُس نے تمام غیر برطانوی ہند کو اپنے قابلترین اور عاقلترین ہمعصر کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ مدتوں سے جو بساط سلطنت پر توڑ جوڑ کی چالیں چلی جارہی تھیں اُن میں سندھیا نے سب شاطروں کو شہ مات دے کر بازی جیت لی تھی ؛؛

ملہٹینگز نے اس معاہدے کی محض عالمانہ اور اصولی منظوری پر ہی قناعت نکی بلکہ اس کو قابل عمل بنانے کے لئے اُس نے ایک انگریزی سفارت دہلی بھیجی جسکی غرض یہی سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ اس معاہدے کو تمام دُنیا میں شائع کرنا اور اپنے ساتھی کے لئے اُس راستے کو خار وخس سے پاک کرنا چاہتا تھا جس پر خود اُس نے چلنے سے صفحہ ۸۶ دانائی کے ساتھ احتراز کیا تھا۔ اس راستے پر اب سندھیا قدم رکھنے والا تھا۔ اب تک جو کچھ ہم نے دیکھا وہ چند ایسے واقعات تھے جو نئی چیزیں پیدا کر رہے تھے اور ایک خاموش ثابت قدمی تھی جس کی وجہ سے گردوپیش کے حالات میں بغیر اپنے مقصد کو نظر انداز کئے سندھیا اپنا کام چلاتا رہا۔ مگر اب ہم اُس کو زیادہ نمایاں طور پر بہت سے کام کرتے ہوئے دیکھیں گے ؛

باب چہارم

سیاسیات دہلی کی حالت شاہ عالم کی بحالی کے زمانے میں

اگر ہم اُن مشکلات کو پوری طور پر سمجھنا چاہتے ہیں جو سندھیا کے مہتم بالشان منصوبے صفحہ ۸۵
کی راہ میں حائل تھیں تو ہم کو ۱۷۷۱ء تک پیچھے ہٹتے چلے جانا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے
کہ جس وقت مرہٹے اس سال کے موسم گرما میں ہندوستان سے واپس چلے گئے
اُس کے بعد سے شاہ عالم کے لشکر میں اور دربار میں کیا کیا ہوتا رہا۔ مرہٹے کچھ مقامی
فوجیں روہیلکھنڈ میں چھوڑ گئے تھے اور اُنھوں نے حافظ رحمت خاں صدر اعلیٰ
ریاستہائے روہیلہ سے برابر خفیہ نامہ و پیام جاری رکھا تھا۔ اسی قسم کے سمجھوتے اُنھوں نے اُن مسلمان
سرداروں سے بھی کر رکھے تھے جنھیں انھوں نے اتحاد اسلامی میں سے توڑ لیا تھا۔ مثلاً
ضابطہ خاں اور حسام الدولہ سے اُن کا ساز باز تھا موخر الذکر وہی شخص تھا جو بادشاہ کی
بحالی کے معاملے میں مرہٹوں کی طرف سے وکیل تھا؛

مگر وزیر سابق مرزا نجف کا معاملہ اُس کے پُرانے دوست نواب اودھ نے
اپنے ہاتھ میں لے لیا کیونکہ نواب اودھ بھی مرزا نجف کی طرح شیعہ تھا اور سلطنت کا
موروثی وزیر بھی تھا۔ ادھر ہیسٹنگز بھی اپنی ذات سے مرزا نجف کا دوست تھا اور
بہت زیادہ اقتدار بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ جب نواب اودھ نے یہہ عزم کر لیا کہ روہیلوں کو صفحہ ۸۸
آخری اور قطعی فیصلے پر طوعاً یا کرہاً رضامند کر ہی لے تو پھر یہہ معاملہ جتنا اہم تھا اُتنا ہی سہل
بھی ہو گیا کہ مرزا کو پھر اُسی عہدے پر متمکن کر دیا جائے جس پر سے ہلکر اور مرہٹہ میر سامان کی
امداد سے ضابطہ خاں نے اُسے معزول کر دیا تھا؛

حافظ رحمت خاں کو کوئی ایسی گھبراہٹ نہیں تھی کہ مرہٹے فوراً روہیلکھنڈ سے
نکال ہی دیئے جائیں مگر وہ اکیلا دیر سے بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا بہر حال نواب اودھ
اور سر رابرٹ بارکر نے مرہٹوں کی تمام مقامی فوجوں کو تھوڑی سی مدافعت کا سامنا

کر کے نکال باہر کیا اور پھر اُن کو دو آبہ میں شکست دی اور آخر کار اُنھیں دریائے چنبل کے بالکل پار بھگا دیا۔ اب باوجود خود حکمراں کی مخالفت کے روہیلکھنڈ کو نجات مل چکی تھی اس لیئے نواب اودھ نے بصیغۂ ضروری اُس چالیس لاکھ کا مطالبہ کیا جو اُن خدمات کا معاوضہ طے ہو چکا تھا جو نواب نے انجام دی تھیں لیکن رحمت خاں کا ارادہ ادائگی کا نہیں تھا اس لیئے اُس نے صاف لیت ولعل میں ٹالنا چاہا۔ اس پر ایک برطانوی دستے نے انوپ شہر پر پیشقدمی کی تاکہ احمد شاہ کی پرانی چھاؤنی پر قبضہ کر لے۔ اس دستے کی سرکردگی سر رابرٹ بارکر کے سپرد تھی جو نواب اودھ اور روہیلہ سردار کے معاہدے کا گواہ تھا میرزا نجف جو بارکر کے لشکر میں پناہگزیں تھا اُسی وقت دہلی بھیجدیا گیا اور برطانوی سپہ سالار اور نواب اودھ نے اپنے سفارشی مراسلات اُس کے ساتھ کر دیئے اور دہلی میں اُس کا تقرر نائب وزیر کے عہدے پر عمل میں آگیا۔ چونکہ میرزا نجف کے ساتھ ایم میڈاک اور ایک قواعد داں بدرقہ بھی تھا اس لیئے دخیل کار ضابطہ خاں کو اس وقت یہی مناسب معلوم ہوا کہ اپنے عہدے سے کنارہ کشی کر کے بھرتپور کے جاٹوں کے ہاں پناہگزیں ہو جائے۔ حسام الدولہ جسے اُس کے شاہی رازدار ہونے نے منتظم جاگیرات شاہی کے عہدے تک پہنچا دیا تھا اپنے عہدے سے برخاست کیا گیا اور اُس سے سخت حساب فہمی کی گئی۔ اُس کی جگہ ایک شخص عبدالاحد خاں کو دیگئی جو ایک زنانہ خو کشمیری تھا جس کو مجید الدولہ[1] کا خطاب بھی دیا گیا۔ منظور علی خاں کو ناظر محلسرائے شاہی مقرر کیا گیا اور آگرہ کے مضبوط قلعے کی قلعداری ایک ایرانی سردار محمد بیگ خاں کو تفویض کی گئی؛ صفحہ ٨٩

ان انتظامات کو دیکھتے ہوئے یہہ کہا جا سکتا ہے کہ دریائے جمنا پر کسی ہندو حکومت کا قائم کرنا اگر محال نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا۔ ایک اسلامی اتحاد نے مرہٹوں کو بالکل اُسی طرح ہندوستان سے نکال باہر کر دیا تھا جس طرح بارہ سال

[1] جن خطابات کے آخر میں الدولہ ہو وہ دوسرے درجے کی امارت کے خطابات ہیں اور جو الملک پر ختم ہوتے ہیں وہ اول درجے کے خطابات ہیں۔ لفظ دولت صرف اس سلطنت کے معنے میں استعمال ہوتا تھا جو بعض اقطاع ملک پر حاوی ہوتی تھی۔ ١٢ مصنف

پہلے احمد شاہ نے نکال دیا تھا۔ بصورت موجودہ اس اسلامی اتحاد کو ایک نئی اور پُراسرار دولت کی طرف سے بھی امداد مل رہی تھی جو موقع پر علانیہ جنگبازی یا خفیہ سازشوں کے ذریعے سے زیرین گنگا کے علاقوں میں آہستہ آہستہ اپنے قدم بڑھائے جا رہی تھی۔ بوہیم اور گوڈارڈ جیسے نبرد آزما تو ابھی آنے باقی تھے مگر انگریزوں نے طاقتور نواب وزیر کو اپنا مطیع کر لیا تھا اور اسے ہر طرح کا سہارا اور عملی امداد اسکو پہونچا رہے تھے۔ دربار پونا کی سرتاسر ذلت کو سندھیا گوارا کر سکتا تھا۔ نانا فرنویس کی ہر قسم کی مایوسی کو بلا اضطراب کے ایک شان انفعالیت کے ساتھ روا رکھ سکتا تھا مگر اس سے تو بالکل اُس کا راستہ ہی رُکا جاتا تھا کہ ایک زبردست اور نیک سیرت ایرانی سردار ایک بحال شدہ سلطنت کے
وسائل پر پورا پورا قابض رہے اور اُسے ایسے موروثی وزیر کی طرف سے ہر قسم کی صفحہ ۹۰
تائید و امداد کی بڑی بڑی امیدیں ہوں جو اودھ کے سے زرخیز اور آباد صوبے کا مالک ہو اور جس کی پشت پناہی پر برطانوی سنگینیں ہوں ؛

میرزا نجف کا دوسرا کام یہہ تھا کہ اُس نے بادشاہ سلامت سے روہیلکھنڈ کے خالصہ کرنے کی منظوری حاصل کر لی۔ اس معاملے میں وارن ہیٹنگز نے جو حصہ لیا تھا اُس پر اس سختی سے طول طویل سب و شتم کی زبان کھولی گئی ہے اور عام طور سے اس الزام کو ایسا اُس کے سر تھوپ دیا گیا ہے کہ اس معاملے کی اصلیت ہی کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس لیئے ہم کو اس کے متعلق تھوڑا سا تبصرہ کرنے کی ضرورت ہے ؛

صوبہ کٹہر (روہیلکھنڈ) بھی سلطنت مغلیہ کا ویسا ہی ایک جزو تھا جیسا کہ صوبۂ آگرہ تھا۔ اور ایسے لوگ اس وقت تک زندہ تھے جنھوں نے اس صوبے پر اُس سردار کا قبضہ دیکھا تھا جس کا تبادلہ بعد میں دکن کو ہو گیا اور وہاں سلطنت دہلی کے کمزور ہو جانے پر اُس نے ایک موروثی سلطنت قائم کر لی تھی۔ لیکن اس قسم کی قائم کی ہوئی ریاستیں خواہ وہ نواب نظام الملک کی مملکت دکن ہو یا بنگال اور اودھ کی نوابیاں ہوں کسی کے پاس کوئی قانونی وجہ اس ریاست قائم کرنے کی بجز ان فرامین کے نہ تھی جو دربار شہنشاہی سے جاری ہوتے تھے مگر مثل دیگر احکام کے یہ فرامین بھی ایسے تھے جو منسوخ کیئے جا سکتے تھے

چنانچہ جس وقت نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کی تباہی سے فائدہ اٹھا کر سنہ ۱۷۴۳ء میں پٹھانوں نے صوبے پر قبضہ کر لیا تو اس قبضے سے صوبے پر اُن کی ملکیت اُس سے زیادہ پیدا نہ ہوئی جو جاٹونکو قلعۂ آگرہ اور اُس کے مضافات پر قبضہ کر لینے سے ہوئی تھی۔ جاٹونکو نجیب الدولہ نے بیدخل کر دیا تھا اور میرزا نجف نے اُن کے حملوں سے بلا امداد غیرے خاص اپنی فوجوں کے ذریعے سے مُلک کو بچائے رکھا تھا۔ لیکن پٹھان کٹہر میں رہ گئے تھے۔ اُنھوں نے اس کا نام بدل کر روہیلکھنڈ رکھ لیا تھا۔ وہ اس میں شاہی اختیارات کو کام میں لاتے تھے مگر یہہ انداز حکومت طوائف الملوکی کی ایک خاص شان رکھتا تھا۔ اور اب اُنھوں نے دھوکا دینے کے لیئے یہہ وعدہ کیا تھا صفحہ ۹۱
کہ مرہٹوں کے خلاف اسلامی اتحاد میں شریک ہونگے اور مرہٹوں کے اخراج کے معاوضے میں چالیس لاکھ روپیہ نقد دینگے۔

اب یہہ ظاہر ہو چکا تھا کہ یہہ روہیلے پٹھان نااہل بھی تھے اور غدار بھی تھے۔ وہ اس صوبے پر حکومت نہیں کر سکتے تھے جو اُنھوں نے غصب کر لیا تھا نہ وہ مرہٹوں کی مدافعت کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی اس کے وہ اُن لوگوں کو موعودہ معاوضہ بھی دینا نہیں چاہتے تھے جو اُن کی امداد کے لیئے وقت پر آئے تھے۔ اس لیئے یہہ بالکل سلجھا ہوا سیاسی مسئلہ رہ گیا تھا کہ آیا ان نااہل حکومت مگر جنگجو مستعمرین کو اُس صوبے پر قابض رہنے دیا جائے جس کو اُن کے ہاتھوں سوائے بربادی کے کبھی فلاح سے بہرہ مند ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی یا اس صوبے کو دوسرے قابلتر ہمسایہ سردار کی طرف منتقل کر دیا جائے جو سلطنت کا سب سے بڑا رکن بھی تھا۔ ہم کو یہاں وارن ہیسٹنگز کی کارروائیوں سے کوئی بحث نہیں ہے لیکن انصاف پسند ناظرین اس زمانے میں کلکتہ کے محکمۂ خارجہ کی دستاویزات کو ملاحظہ کرنے کے وسائل بہم پہنچا سکتے ہیں جن سے اُن کو بطور خود نتیجہ نکال لینے کے لیئے کافی مصالحہ مل سکیگا۔ اگر یہہ کہا جائے کہ روہیلکھنڈ کے خالصہ کرنے کی تجویز میں شجاع الدولہ کے لیئے اُس کی ذاتی اغراض وجہ تحریک ہوئیں تو اُس کی توجیہہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ شجاع الدولہ بھی اس زمانے کے اہل سیاست میں سے تھا جو تقاضائے فطرت انسانی سے غیر متاثر نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے مشروطہ خدمات کو ادا کر دیا تھا مگر اُس کو موعودہ معاوضہ نہیں ملا تھا

اس لیئے فطرۃً اُس کو اس وقت اسباب تلافی کے پیدا ہو جانے پر خوش ہو جانا چاہیئے تھا۔ ہم نے اس معاملے کا تاریک ترین پہلو دکھا دیا ہے مگر غور سے دیکھنے پر معلوم ہو جائیگا کہ ہندوستان کے اس زمانے کے سیاسی اخلاق کے معیار کو دیکھتے ہوئے یہہ معاملہ بہت کم ناجائز نظر آتا ہے۔ جنوری سنہ ۱۷۷۴ء میں نواب اودھ نے روہیلوں پر آخری تقاضائے ادائگی کیا اور ۱۲ اپریل سنہ ۱۷۷۴ء کو ایک برطانوی کمک اپنے ساتھ لیکر روہیلکھنڈ کے حدود میں فوجیں اتار دیں۔ اُسی زمانے کے ایک ہندوستانی مورخ نے مندرجۂ ذیل حالات خاص روہیلوں کے ملک کے روہیلہ مورخ سے نقل کر کے لکھے ہیں :- صفحہ ۹۲

خصومت دعناد کی ایک حیرت انگیز حالت تمام روہیلکھنڈ پر طاری تھی اور ہر شخص اپنے ہمسائے کی بیخکنی پر بڑے اہتمام سے آمادہ نظر آتا تھا۔ جان و مال کی کوئی حفاظت نہیں تھی اور مزروعہ اراضی کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ محصول پر دی جاتی تھیں۔ وقت آچکا تھا کہ اس صورت حالات میں تغیر ہو جائے۔ صدر حکومت کو رعایا سے کسی امداد کی امید نہیں تھی۔ بادشاہ دہلی نے نواب وزیر اودھ کے نام فرمان صوبہ داری بھی نافذ فرما دیا تھا اس لیئے وہ بھی نواب اودھ کی امداد کے لیئے بنفس نفیس کچھ فوج لیکر روانہ ہو گیا تھا۔ انگریزوں نے اپنی باقاعدہ فوج کا ایک عمدہ دستہ بنگال سے بھیجدیا تھا۔ ۲۳ اپریل سنہ ۱۷۷۴ء کو صدر حکومت پر اتحادیوں کا حملہ ہوا اور بڑی جانبازی سے مدافعت کرنیکے بعد اس کو شکست ہوئی جس میں وہ خود بھی مارا گیا۔

اس فتح کو انگریزی دستے کی کارگزاریوں کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے جس کے گھوڑ چڑھے توپ خانے کے متعلق ایک ہندوستانی مورخ لکھتا ہے کہ اس توپ خانے کے سامنے کوئی نہیں ٹھیر سکتا سوائے اس کے کہ خاص طور سے حکم الہٰی اسکی زد کا سدِّراہ ہو جائے۔ اسی ہونا تک توپ خانے کے ایک زنجیردار گولے نے حافظ رحمت خاں صدر حکومت روہیلکھنڈ کے بھی دو ٹکڑے کر ڈالے تھے :-

نواب وزیر شجاع الدولہ اپنے نئے مقبوضے پر حکمرانی کرنے کے لیئے زیادہ عرصے تک

زندہ نہیں رہا کیونکہ وہ ۲۹ ر جنوری ۱۷۸۲ء کو انتقال کر گیا۔ اُس کے مناصب و جائداد کا
اُس کا بیٹا آصف الدولہ وارث ہوا جو ایک کمزور طبیعت اور پست ہمت عیاش تھا اور
نہ کبھی اپنے صوبے سے باہر گیا نہ کبھی کسی ایسے سرکاری معاملے میں حصہ لیا جس سے وہ پہلو بچا سکتا
تھا۔ ادھر میرزا نجف کو ایک ایسے حکمراں کے فرائض بالکل یکہ و تنہا ادا کرنے پڑ رہے تھے
جس کا عدم وجود برابر تھا۔ بہر حال اُس کی پہلی کارروائی بھرتپور کے جاٹوں کے خلاف شروع
صفحہ ۹۳ ہوئی جن کا مقابلہ اُس نے مقام برسانا پر کیا جو متھرا اور بھرتپور کے درمیان واقع ہے۔
دونوں طرف یورپین افسر کام کر رہے تھے مرزا کی پیدل فوج کی قیادت علاوہ میڈاک
کے کاؤنٹ ڈی میڈاور شیوالیر ڈی کریسی اور شیوالیر ڈیوڈرنیس کے بھی سپرد تھی۔
شیوالیر ڈیوڈرنیس وہ شخص تھا جس کا نام پھر بھی کسی موقعہ پر آئیگا۔ جاٹوں کی طرف سے
پیش دستی کی گئی اور سومبر کے دستے نے بندوقوں کی باڑھوں اور میدانی توپوں کے
گراپوں سے حملہ شروع کیا۔ میرزا نجف زخمی ہو گیا مگر اُس نے دشمن کی صفوف پر اپنے
زرہ پوشوں سے حملہ کیا اور سومبر نے اپنے قدیم انداز کے مطابق آہستہ آہستہ اپنے
سپاہیوں کو پیچھے ہٹا کر اپنی توپوں کی حفاظت میں لے لیا۔ اور دوسرے دن فاتحول
سے آملا۔ وسط گرما سے پہلے جاٹوں کے دو زبردست قلعے مسخر کر لیئے گئے اور جاٹوں کی
کامل تباہی صرف اس لیئے ٹل گئی کہ پیچھے سے شورہ پُشت ضابطہ خاں نے حملہ کر دیا تھا۔
اسلام کا یہ غدار فرزند برابر اپنی تگ و دو میں لگا رہا تھا اور اب اُس نے پھر منصب وزارت پر
قبضہ کرنے کے لیئے سکھوں سے امداد حاصل کر لی تھی۔ یہ خبر سنکر میرزا نجف واپس لوٹا اور
ٹھیک ایسے موقعہ پر دہلی آکر پہنچا کہ بادشاہ سلامت پر خاص محل شاہی میں حملہ ہونے سے
رُک گیا۔ اس کے بعد میرزا نجف نے شمال کی طرف اس غرض سے پیشقدمی کی کہ
ضابطہ خاں اور اُس کے حمایتوں کی خاطر خواہ سرکوبی کرے۔ بادشاہ بھی بہ نفس نفیس
میرزا نجف کے پیچھے پیچھے وہ دستہ لیکر چلا جو آصف الدولہ نے بطور کمک کے بھیجدیا تھا
اور ضابطہ خاں کو مجبوراً سکھوں کے ساتھ لگا رہنا پڑا اور اُن کے ساتھ ہی جمنا کو
عبور کر کے پانی پت پر پناہ لینی پڑی۔ یہاں ایک اچھا خاصہ معرکہ پیش آیا جس کا کوئی
صفحہ ۹۴ فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا۔ دوسرے دن ضابطہ خاں نے کسی ترکیب سے اددھ فوج کے
قائد کو ملا لیا جو لطافت خاں نامی ایک خواجہ سرا تھا اور اُس کی امداد سے اُس نے اس

شرط پر معافی حاصل کرلی کہ سکھوں کا ساتھ چھوڑ کر دوآبے کو اپنی جاگیر پر واپس چلا جائے جو اُن باون پرگنوں پر مشتمل ہے جن سے اب مظفر نگر اور سہارنپور کے اضلاع بنتے ہیں۔ ۱۷۸۲ء کے آخر میں میرزا نجف سبکدوشی حاصل کر کے آگرہ میں عزلت گزیں ہو گیا اور اس کے ساتھ اس وقت سومبرو بھی تھا جو کہ معرکہ برسانا کے بعد خلیفہ فوج میں ملازم ہو گیا تھا اور اس وقت میڈاک کی جگہ پر کام کر رہا تھا کیونکہ ۱۷۷۹ء میں میڈاک سبکدوشی حاصل کر کے یورپ چلا گیا تھا۔ آگرہ کا قلعدار اسوقت ایک ایرانی سردار محمد بیگ ہمدانی تھا جو میرزا نجف کیطرح ایک ایرانی طالع آزما تھا۔ اودھ میں آصف الدولہ بدکرداریوں اور بے رحمیوں کا عادی ہو کر وہ بدنظمی شروع کر چکا تھا جو آخرکار اُس کے خاندان حکومت کو بھی تباہ کر کے رہی۔ شاہ عالم اپنے آبا و اجداد کے قلعے میں مامون و محفوظ رہنے کی وجہ سے آرام طلب اور دوسرے کے ہاتھوں میں کھلونا بنا چلا جا رہا تھا۔ ۱۷۷۹ء میں البتہ اُس کے ندیم مجید الدولہ نے اُس کو اُبھار کر ایک بے نتیجہ حملہ جے پور پر کرا دیا تھا جہاں سے مطالبات سابقہ کے نام سے کچھ رقم ہاتھ آنے کی امید بندھی ہوئی تھی مگر اس تدبیر کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ ایک فوجی عامل جو ستلج بھیجا گیا تھا سکھوں کے ہاتھ سے اُسی سال کے اواخر میں مار ڈالا گیا اور اس گستاخی کی سزا دینے کے لیئے مجید الدولہ باوصف اپنی حربی خامکاری کے ایک مہم اپنی سرکردگی میں پنجاب لیگیا جہاں اُسے شکست کھانی پڑی اور صرف یورپین توپچیوں کی غیر معمولی جانبازی سے تمام سپاہ بالکل فنا ہونے سے بچ گئی۔ اس کے جواب میں فتحمند سکھوں نے تمام دوآبہ کو روند کر رکھدیا اور تمام مُلک کو یہانتک برباد کیا کہ ہرے درخت بھی کاٹ کر پھینک دیئے مجید الدولہ نے اس وقت پر سوائے اس کے اور کچھ نہیں کیا کہ مادھوجی سندھیا سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ انگریزوں کے بنگال بہار اور اڑیسہ سے بیدخل ہوتے ہی یہ تینوں صوبے اُسے دیدیئے جائینگے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اُس زمانے میں سندھیا انگریزوں کے ساتھ برسر مصالحت نہیں تھا لیکن اُسے اچھی طرح خبر تھی کہ وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں اور اُس نے اس سودے کو اس سے کم خام نہیں سمجھا کہ شیر[1] کے مارنے سے پہلے اُس کی کھال کی قیمت کے دام دیدیئے جائیں۔ ساتھ ہی صفحہ ۹۵

[1] اصل کتاب میں ریچھ ہے مگر وہ روس کے لیئے زیادہ موزوں ہوتا اس لیئے میں نے شیر سے بدل دیا ہے جو انگلستان کا مفتخر لقب بھی ہے۔ ۱۲ مترجم

اس کے سندھیا اتنی دور بیٹھکر بھی میرزا نجف کی قوت سے جتنا واقف تھا اُتنا گھر کے اندر بیٹھا ہوا کشمیری بچہ نہیں جانتا تھا۔ غرض یہہ کہ اس نامہ و پیام کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا؛

لیکن میرزا کی حقارت آمیز کنارہ کشی کسی طرح بادشاہ کی مشکلات کا یا اُس رعایا کی مصیبت کا کوئی علاج نہیں ہو سکتی تھی جس کو نجات دلانے کی خود بادشاہ میں بھی قوت نہیں تھی۔ ابھی دہلی کی فصیلوں پر سے مجید الدولہ کی آتش ستم سے جلتے ہوئے مواضعات کے دھوئیں نظر آنے بند نہیں ہوئے تھے کہ یکایک میرزا نجف کی واپسی کا شہرہ شہر میں پھیل گیا اور اُس نے آتے ہی مجید الدولہ کو قید سخت میں رکھا اور وہ تمام دولت جو اُس نے ناجائز ذرائع سے جمع کرلی تھی فوراً بحق سرکار ضبط کرلیگئی۔ میرزا نجف نے خاص اپنے بھتیجے مرزا شفیع کی سرکردگی میں ایک زبردست فوج سکھوں سے مقابلہ کرنیکے لیئے روانہ کردی۔ سلطنت مغلیہ کی اس قواعد داں فوج کے مقابلے میں سکھوں کی کچھ پیش نہ گئی اور میرٹھ کے قریب اُنھوں نے پانچہزار کا نقصان اُٹھا کر شکست کھائی اور بقیۃ السیف سر پر پاؤں رکھکر پنجاب کو بھاگ گئے؛

اس تجربے سے سبق حاصل کر کے میرزا نجف نے دہلی ہی میں رہنے کا ارادہ کرلیا اور سومبر کے انتقال کرجانے کی وجہ سے اُس کی فوج کی قیادت اُس کی حرم[1] کے سپرد کر دیگئی جسے ۱۷۸۱ء میں ایک کیتھولک پادری نے جوانا نوبلیس کے نام سے اصطباغ دے دیا تھا۔ یہہ ممتاز عورت اُنیسویں صدی میں سردھنہ والی بیگم سمرو کے نام سے مشہور رہی۔ صفحہ ۹۶
سومبر کی قبر اب تک آگرہ کے کیتھولک قبرستان میں موجود ہے؛

میرزا نجف، ۲۷ اپریل ۱۷۸۲ء کو انتقال کرگیا۔ یہہ شخص ناکامی کے وقت ہمیشہ ثابت قدم اور کامیابی کے وقت ہمیشہ رحمدل رہا۔ بیرحمیوں اور غداریوں سے اُس کی طینت خالی تھی اور اس کے مزاج میں وہ حقیقی تواضع تھی جو ہمیشہ نیکو سرشتی کے لازمات سے ہوا کرتی ہے۔ ایسے وقت میں مرزا کی موت نے ہندوستانی سیاسیات میں ایک مہلک خلا پیدا کردیا۔ اُس کے منصب و جائداد کے لیئے اُس کے بھتیجے مرزا محمد شفیع اور

[1] رائن بارٹ کی اصلی بیوی اپنے شوہر کے بعد زندہ رہی اور اُس سے رائن بارٹ کا ایک بیٹا بھی باپ کے بعد زندہ رہا لیکن بیوی مخبوط الحواس ہوگئی اور بیٹا ابھی نابالغ تھا۔ ۱۲ مصنف

اُس کے رفیق ہمدم افسر اسباب خاں میں بیصرفہ نزاع برپا ہوا۔ مرزا شفیع کو ضیافت کے بہانے سے بلا کر گولی سے مار دیا گیا اور افسر اسباب خاں نے ایک ناقابل بادشاہ کی برباد شدہ مملکت کا مدار المہام بننے میں کامیابی حاصل کی۔ گزشتہ دو سال کی قلت باراں سے ہندوستان میں سخت قحط رونما ہوگیا اور سنہ ۱۸۴۳ بکرمی کا اب تک قصے کہانیوں میں چالیسے کال کے نام سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ۳۰ مئی سنہ ۱۷۸۳ء کو لاہور میں گیہوں کا نرخ معمولی نرخ سے دس گنا گراں ہو رہا تھا۔ ایک عینی شاہد جو سندھیا کے لشکر میں رہ چکا تھا اور جو بعد کو کرنل جیمس سکنر سی بی کے نام سے مشہور ہوا یہ بیان کرتا ہے کہ انسانوں کی تعداد اس قدر گھٹ گئی تھی اور اُن کی ہمتیں ایسی پست ہوگئی تھیں کہ صرف چند مواضعات دور دور پر آباد رہ گئے تھے اور اُن میں بھی اس لئے کوئی سلسلۂ ارتباط نہیں رہا تھا کہ راستہ اُن درندوں نے روک رکھا تھا جو سڑکوں پر بیباک پھرتے تھے۔ ایک دوسرا ہمعصر لکھتا ہے کہ درندے دن دہاڑے فاقہ کش لوگوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے تھے۔

ان تمام مصیبتوں کے درمیان بھی ایک میلان عام قومی اتحاد کی طرف پایا جاتا تھا جو شاہی خاندان کی گھٹائی ہوئی قوت کے آگے ہر سر کو خم کرا دینے کا باعث تھا۔ جنرل ڈی بائن جو ایک عمیق نظر سپاہی تھا لکھتا ہے:۔ صفحہ ۷۹

”خاندان تیموریہ کی ایسی عزت دلوں میں تھی کہ باوجودیکہ تمام اقلیم ہند
آہستہ آہستہ اس خاندان کے تحت تصرف سے نکال لیگئی تھی
پھر بھی تمام اقلیم میں کوئی رئیس ایسا نہیں تھا جو اپنے تئیں بادشاہ
کہنے یا کہلانے کی جرأت کرتا۔ ابھی تک تخت مغل پر شاہ عالم ہی جلوہ گر
تھا اور سب کام اُسی کے نام سے کیئے جاتے تھے۔“

یہ تھا وہ شاندار انعام جس کے حاصل کرنے کی خاطر ہندوستانی مدبر اکھاڑے میں اُترے ہوئے تھے جن میں سے صرف ایک راز کامیابی کو سمجھ چکا تھا۔ ممکن تھا کہ انگریز اس انعام کو حاصل کر لیتے مگر وہ جانتے تھے کہ اُن کا وقت نہیں آیا تھا۔ دسمبر ۱۷۸۳ء میں ہیسٹنگز کے وکیل نے لکھا تھا کہ اگر ہم ہندوستان میں اپنے تئیں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی بات اور اپنی عزت کے دھنی بنے رہنا چاہتے ہیں تو ہم کو شاہ عالم کی امداد کی

کارروائی برابر جاری رکھنی چاہیئے۔ ہیسٹینگز کے کان ان مشوروں کے سننے کے لیئے بیشک کھلے ہوئے تھے مگر بوجوہ چند در چند وہ ان پر عمل کرنے کے قابل اپنے تئیں نہیں پاتا تھا اس لیئے اُس نے اس مشورے پر عمل کرنے کے لیئے اُس شخص کی امداد کی جو اُس کا بہترین بدل ہو سکتا تھا۔ ابھی لکھا جا چکا ہے کہ سندھیا کو گوالیار اور گوہد پر قبضہ کر لینے کی اجازت دیدی گئی تھی اور وارن ہیسٹینگز نے اُسے ہر طرح جرأت دلادی تھی کہ ہندوستان میں جو روش چاہے اختیار کرے۔ ۲۷ مارچ ۱۷۸۴ء کو گورنر جنرل لکھنؤ پہنچا جہاں اُسنے بادشاہ کے ولیعہد سے ملاقات کی جو اُس کی حمایت کا متمنی ہو کر آیا تھا۔ ہیسٹینگز نے شاہزادے کے معاملے کو اپنی فطری سنجیدگی اور اخلاق کے ساتھ سُنا اور اُس کے لیئے
صفحہ ۹۸ ایک سالانہ وظیفہ بھی منظور کر لیا۔ لیکن سیاسیات کے متعلق اُس نے شہزادے کو صرف یہی صلاح دی کہ وہ مادھوجی سندھیا سے رجوع کرے۔ اس ہمہ گیر مدبر یعنے سندھیا کے توڑ جوڑ کی طرف اب سب نگاہیں اُٹھنے لگی تھیں۔ ۱۸ اپریل ۱۷۸۴ء کے کلکتہ گزٹ میں یہہ خبر شائع ہوئی تھی؛

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سندھیا شکار کی غرض سے جا رہا ہے......ہمیں یہہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ بندیلکھنڈ کی طرف جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

مگر درحقیقت سندھیا کی غرض کچھ اور ہی تھی۔ اُس کا ارادہ آگرہ کی طرف جانیکا تھا جہاں وہ شیروں سے بھی بڑے شکار کی تلاش میں تھا؛

کلکتہ گزٹ میں برابر ہندوستان کی خبریں شائع ہوتی رہیں اور جس وقت کہ سندھیا دریائے چنبل پر پڑاؤ ڈالے رفتار واقعات کا منتظر تھا کہ ۱۰ مئی ۱۷۸۴ء کے گزٹ نے یہہ اعلان کیا کہ بادشاہ نے جو خطوط گورنر جنرل اور مہاراجہ سندھیا کو بھیجے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ سندھیا آگرہ کوچ کرنے والا ہے؛

کرنل میور کے توسط سے جو نامہ و پیام طے ہوا تھا اُس کی تصدیق ہو جانیکے بعد سے سندھیا نے بہت کم نانا فرنویس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ بلکہ اپنے اغراض کے لیئے ہندوستان کی رفتار واقعات کو نظر میں رکھکر وہ برابر اپنے اُس کم حوصلہ ہمعصر کی مشکلات سے فائدہ اُٹھانے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک مدعی نے اپنے متعلق یہہ مشہور کیا کہ میں سداشیو راؤ بھاؤ

ہوں جو معرکۂ پانی پت سے اپنی جان سلامت لے نکلا ہوں۔ سندھیا نے اگرچہ اس شخص کے ادعا کو صحیح نہیں تسلیم کیا مگر اُس کے دعاوی پر غور کرنے کا حیلہ ضرور کیا۔ لیکن اس مدعی کا پونا کی مجلس حکومت نے بہت جلد فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد سندھیا لوگوں کے سامنے ایک زیادہ خطرناک دعویدار یعنے کبھی چین سے نہ بیٹھنے والے رگھوبا کے اغراض کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتا رہا اور جس وقت دکن کے اس امان شکن کو بطور
وظیفہ خوار کے کوپارگاؤں مُلک خاندیس میں بسنے کی اجازت دیدی گئی تھی اُس وقت صفحہ ۹۹
سندھیا اُس کی بہبودی کے لیئے بہت ہی متمنی نظر آتا تھا اور یہہ شُبہ تو عام تھا کہ سندھیا اس قسم کی سازشیں پھیلا رہا ہے کہ کسی طرح رگھوبا کا کوئی بیٹا پیشوائی کے لیئے نامزد کر دیا جائے۔

ان تمام حرکتوں میں تھوڑی سی حکمت علی کا رنگ تھوڑی سی ستم ظریفی میں ملا ہوا تھا۔ لیکن معاہدۂ سالبائی کی تصدیق کے بعد اُس کو اپنے مطمح نظر کو وسیع تر اور نصب العین کو بلند تر کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ نمک حرام مجید الدولہ نے ایک بھونڈی سی تجویز کے ذریعے سے سندھیا کا اتحاد عمل حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جس کی غرض یہہ تھی کہ مجید الدولہ اپنے لیئے دہلی کے وزیر اعظم اور سپہ سالار کل کا منصب چاہتا تھا جس کے معاوضے میں اُس نے سندھیا کے شریک ہو کر انگریزوں پر حملہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سندھیا نے ایسی مہمات میں شریک ہونے پر رضامندی ظاہر کی۔ نہ یہہ بالکل قرین القیاس معلوم ہوتا ہے کہ سندھیا کسی طرح اس خود غرض کشمیری بچے کے اس تحفۂ مودت کو قبول کر سکتا تھا یا ایسے کمزور نمرود کا ہامان بن سکتا تھا۔ بہر حال میرزا نجف کو کافی مواد ایسا مل گیا تھا جو مجید الدولہ کو اُس کے عہدے سے برخاست کر دینے کے لیئے ضروری تھا اور اُس کو علٰحدہ کر دینے کے بعد بقیہ عمر میں میرزا نجف کے عہدے کا کوئی مدعی نہیں نکلا۔ جب ۱۷۸۲ء میں میرزا نجف کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد سے سندھیا کی نظریں ہر وقت دہلی پر لگی رہنے لگیں۔ اواخر ۱۷۸۴ء میں اُس نے ایم ڈی بائن کی خدمات حاصل کرلیں اور دو قواعد داں پلٹنوں کا قائد بنا کر اس کو بہت سی مختلف الاقوام فوج کے ساتھ جو ایک ہندوستانی قائد کی سرکردگی میں
تھی روہیلکھنڈ پر بھیجا۔ لیکن درمیانی وقفے میں وہ شمالی افق پر برابر تشویش کی نظریں جمائے صفحہ ۱۰۰

یہہ غور کرتا رہا کہ کن کن شگونوں سے کیا کیا تعبیریں لینی چاہئیں ؛

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سندھیا کی راہ سے تمام مشکلات کو ہٹا دینے کے لیئے تمام فریق بالاتفاق اُس کی مداخلت کے مستدعی ہو گئے ہیں جن میں سے غدار نااہل افراسیاب خاں خاص طور سے اُس کی امداد کا متمنی ہوا۔ محمد بیگ قاتل مرزا شفیع نے افراسیاب کی خاص ہدایات کے مطابق یہہ خبیث حرکت کی تھی۔ مگر اب وہ اپنی دیدہ دلیریوں میں اس درجہ بڑھتا جا رہا تھا کہ خود افراسیاب کے لیئے وبال جان ہو گیا تھا کیونکہ اُس نے بہ اختیار خود قلعۂ آگرہ پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ جو ہولناک حلقہ اس وقت وزیر اعظم افراسیاب خاں کے گرد بنتا جا رہا تھا اُس کی آخری کڑی کو پورا کرنے کے لیئے اُس نے بادشاہ کے منظور نظر مجید الدولہ کشمیری پر حملہ کیا جو اب کسی قسم کا بھی نقصان پہنچانے کے قابل نہیں رہا تھا اور بادشاہ سے اُس کا پُرانے تعلقات کے اعتبار سے صرف ایک قسم کا خانگی ارتباط رہگیا تھا۔ ناحق جبر کے ساتھ افراسیاب نے اُس بوڑھے دائم المرض ندیم کو گرفتار کر لیا اور اُس کو قید سخت میں رکھا اور اُس کی جائداد وغیرہ سب ضبط کر لی۔ بادشاہ نے اس پر کچھ طیش میں آکر اور کچھ خوف زدہ ہو کر بالکل خلوت نشینی اختیار کر لی اور خود سر وزیر کے ساتھ آگرہ جانے سے انکار کر دیا جہاں محمد بیگ نے قلعے کا قبضہ چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا ؛

الغرض افراسیاب اپنے شاہ شطرنج کی منظوری کے بغیر ہی دہلی سے روانہ ہو گیا اور آگرہ پہنچکر قلعے کی فصیلوں تلے پڑاؤ ڈالا اور سندھیا کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اکتوبر ۱۷۸۴ء میں سندھیا آ پہنچا اور وزیر اعظم سے دوستانہ ملاقات کے بعد اپنا پڑاؤ بھی اُس کے بہت ہی قریب ڈال لیا اور باغی قلعہ بند فوج پر حملہ کرنیکی تدبیروں پر وزیر اعظم کے ساتھ مشورہ کرنے لگا۔ تین دن بعد افراسیاب اپنے خیمے کے اندر زین العابدین برادر مرزا شفیع کے خنجر سے ہلاک کر دیا گیا۔ چونکہ قاتل سزا سے بچگیا اور اُس نے بھاگ کر مرہٹہ لشکر میں پناہ بھی لی اس لیئے یہی قیاس کیا گیا کہ ہر چند قاتل کے پاس کافی وجوہ اشتعال موجود تھے مگر یہہ قتل بغیر سندھیا کے ایما کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ مگر اس رائے کے متعلق تحقیقی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے بلکہ گمان غالب یہہ ہے کہ یہہ شبہ اس قدرتی سوال کا جواب ہو کہ کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں ؛ صفحہ ۱۰۱

کسی بیّن ثبوت کی عدم موجودگی میں ایسے قیاس کی تائید کرنیکے واسطے سوائے اس مشتبہ سوال کے اور کچھ نہیں ہے کہ مشاہیر زمانہ میں سے کسی شخص سے فلاں جرم سرزد ہوا یا نہیں۔ افراسیاب کے قتل میں جو طریقہ برتا گیا اُس کا الزام سندھیا پر اُسی وقت آسکتا تھا جب کہ پورے طور پر یہہ ثابت ہوجاتا کہ ہاں وہ اس سے خبردار تھا۔ لیکن اگر یہہ ثبوت بھی مل جاتا تو بھی یہہ ایک تنہا ہی واقعہ ایسا تھا جسے ایسی شخصیت کے ساتھ منسوب کیا جاتا جو عمر بھر خفیہ خونریزیوں سے مبرا رہی۔ گرانٹ ڈف نے جو رائے ظاہر کی ہے اُس سے صاف نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہی نہیں کہ اس قتل پر شہ دینے کے دھبے سے سندھیا کا دامن پاک ہو بلکہ خود سندھیا کے بہترین معلومات رکھنے والے معاصرین نے بھی سندھیا پر کبھی اُس کا شبہ نہیں کیا اور اصلی قاتل کے پاس اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کی کافی وجہ تحریک موجود تھی۔ یہہ سچ ہے کہ سندھیا نے قاتل کو سزا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی لیکن اُس طوائف الملوکی کے زمانے میں مقتضائے طبیعت یہی ہونا چاہیئے تھا کہ خون کے بدلے خون کو جائز سمجھا جائے۔ ہم کو ہرگز یہہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم ہر مدبّر کو مقتضائے زمانہ کے اثرات سے پاک اور بالکل بے لوث دیکھنا چاہیں
یا یہہ چاہیں کہ اُس کے حرکات و سکنات ایسے اصول کے تابع ہوں جن کو کبھی اُسنے صفحہ ۱۰۲
سُنا بھی نہہ۔ رہا یہہ امر کہ ہر قابل توجیہہ واقعہ پر غور کرتے وقت پوشیدہ معشوق کی تلاش بیشک ایک تاریخی سراغرساں کے لیئے ایک حد تک رہبری کا باعث ہوتی ہے لیکن ہر مورخ بھی اس راہنما کے پیچھے اتنا ہی غلط راستے پر چل سکتا ہے جتنا ہر پولیس کا سراغرساں مشتبہ کھوجوں سے دھوکا کھا سکتا ہے۔*

البتہ یہہ بالکل سچ ہے کہ سندھیا نے افراسیاب کی وفات سے فائدہ اُٹھایا۔ مغل لشکر میں جتنے سردار تھے وہ سب فوراً اُس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُسے اپنا سردار تسلیم کرلیا۔ سندھیا نے اُسی وقت ایک غیر ضابطہ دربار منعقد کر کے اُن سب کے پیمانہائے اطاعت کو قبول کیا اور آگرہ سے ڈیرا اُٹھا کر محمد بیگ کو کچھ دن کے لیئے اور قلعہ پر قابض چھوڑ دیا۔ وہاں سے سیدھا دلی پہنچکر سندھیا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خدمات پیش کیں جس کے جواب میں اُنسے دو قطعۂ فرامین عطا ہوئے۔ ایک فرمان کا منشا یہہ تھا کہ پیشوا کو وکیل سلطنت مقرر فرمایا جاتا ہے اور دوسرا فرمان خاص

سندھیا کو سپہ سالار دہلی اور نائب پیشوا مقرر کرنے کے متعلق تھا۔ سپاہ کی تنخواہ تقسیم ہونیکا اطمینان کرنے کیلئے دہلی اور آگرہ کے صوبہ جات سندھیا کے نام لکھدیئے گئے لیکن یہہ شرط رہی کہ اُن کی آمدنی میں سے چھپن ہزار روپیہ ماہانہ بادشاہ کی ذات اور محل کے اخراجات کے لیئے برابر دیا جایا کرے۔ یہانتک تو یہہ جمی ہوئی بازی سندھیا نے جیت لی تو

معاہدہ سالبائی سے بالکل پہلے اور اس معاہدے کے بعد جو تعلقات وارن ہیسٹنگز اور سندھیا کے درمیان قائم تھے چونکہ اُن کا اثر سندھیا پر اور اُس کی بعد کی زندگی پر بہت کچھ رہا ہے اس لیئے اس باب کے ختم کرنے سے پہلے یہہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر جو پُر مغز رائے ولسن نے ظاہر کی ہے وہ بھی ناظرین کی ضیافت طبع کے لیئے نقل کردی جائے۔ ہسٹری آف برٹش انڈیا مصنفہ جیمز مل مصححہ ولسن۔ جلد پنجم صفحہ ۱۵-وہو ہذا

"یہہ ظاہر ہے کہ سندھیا کی شخصیت نے ہیسٹنگز کے دل میں اُس کی عزت پیدا کردی تھی ہیسٹنگز کی فیاض طبیعت کا خود یہہ تقاضہ تھا کہ اُس بدنصیب بادشاہ کو مصائب سے خلاصی دلانے کی معقول کارروائی کی جائے جو اقلیم ہند میں حقیقی اقتدار کا سرچشمہ تھا اور خصوصاً بنگال میں انگریزی
اقتدار کا بانی مبانی تھا۔ بعد کے زمانے میں ہیسٹنگز نے یہہ تسلیم کیا کہ ایک صفحہ ۱۰۲
زمانہ ایسا تھا کہ اگر اُس کو اختیار دیدیا جاتا تو وہ شاہ عالم کی معقول امداد کرتا مگر اُس کی کونسل نے اُس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے ہیسٹنگز کے ان خیالات کی حقیقت کا پورا ثبوت اُس کے اُس زمانے کے مراسلات سے ملتا ہے۔ بہر حال اس موقعہ کے بعد بادشاہ کی قابل افسوس کمزوری کو دیکھکر اُس نے یہہ محسوس کیا کہ اپنے مالکوں یعنے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایسے شخص کی خاطر کسی مالی بار کے تلے دبانا قابل رضامندی نہیں ہے اس لیئے مقتضائے مصلحت بھی اُس نے یہی سمجھا اور خود بادشاہ کا فائدہ بھی اسی میں اُسے نظر آیا کہ بادشاہ کو سندھیا کی حمایت میں چھوڑ دیا جائے۔
ایوان عام میں جو الزامات وارن ہیسٹنگز پر لگائے گئے تھے اُنکی صفائی کے وقت وارن ہیسٹنگز نے صاف کہدیا تھا کہ میں یہہ جتانا چاہتا ہوں کہ مینے مہاراجہ سندھیا سے کوئی نامہ وپیام شاہ دہلی کو مرہٹوں کے ہاتھ میں

دے ڈالنے کے متعلق نہیں کیا لیکن مجھسے بڑھکر کوئی عقل وخرد سے بیگانہ نہیں ہوسکتا تھا اگر میں مرہٹوں کے ساتھ صرف اس لیئے کمپنی کو جنگ میں الجھا دیتا کہ بادشاہ نے اپنا آخری سہارا سندھیا کو کیوں سمجھا اور اپنے تئیں بالکل اُس کے ہاتھ میں کیوں دیدیا"

ولسن کے اس نوٹ سے اچھی طرح ثابت ہوجاتا ہے کہ وارن ہیسٹنگز یقیناً سندھیا کو بادشاہ کا حامی بننے کا بہترین اہل سمجھتا تھا اور جو نتیجہ اس حمایت کا نکلا اُس نے وارن ہیسٹنگز کے خیال کی تائید کی کیونکہ جب تک شاہ عالم سندھیا کی حمایت پر قانع رہا تب تک اُسے ہر قسم کا امن چین میسر رہا؛

باب پنجم صفحہ ۴۰

سندھیا کا آغازِ حکومت

حقیقت حال یہہ ہے کہ ان واقعات نے مادھوجی سندھیا کی حیثیت میں کامل تبدیلی پیدا کردی اور جو افراد و جماعتیں سندھیا سے متعلق تھیں ان میں اور بھی زیادہ تبدیلی پیدا ہوئی۔ جس وقت کا حال ہم لکھ رہے ہیں اُس سے پہلے وہ تمام ضابطہ کے معاملات کا اتمام دربار پونا کے نام سے کیا کرتا تھا یہاں تک کہ جو کام اپنی رائے اور مرضی کا ہوتا تھا وہ بھی دربار پونا کے نام سے کیا جاتا تھا چنانچہ سرجان مَلکم لکھتا ہے کہ اُس کے خاص چوبداروں کا تقرر بھی ملازمین پیشوا کی حیثیت سے ہوتا تھا۔ اب سندھیا کے اختیارات ہندوستان میں یکجا ہوکر حقیقت اور نام دونوں کے اعتبار سے سلطنت مغلیہ کے اختیارات بن گئے چنانچہ جب کبھی فرامین نافذ کیئے جاتے تھے تو وہ شاہی فرامین کی حیثیت سے نفاذ پذیر بیشک ہوتے تھے مگر پیشوا اور سندھیا کے دستخط وزرا کی حیثیت سے ضرور ہوتے تھے۔ جہاں تک سندھیا کے ذاتی معاملات یا خاص اُس کی ذات سے تعلق رہتا وہاں سندھیا سے زیادہ شاید ہی کوئی شخص مراسم و آداب ضابطہ سے بے پروا ہو کیونکہ وہ حقیقت پسند تھا اور اپنی قوت پر یہہ بھروسہ رکھتا تھا کہ وہ حقیقت کی حفاظت کرنے اور اُس پر عمل کرانے کے لیئے کافی ہے۔ لیکن جب کبھی کمزور طبیعتوں پر رعب جمانے کی ضرورت پڑتی تو جلوس اور دربار کی رسوم میں سندھیا قریب قریب سلاطین مغلیہ کے انداز اختیار کرتا تھا۔ اگرچہ اہل برطانیہ نے یہہ مناسب سمجھ لیا تھا کہ اُسے ایک خود مختار رئیس سمجھیں تو اُسے اُس کی تردید کی صفحہ ۵۰ ضرورت نہیں تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اس قوم کا سیاسی طرز عمل ہی ایسا بھدا اور ناتربیت یافتہ ہے جس پر میں افسوس کرتا ہوں مگر اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں تو وہی غریب پٹیل اور خوش نصیب چاکر ہوں جسے قسّام ازل کی فیاضی نے اپنے آقا کی خدمت بڑے اعلیٰ پیمانہ پر بجالانے کے قابل بنا دیا ہے اور خود میں اور میرا آقا دونوں اپنی اپنی حیثیت سے

ایک شہنشاہ عالی شان کے کارکن ہیں۔ اگر کبھی ہمارے خسرو عالم پناہ کو اپنی رعایا کے کسی افراد کے طرز عمل سے کوئی تشویش لاحق ہو تو ہم سب غمخواروں کو متفق ہو کر اپنی خدمات پیش کرنی چاہئیں تا کہ وجہ تشویش رفع ہو جائے"۔

ان تمام معاملات میں سندھیا کبھی کبھی اپنی حد سے آگے بڑھ جاتا تھا مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ تماشہ گاہ پر جو ایکٹر بھیس بدل کر اور غازہ مل کر آتا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی یا تماشائیوں کی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے۔ سندھیا کا خیال تھا کہ حقیقت کا بے نقاب چہرہ اکثر دلفریب اور نظارہ پرور نہیں ہوتا پھر بھی وہ اپنے ذاتی معاملات میں کبھی حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتا تھا اور یہ صفت سازگاری اُس میں ایسی تھی کہ اُس کی امداد سے وہ اپنے تمام معاصرین کو اپنے قابو میں رکھتا تھا اور اُن میں ملکر بھی کبھی اُن کی سی خود فریبی میں مبتلا نہیں ہوتا تھا اور خودمختاری کے تمام حقوق سے بہرہ مند ہونے پر بھی اُس کے قبائح سے بہت کم متاثر ہوتا تھا۔ لیکن سندھیا کا یہ تمام اظہار انکسار کبھی ہلکر اور نانا فرنویس کی آتش رشک کے بجھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ چنانچہ گرانٹ ڈف لکھتا ہے کہ یہ کامیاب طالع آزما اس زمانے کے علاوہ اور کبھی اپنی حفاظت سے غافل نہیں رہا۔ حقیقۃً اسی زمانے میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش آگیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سندھیا کو اپنے اس غیر مترقبہ عروج پر بہت ہی تعلّی ہو گئی تھی۔ صفحہ ۱۰۶

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بادشاہ جہاں پناہ کی رعایا میں ایک طبقہ ایسا تھا جس کی تکلیف دہ صاف گوئی پر کسی کا جادو نہ چلتا تھا۔ وہ صرف کھرپے کو کھرپا ہی نہیں کہتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ سے کھرپا چلانے والوں سے کچھ اونچے بھی نہ تھے یہ لوگ انگریز تھے جن کا سردار وارن ہیسٹنگز تھا۔ لیکن یہ بڑا مدبر جس کو کوئی دہوکا نہ دے سکتا تھا فروری ۱۷۸۵ء میں ہندوستان سے چلا گیا اور اُس کا عارضی جانشین سر جان میکفرسن محض ایک کاروباری آدمی تھا ۔ یہ موقعہ سندھیا کو ایک نیا تجربہ کرنے کا اچھا نظر آیا۔ وہ یہ جانچنا چاہتا تھا کہ ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم نے جو صوبہ چھوڑا ہے اُس پر انگریزوں نے جو سخت گرفت قائم کر رکھی ہے شاید وہ وارن ہیسٹنگز کی ذاتی حرکت ہو اور ممکن ہے کہ اُس کا جانشین ضابطہ کے لفظی الٹ پھیر میں آکر معاہدے کی زیادہ پابندی

گزرے۔ اس امتحان کی خاطر اُس نے گورنر جنرل تک یہ بات پہنچا دی کہ جس عہد نامہ کی رو سے کمپنی نے مشرقی اضلاع کی دیوانی سلطنت مغلیہ سے حاصل کی ہے اُس کی رو سے جس سالانہ خراج کی ادائگی کا وعدہ کیا گیا ہے اُس کی ادائگی کی تحریک کرنے پر بادشاہ سلامت شور فرما رہے ہیں۔ یہ خراج کچھ زمانے سے ادا نہیں کیا جا رہا ہے اسلیئے شاید بہت جلد اُس کی ضرورت پڑ جائے کہ بقایا کا مطالبہ کر کے آئندہ کی ادائگی کی ضمانت بھی مانگی جائے۔

آئندہ کی کارروائیوں کا اس طرح ایک خاکہ تیار کرنے کے ساتھ ہی سندھیا اُن وسائل کو بہترین مصرف میں لانے سے بھی غافل نہیں رہا جو اُس کے پاس موجود تھے۔ کسی جگہ ایک یورپین افسر کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جس کو دو قواعد داں پلٹنوں کا قائد صفحہ ۱۰۷
بنا کر سندھیا نے بدیلکھنڈ کی کچھ شورشیں فرو کرنے کو بھیجا تھا۔ چونکہ ایم ڈی بائن کا حال آئندہ سندھیا کے بہترین وفادار ترین ملازم کی حیثیت سے بیان کیا جائیگا اس لیئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آقا و ملازم کے تعلقات کی اصلیت کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ تفصیل کے لیئے وہ اصلی ذخیرہ معلومات موجود ہے جو خود سپہ سالار مذکور نے کپتان گرانٹ ڈف کو بہم پہنچایا تھا۔

۱۷۸۳ء میں حسب قرار داد معاہدہ سالبائی سندھیا گوالیار اور گوہد کے بعض اقطاع پر قبضہ کرنے میں مصروف تھا اور ان کارروائیوں کے سلسلے میں قلعہ گوہد کا محاصرہ کیئے ہوئے تھا جو اُس جاٹ سردار کے قبضے میں تھا جس کی نسل اب دھولپور پر حکمراں ہے۔ دوران محاصرہ میں اُسے یہ اطلاعیں پہنچیں کہ اُس کا دشمن محاصرہ اُٹھوا دینے کی تدابیر میں مصروف ہے۔ جن میں اُس کو ایک یورپین سیاح نے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے جو راجائے موصوف کے توپ ڈھالنے کے کارخانے کے مہتمم مسٹر سنگسٹر کا دوست ہے۔ اور اُس سے خط و کتابت رکھتا رہا ہے۔ سندھیا نے ان تدابیر کی عمدگی کو محسوس کیا اور یہ پتہ چلا لیا کہ وہ سیاح جس کے دماغ سے یہ تدابیر نکلی ہیں ایم ڈی بائن ہے۔ اُسنے یہ بھی دریافت کر لیا کہ یہ شخص وارن ہیسٹنگز کے پاس سے کچھ سفارشی چٹھیاں لیکر آیا ہے جن کی مدد سے وہ راجہ جیپور کے ہاں ملازمت حاصل کرنی چاہتا ہے۔ سندھیا نے فوراً وارن ہیسٹنگز سے دوستانہ شکایت کی اور شکایت نامہ کے ساتھ ہی ایم ڈی بائن کا بھی

ایک خط وارن ہیسٹنگز کے پاس پہنچا جس میں ایم ڈی بائن نے راجہ جیپور کی پیش کی ہوئی ملازمت کو منظور کر لینے کی اجازت چاہی تھی۔ سندھیا کے ساتھ پیچیدگیوں سے احتراز کرنے کی خاطر سے گورنر جنرل نے ایم ڈی بائن کو کلکتہ طلب کرنے کا خط لکھا
صفحہ ۱۰۸ تاکہ صورت معاملات پر بالمشافہ گفتگو کی جاسکے۔ اس طلبی کی تعمیل ایم ڈی بائن نے ضروری بھی اور کلکتہ سے واپسی پر بجائے راجہ جے پور کے سندھیا کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل نے اس تجویز کو کہ وہ سندھیا کی ملازمت اختیار کرلے پسند کرلیا تھا۔ چنانچہ ڈی بائن خود اس کے ساتھ ہی لکھنؤ تک آیا۔

اس سودے میں سندھیا کو بہت ہی فائدہ ہوا کیونکہ یہہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہے کہ اکیلا ایم ڈی بائن سندھیا کے پچاس ہزار ملازموں کے برابر تھا۔ سب سے پہلے ایم ڈی بائن شاہ فرانس کے آئرش بریگیڈ میں لارڈ کلیر کی ماتحتی میں رہا اور اسی آئرش فوج میں اُس نے فن حرب کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کیتھرائن ملکہ روس کی فوج میں داخل ہوکر بحیرۂ قلزم کے مشرقی حصے میں ترکوں کے خلاف مصروف پیکار رہا۔ اسی معرکے میں قید ہوکر وہ بحیثیت غلام کے قسطنطنیہ میں فروخت کردیا گیا مگر کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں سے نکل بھاگا اور خشکی کے راستے سے ہندوستان پہنچا اور اپنے ساتھ لارڈ میکارٹنے گورنر مدراس کے نام کی سفارشی چٹھیاں لیکر آیا۔ یہاں اُس کو ۲ مدراس پیدل پلٹن میں افسری مل گئی اور جس وقت کہ یہہ پلٹن بیلی کی ہزیمت کے موقعہ پر تباہ ہوئی ہے اُس وقت خوش قسمتی سے ایم ڈی بائن ایک دستے کے ساتھ علحدہ بھیجدیا گیا تھا اس لیئے وہ اُس اسیری یا ہلاکت سے بچگیا جس سے اُس کے برادر افسروں کو سابقہ پڑا تھا۔ اس کے بعد ہی اُس نے اپنی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرلی اور لارڈ میکارٹنے کی سفارش ساتھ لیکر کلکتہ آگیا۔ اب تک وہ آدھی عمر گزار چکا تھا اور اپنی قابلیت وجوانمردی کے لائق اُسے کوئی مستقل کام نہیں ملا تھا۔ مگر سیلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا پھر بھی اب ایسی جگہ پہنچا ہوا نظر آرہا تھا جہاں ٹھیر کر اُس پر کائی جم جانیوالی تھی۔ ایم ڈی بائن کی اصلی تجویز شمالی ہندوستان میں آنے سے یہہ تھی کہ براہ ایران واپس جائے
صفحہ ۱۰۹ اور اپنی پرانی مالکہ زارینہ کیتھرائن کی خدمت میں وہ تمام معلومات کا ذخیرہ لیکر حاضر ہو جو وہ ہندوستان اور وسط ایشیا کے متعلق جمع کرسکے۔ یہہ تجویز ایسی تھی کہ اگر اس پر عمل ہوجاتا تو

بڑے بڑے اہم نتائج پیدا ہوتے۔ لیکن ہیسٹنگز کی عنایتوں نے اور سندھیا کی مدارات نے پھر ایم ڈی باٹن کو اپنی تجاویز عمل بدل دینے پر راغب کر دیا۔ سندھیا پر ایک تو گورنر جنرل کی سفارش کا اثر پڑا جس نے ایم ڈی بائن کی اطاعت شعاری کا نہایت مسرت و اطمینان کے الفاظ میں تذکرہ کیا تھا۔ دوسرے سندھیا کے دل میں اُس کی عزت اُس فن حرب کی قابلیت کی وجہ سے اور بڑھ گئی جو اُس نے گوہد کا محاصرہ اُٹھانے کی تدبیریں ایجاد کرنے میں ظاہر کی تھی۔ غرض یہہ کہ ایم ڈی بائن ملازم رکھ لیا گیا اور اُس کو یہہ اجازت دیدی گئی کہ اپنے مقابلے کے دوسرے ہمچشم یعنی سنگسٹر کو بھی کھینچ کر سندھیا کی ملازمت میں بلالے۔ نتیجہ یہہ نکلا کہ سینگسٹر کو تو سندھیا نے توپ ڈھالنے کے کارخانے کا مہتمم کر دیا اور ایم ڈی بائن کے سپرد یہہ کام ہوا کہ سومبر اور میڈاک کی پیدل پلٹنوں کے نمونے پر ایک چھوٹی سی نئی فوج بھرتی اور تیار کرے ؛

قریب قریب اسی زمانے میں سندھیا کو محمد بیگ کی مخاصمت سے نجات ملنے کا بھی اطمینان ہو گیا جس کو قلعۂ آگرہ سے بیدخل کرنے کی غرض سے افراسیاب اور سندھیا کی ملاقات آگرہ پر ہوئی تھی۔ افراسیاب اور سندھیا کی ملاقات کا اختتام ایسے ہولناک طریقہ پر ہو جانے کے بعد محمد بیگ کے ہمراہیوں نے آہستہ آہستہ یہہ سمجھنا شروع کیا کہ اب اختیارات قابلتر ہاتھوں میں آگئے ہیں چنانچہ قلعہ بند فوج رفتہ رفتہ گھٹنی شروع ہو گئی یہاں تک کہ محمد بیگ کے لیئے سوائے اس کے چارہ کار ہی نہیں رہا کہ اُس قلعہ کو حوالے کر دے جس کو وہ اب اپنے قبضے رکھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ۲۷ مارچ ۱۷۸۵ء کو قلعہ حوالہ کر دیا اور خود آکر سندھیا کی ملازمت اختیار کر لی۔ میرزا نجف کے کثیر مقبوضات میں سے اب لے دے کر صرف شہر کول معہ قلعہ علیگڑھ کے رہ گیا تھا جہاں افراسیاب کا خاندان اب تک اس امید پر قدم جمائے رہا کہ کچھ معقول شرائط پر معاملہ طے ہو جائیگا۔ صفحہ ۱۱۰
ان امیدوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا نہیں پڑا کیونکہ سندھیا کی بھیجی ہوئی ایک فوج کے حوالے قلعۂ علی گڑھ ہو گیا اور افراسیاب کے لواحقین کے لیئے سندھیا نے معقول جاگیر کاٹ دی ؛

ان تمام سہل الحصول کامیابیوں کے درمیان ایک ثبوت یہہ مل گیا کہ برطانوی حکومت اگر نہایت ہی صلح جوئی پر آمادہ ہو تب بھی روپے کے معاملے میں

کسی قسم کا دباؤ برداشت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ۱۲ رمئی ۱۸۰۶ئ کے کلکتہ گزٹ میں مندرجۂ ذیل واضح اعلان شائع ہوا:۔

> ہم معتبر حوالے سے ناظرین کو آگاہ کرتے ہیں کہ اس ماہ کی ساتویں تاریخ کو گورنر جنرل کو شاہ عالم بادشاہ اور مہاراجہ سندھیا کے پاس سے ضابطہ کی دست برداری بہ اقرار صالح اُن مطالبات کے متعلق وصول ہو چکی ہے جو بنگال کے اگلے زمانے کے خراج کے متعلق کیئے گئے تھے۔ برطانیہ کی طرف سے مسٹر اینڈرسن وکیل دربار سندھیا کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ مہاراجہ سندھیا کو اطلاع دیدے کہ اُس کی مداخلت ایسے مطالبات میں بلا واسطہ مخاصمت سے تعبیر کی جائیگی ...... اور وکیل مذکور .... اُن مطالبات سے دستبرداری کا مطالبہ کرے جو انصاف اور پاس عزت کے خلاف پیش کیئے گئے تھے:۔

صفحہ ۱۱۱

یہہ چند جملے اچھی طرح ظاہر کر سکتے ہیں کہ موجودہ انگریزی کرتب کے پیشرو کس قدر استقلال سے کام کرتے تھے چاہے وہ زمانہ ایسا ہی کیوں نہو کہ اُن کے پاس مبارزین و آلات حرب کی بالکل کمی ہو۔ اور خود جارحانہ کارروائی کرنے سے حکومت انگلستان کے سخت تاکیدی احکام اُن کو مانع رہوں۔ اسی گزٹ سے یہہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر اینڈرسن نے اپنی گورنمنٹ کے منشا کا اندازہ پہلے ہی سے کر لیا تھا چنانچہ ایک موقع پر جو چند الفاظ شکایت آمیز اُس نے کہے وہ اسی نمشاءِ گورنمنٹ کی بنیاد پر کہے تھے۔ اس شکایت کی ضرورت یوں لاحق ہوئی تھی کہ ایک شاہی دربار میں جو میجر براون سفیر اور شاہ کی رخصت پر دہلی میں منعقد ہوا تھا کوئی خاص بات کہی گئی جو سندھیا نے خود تو نہیں کہی تھی لیکن اُس کے اشارہ اور منظوری سے کہی گئی تھی لیکن اُس کو سندھیا کی صلح جوئی اور معاملہ فہمی سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے فوراً اس معاملے میں عذر کر لیا اور وہ عذرات ایسے تھے جو بقول کلکتہ گزٹ کے برطانیہ کا اتحاد مرہٹوں کے ساتھ استوار کرنے والے اور ہندوستان کے امن عامہ کو مدد پہنچانے والے تھے:۔

ہندوستانیوں میں سندھیا کو پٹیل ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہہ پٹیل اب شمالی ہندوستان میں مختار کل بنا ہوا تھا۔ آپس میں نفاق رکھنے والے سب مغل سردار اس وقت گردنیں جھکائے ہوئے تھے اور شاہ جہاں کے لال قلعے میں

بادشاہ سلامت کی حفاظت کے لیئے سندھیا کی طرف سے ایک مقامی فوج تعین کر دی
گئی تھی مگر جہاں پناہ نے آگرہ کے متعلق فوجی کارروائیوں کے سلسلے میں خود بھی میدان جنگ
کی سرپرستی فرمائی تھی اس کے بعد جہاں پناہ مراجعت فرمائے دارالحکومت ہو گئے تھے اور
پٹیل وزیر متھرا چلا گیا تھا کیونکہ ہندوؤں کے اس مقدس مقام کو اُس نے اپنا خاص مستقر
بنا لیا تھا؛

جو واقعات کہ اس وقت پٹیل کے عروج مناصب اور اُس کے نئے مقبوضات
کے امن کے مددگار تھے اُن میں سے ایک واقعہ تکوجی ہلکر کا بھی راہ راست پر رہنا تھا
ملہار راؤ ہلکر کی وفات یعنی ۱۷۶۶ء کے بعد سے جو واقعات پیش آتے رہے تھے صفحہ ۱۱۲
اُن سب کے دوران میں تکوجی کی فوجیں اعدادی و اخلاقی حیثیت سے سندھیا سے
اس درجہ کم تھیں کہ انھوں نے اپنی کمتری کو قبول کر لیا تھا اور فوجی اور سیاسی لحاظ سے
مالوہ اور شمالی ہند میں سندھیا سے دوسرے درجے پر رہنے پر قانع ہو گئی تھیں ان دونوں
میں کوئی مخاصمت نہیں تھی۔ لیکن یہ فقدان مخاصمت حقیقۃً اس لیئے تھا کہ ہلکر کی سپاہ
نہ صرف دوسرے درجے پر تھی بلکہ تکوجی ہلکر خود بھی اپنے انکسار کو محسوس کرتا تھا۔ تکوجی ہلکر
بذات خود بہادر اور قابل اعتبار کارکن تھا اور اُن اچھے لوگوں میں سے تھا جن کی خوبی یہ
ہوتی ہے کہ اکثر ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں جن سے صرف اُن کے
ذاتی نام و نمود کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہو۔ جس وقت کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں
اس وقت تکوجی ہلکر اہلیہ بائی کے ملازم کی حیثیت رکھتا تھا اور ٹیپو سلطان
خلف حیدر علی کے خلاف جنگی کارروائیاں کرنے میں پونا دربار کے سپہ سالار کی حیثیت سے
مصروف تھا۔ ان محاربات کے اختتام کے بعد اُس نے پھر اپنی اطاعت شعارانہ روش
کے مطابق اپنے آقازادے کی بیوہ کی خدمت میں حاضر رہنا شروع کر دیا۔ مگر یہاں اس
دفعہ اُس کا قیام مختصر ہوا کیونکہ پھر پونا دربار سے اُس کی طلبی بندیلکھنڈ کا بندوبست کرنے
کے لیئے ہوئی۔ یہ صوبہ عرصے سے نہایت بدامنی کی حالت میں تھا اور پیشوا نے آخر کار
یہ طے کر لیا تھا کہ اس کو بھی کسی جاگیردار کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ گجرات اور مالوہ میں
اس تجربے میں معقول کامیابی ہو چکی تھی۔ جو سردار اس جاگیر کے عطا ہونے کے لیئے
تجویز کیا گیا تھا وہ ایک مسلمان مسمی علی بہادر خاں تھا جو متوفی پیشوا کا بیٹا ایک مسلمان

خواصی کے بطن سے تھا۔ علی بہادر خاں پہلے سندھیا کی فوج میں افسر تھا لیکن بعد کو وہاں
سے بھاگ کر چلا گیا تھا۔ اس وقت پر سندھیا نے حسب معمول اپنی معاملہ فہمی و رواداری
سے کام لیکر علی بہادر خاں کے بندیلکھنڈ میں رئیس بنائے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا
اس جگہ علی بہادر خاں نوابان باندہ کے خاندان حکومت کا مورث اعلیٰ بن گیا۔ یہ وہی صفحہ ۱۱۳
نوابان باندہ ہیں جن کے ایک فرد کو لارڈ ہسٹنگز نے برطانیہ کی مخالفت کی وجہ سے
معزول کر دیا تھا اور جن کا آخری حکمران ۱۸۵۷ء کے غدر میں ناقابل اطمینان رویہ اختیار
کرنے کی پاداش میں معزول کیا گیا تھا۔

اس خدمت اور اسی قبیل کی دیگر خدمات کے صلہ میں ہلکر کو بھی اس تجارتی
سلطنت کے منافع سے جو مرہٹہ پیشوا نے قائم کی تھی کچھ حصہ دیا گیا اور جو دعاوی اس حصے
کے متعلق ہلکر کو پیدا ہو گئے تھے انہی نے وہ بیج بو دیا جو بعد کو غلط فہمی۔ جنگبازی اور
آخر کار تباہی کا پھل لا کر رہا۔ پھر بھی یہ امر ضرور قابل غور ہے کہ اس زمانے کے تمام
سرداروں میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کی قوت ایسی مستحکم ہو جیسی حکمرانان گوالیار و اندور
کی تھی۔

سندھیا کو سب سے پہلے یہ فکر تھی کہ اپنی جنوبی مالوہ کی جاگیروں سے سیدھا
راستہ گوالیار ہوتا ہوا دہلی تک نکالے۔ اس راستے میں ایک پہاڑی قلعہ راگھوگڑھ پڑتا
تھا جو اس وقت بھی اس زمانے کی طرح چوہان راجپوتوں کے کیچی قبیلے کے قبضے میں تھا۔
سندھیا نے ۱۷۸۰ء میں اس قلعے کے سردار راجہ بلونت سنگھ سے مخاصمت شروع کر دی
تھی اور اب اس نے اس قلعے کا محاصرہ کرنے کے لیئے ایک دستہ محمد بیگ کی سرکردگی
میں بھیجدیا جس کو وہ کسی کام پر لگا دینا چاہتا تھا۔

کچھ مختصر سا حال چوہان راجپوتوں کے کیچی قبیلے کا اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا
ہے کیونکہ اس سے ہندوؤں کے ایک نہایت شریف خاندان کے ساتھ اُن مرہٹوں
کے تعلقات و ارتباط کا حال معلوم ہو جائیگا جو خود بھی اگرچہ خاص امتیاز حاصل کر لینےوالے
ہندو تھے مگر اُن میں دیگر ہنود کی طرح اہل خاندان ہونے کی کوئی امتیازی شیونات و
علامات ایسی نہ تھیں جن سے اُن کے طبقے کو دوسرے عالی خاندان ہندوؤں کے
مقابلے میں تمیز کیا جا سکے۔ راگھوگڑھ کا کیچی قبیلہ بھی چوہان راجپوتوں کا ایک شعبہ تھا صفحہ ۱۱۴

جس طرح کہ اودےپور کا حکمران خاندان سیسودیا تھا۔ اور یہہ دونوں قبیلے اپنی قوم کے سردار بننے میں اور اپنی نسلوں کو ذرہ بھر نہ بگڑنے دینے میں ایک دوسرے پر ترجیح سے سبقت لیجانے اور فوقیت رکھنے کے مدعی تھے۔ راگھوگڑھ اور اودےپور کے دونوں قبیلوں کو اُس پر ناز تھا کہ انھوں نے راجگان جیپور و جودھپور کی کبھی اس امر خاص میں تقلید نہیں کی کہ مغل شہزادوں کو اپنی بیٹیاں دی ہوں بلکہ اس معاملے میں انھوں نے سلطنت مغلیہ کی طرف سے ہر قسم کی سختیاں اور اذیتیں برداشت کیں مگر اس ننگ کو ہرگز گوارا نہیں کیا۔ ان دونوں میں اودےپور زیادہ طاقتور اور عموماً ہر معاملے میں پیش پیش رہتا تھا مگر راجہ بلونت سنگھ کے بیٹے اور جانشین نے بھی بعد کے زمانے میں جو ایک مراسلہ برطانوی حکام کو سندھیا کے خلاف اتحاد کرنے کی تجویز کے متعلق لکھا تھا اس میں اُس نے اپنے تئیں سب راجپوتوں کا اصلی سردار اور موروثی ہندوپت یعنے ہنود کا راجہ ظاہر کیا تھا۔ یہہ دعوےٰ غالباً راجپوت بھاٹوں کے اس عقیدے پر مبنی تھا کہ راگھوگڑھ کے کھیچی راجپوت اپنا سلسلہ نسب پرتھی راج عرف رائے پتھورا سے ملاتے ہیں جس کے کارنامے شاعر چند کی شہرۂ آفاق نظم کا موضوع ہیں اور جس کے استحکامات اب بھی پرانی دہلی میں قطب مینار کے قریب نظر آتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں جبکہ مرہٹے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کیئے ہوئے تھے اس خاندان کا مغرور سردار کم سے کم تیرہ راجپوت سرداروں کے مجموعی حملوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس تمام گروہ پر وہ غالب آگیا اور اس واقعہ سے صفحہ ۱۱۸
پیشوا بالاجی باجی راؤ کے دل میں اُس کی وقعت و عظمت ایسی بیٹھ گئی کہ مرہٹوں کی خیر داری کرنے کے لیئے اُس کا اتحاد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ چونکہ راجہ راگھوگڑھ کے پاس اپنے راجپوت ہمسایوں کے ساتھ تعلقات ارتباط قائم رکھنے کے بہت کم وجوہ باقی رہ گئے تھے اس لیئے اُس نے مرہٹوں کے اس تحفۂ مودت کو قبول کرلیا اور ہلکر اور سندھیا خاندانوں کا ہمدم و ہمقدم ہر معاملے میں اُس زمانے میں بنا رہا جبکہ یہہ دونوں قبیلے مالوہ میں آکر بسے تھے۔ اس راجہ کا ۱۷۷۰ء میں انتقال ہوا اور یہہ اپنے بیٹے اور جانشین بلونت سنگھ کو نہایت مرفہ الحال اور زبردست چھوڑ کر مرا۔

یہی وہ بلونت سنگھ تھا جس کے خلاف اُس زمانے میں سندھیا محمد بیگ اور اُس کی بیقاعدہ فوج سے کام لے رہا تھا۔ [illegible]

راجہ بلونت سنگھ پر بھی قبضہ پالیا تھا مگر اُس راجہ کے ایک وفادار باجگذار سردار
شیر سنگھ نے ایک خاص تدبیر سے اپنے آقا کو رہا کرا لیا۔ اس کی تفصیل یہہ ہے کہ بغیر اعلان جنگ
کیئے ہوئے اور بغیر ایک سپاہی بھی سندھیا کے علاقے میں اُتارے ہوئے شیر سنگھ نے
سندھیا کو راگھوگڑھ سے چھینے ہوئے مقبوضات کے تمام فوائد سے ایک دم میں محروم
کر دیا۔ کیونکہ اُس نے کچی واڑہ یعنے ریاست راگھوگڑھ کے تمام کاشتکاروں کے پاس
احکام بھیجدیئے کہ اپنی کھیتیاں بن جتی چھوڑکر سب کے سب بھوپال کے متصلہ علاقے
میں جا بسیں جہاں اُس نے اُن کی حفاظت اور اُن کے لیئے ضروری سامان کا انتظام
بھوپال کے وزیر اعظم کے ذریعے سے طے کر لیا تھا۔ یہہ وزیر ایک مسلمان تھا جس کا
نام چیتا خاں تھا اور یہہ امر ضرور قابل لحاظ ہے کہ اس مسلمان نے کچی راجپوتوں کی
طرفداری ایسے دشمن کے مقابلے میں کی جس کے یہہ جنگی کارروائی کرنے کے اختیارات
شاہ اسلام کی طرف سے عطا شدہ سمجھے جاتے تھے اور ساتھ ہی اُس کے سندھیا نے
بھی وزیر کی اس حرکت سے بلا کسی سزا دہی کے ارادے کے درگزر کر لیا۔ لیکن سندھیا کی
اس نیک مزاجی اور درگزر کا اول اول کچھ اچھا بدلہ اُس کو نہیں ملا۔ شیر سنگھ نے اگرچہ بظاہر تو
سندھیا سے جنگ شروع نہ کی لیکن بیدریغ ظلم و ستم اُن مرہٹہ برہمنوں پر توڑنے شروع کیئے
جو اُن کے ہاتھ پڑ گئے کیونکہ وہ یہہ کہتا تھا کہ انھی لوگوں کے مشورے سے سندھیا حملے پر صفحہ ۱۱۶
آمادہ ہوا تھا اس لیئے میں اُنھیں اچھی طرح سے یہہ سبق پڑھاؤنگا کہ کسی راجپوت ریاست پر
ہاتھ ڈالنا کیسا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی ایک ایسا خوشگوار واقعہ پیش آگیا جس سے
ایک طرف تو چوہانوں کی عالی حوصلگی و جوانمردی کا پورا ثبوت ملتا ہے دوسری طرف
مادھوجی کی مردانگی پسند مگر سخت طبیعت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہوا کہ سندھیا کی
بیوی معہ دیگر مرہٹہ سرداروں کے اہل و عیال کے پونا سے متھرا آرہی تھی اور اُس کے
متعلق بڑی تشویش پیدا ہوئی کہ اگر شیر سنگھ اس جماعت کو گھیر کر راستے میں گرفتار کرلے تو کیا ہوگا
اس لیئے سندھیا نے چیتا خاں دیوان بھوپال کو لکھا اور چیتا خان کی سفارش پر شیر سنگھ نے
ان مسافروں کو کچی واڑے سے بڑے احترام و آرام کے ساتھ گزرجانے دیا اور سندھیا نے
اس انسانیت پر ایک نہایت معقول تحریر کے ذریعے سے اظہار ممنونیت کیا۔ اس کے
کچھ عرصہ بعد راجگان کھیچی و جودھپور سے سندھیا کا صلحنامہ طے ہو گیا اور ان راجاؤں کی

سفارش پر بلونت سنگھ کی بھی رہائی کا حکم دیدیا گیا۔ لیکن سندھیا کے سپہ سالار مالوہ مسمی آنباجی انگلیا نے بلونت سنگھ کے زرفدیہ کے متعلق زبردستی کا ایک جھگڑا نکال کھڑا کیا اور قلعہ راگھوگڑھ کی واگزاشت سے انکار کر دیا۔ چنانچہ بلونت سنگھ زور و زر سے محروم ہوکر جھیپور آبیٹھا اور وہیں مرگیا اُس کے بعد اُس کا بیٹا جے سنگھ جانشین ہوا جو بڑا من چلا اگرچہ نوجوان تھا؛

کھچی واڑہ کی بقیہ داستان سے سندھیا کی زندگی کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہ حیثیت سندھیا کے قائم مقام کے اُس کے سپہ سالار آنباجی انگلیا نے راگھوگڑھ کے معاملے میں جو جھگڑا نکالا تھا اس سے اُس کو باز رکھنے کی جرأت سندھیا نے نہیں کی۔ نہ ہم کو اس موقعہ پر اس بحث کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ آنباجی کا یہ فعل کہاں تک جائز یا ناجائز تھا۔ بہر حال اس حرکت نے جے سنگھ کو بہت برافروختہ کیا جو اپنے باپ سے زیادہ جوش و خروش رکھتا تھا لیکن وہ اپنے اس جوش کو بعض اوقات ایسی بے رحمی کے طریقے سے ظاہر کرتا تھا کہ اُس پر فتور عقل کا گمان ہونے لگتا تھا۔ اس مخاصمت میں جے سنگھ کو درجن لال نے دل و جان سے امداد دی جو کہ سندھیا کے دربار میں راجہ بلونت سنگھ کا وکیل تھا۔ اور ان مخاصمتوں کا سلسلہ سندھیا کی وفات کے عرصہ بعد تک جاری رہا؛ صفحہ ۱۱۸

جس زمانے میں کہ محمد بیگ کی سرکردگی میں راگھوگڑھ پر مہم بھیجی گئی ہے اُسی زمانے میں اپنے اقتدار کو زیادہ مستحکم کرنیکے لیئے سندھیا نے مرزا جواں بخت ولیعہد سلطنت کو لکھنؤ سے واپسی دہلی کی دعوت دی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں عارضی حکومت قائم کرتے وقت اس سمجھدار اور نیک طینت شہزادے کو صدر حکومت بنا دیا تھا۔ اس زمانے کے بعد سے اس شہزادے کو بہت سی گردشیں دیکھنی پڑیں۔ اور افراسیاب کے عہد وزارت میں وہ کسی طرح اپنی جان لیکر محل شاہی سے نکل گیا اور اختتام ماہ اپریل ۱۷۸۴ء میں کسی نہ کسی طرح لکھنؤ پہنچا۔ یہاں اُس نے وارن ہیسٹنگز کے ساتھ ملاقات کی جس کو اس لائق شہزادے کی مصیبتوں کے ساتھ بڑی ہمدردی پیدا ہوئی اور اس کا چار لاکھ سالانہ وظیفہ مقرر کرکے بڑے زور کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ اپنے تئیں سندھیا کی حمایت میں دیدے؛

لیکن ۱۷۸۵ء میں وارن ہیسٹنگز ہندوستان سے چلا گیا تھا اور اُس کی جگہ لارڈ کارنوالس نے بنگال کا انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور یہہ اختیارات اُس کو حاصل ہوگئے تھے کہ اگر اُس کی کونسل کسی اہم معاملے میں اُس کی مخالفت بھی کرے تو بھی وہ اپنی ذمہ داری پر اُن کی تجویز کو منسوخ کرکے اپنی رائے اُن کو منوا دے اور یہہ ہدایات بھی اُسے مل چکی تھیں کہ خواہ کچھہ ہی صرف ہوجائے مگر صلح جوئی کا پابند رہے اس صلح جوئی کے اصول کے طریقے برتنے کے معاملے میں بعض کارکنان حکومت میں علانیہ اختلاف آرا ہو رہا تھا جس کا نتیجہ یہہ نکلا کہ شہزادہ جواں بخت کو بلا وجہ سندھیا کی نسبت کچھہ بدظنی ہوگئی اس لیئے اُس نے اُس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور جو آوازیں کہ انگریزوں کو دہلی بلا رہی تھیں وہ بھی یا تو سُنی نہ گئیں یا اَن سُنی کر دی گئیں شاید یہہ وجہ ہوئی ہو کہ حیدر علی اور اُس کے بیٹے کی حال ہی کی کامیابیوں نے اور دور دراز فاصلے پر فوجوں کے بھیجنے میں جو کثیر اخراجات ہوتے تھے اور راستے میں دشمن فوجوں سے مڈبھیڑ ہوجانے کے جو خطرات تھے اُن سب نے کارنوالس کو ڈرا دیا تھا جو کہ فن حرب کے فلسفیانہ اصول برتنے کا عادی تھا اور حرب و پیکار میں بہت کم پرچم اقبال اُس کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ میجر پامر رزیڈنٹ لکھنؤ نے اس معاملے میں زیادہ آزاد خیالی سے کام لیا تھا۔ وہ ۱۷۸۵ء میں لکھ چکا تھا کہ شاہ عالم ضعیف اور ضعف ختم ہوتا جا رہا ہے اور کمپنی کے اغراض اب ولیعہد کے اغراض کے ساتھ وابستہ ہیں جب تک ولیعہد برطانیہ کے زیر اثر رہیگا اُس وقت تک سندھیا کا قبضۂ حکومت ناکمل رہیگا اور جب تک یہہ ناکمل رہیگا تب تک ایک خطرۂ عظیم سر سے ٹلا رہیگا۔ مگر ۱۷۸۶ء میں لارڈ کارنوالس نے انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اور اودھ کی اصلاحات پر کچھہ عرصہ زور دینے کے بعد اس گورنر جنرل کی تمامتر توجہ صرف دکن پر وقف ہوکر رہ گئی۔ بظاہر لارڈ کارنوالس نے یہی سمجھ لیا تھا کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے بھڑ کے چھتے کا نہ چھیڑنا ہی اچھا ہے۔ چنانچہ ۸ مارچ ۱۷۸۷ء کے کلکتہ گزٹ نے لکھا تھا کہ بعض اصحاب کی رائے یہہ ہے کہ ہندو قوت کا مقابلہ کرنے کے لیئے مغلیہ قوت کو زور پہنچایا جائے۔ لیکن یہہ غلط اصول محض ہے کیونکہ اس سے بلا وجہ ہم بار خاطر ہوجائینگے اور گویا اپنی جان کو ایک زوال پذیر سلطنت کے

صفحہ ۱۱۹

الجھے ہوئے اغراض کے ساتھ الجھا دینگے۔ صفحہ ۱۱۹

غرض یہ کہ وہ بعد تو لکھنؤ ہی میں رہا اور مانگو نیا صاحب پر قانع رہے کہ بنگال وغیرہ کا خراج دینے سے بچے رہیں اور صوبہ جات مفتوحہ کو اپنے یا نواب اودھ کے قبضے میں رہنے دیا جائے۔ اس حالت میں شاہ عالم کو اپنے نو حاصل شدہ علاقوں کی آمدنی بڑھانے کیلئے خوب ہاتھ پاؤں مارنے کا موقع مل گیا چنانچہ اُس نے یہ کارروائی کی کہ اُن خدمات کی بحالی شروع کرائی جنکی رو سے کثرت سے کاروبار مالگذاری وہ لوگ منضم کرتے چلے جا رہے تھے جو گزشتہ طوائف الملوکی کے دور میں خود ہی جاگیردار بن بیٹھے تھے۔ معافی کی جاگیرات کا جو طریقہ ہندوستان میں رائج ہے وہ اتنا طول طویل ہے کہ اس چھوٹی سی کتاب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہاں صرف یورپ اور ایشیا کے طریقوں کا فرق بیان کردینا کافی ہوگا۔ یورپ میں دسویں صدی عیسوی کے دوران میں اراضی کی تقسیم فوجی سرداروں کے درمیان عمل میں آگئی جس کو فیوڈل سسٹم کہا جاتا ہے اور اس طریقے کے رواج پانے سے پہلے کا وہ طریقہ منسوخ ہوگیا جسے الوڈیل سسٹم کہتے تھے (اور جس کی رو سے خود کاشتکار زمین کے آزاد مالک سمجھے جاتے تھے۔ مترجم) فیوڈل سسٹم کے قائم ہونے سے بڑی بڑی جاگیریں معرض وجود میں آگئیں جو بعض قیود یا شرائط کے تحت میں باپ کے ورثہ سے بڑے بیٹے کو مل جایا کرتی تھیں اور اس طرح جاگیرداری کے اُس قانون کی بنیاد پڑ گئی جو اب تک یورپ میں رائج ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں اور بہت سے دوسرے ممالک مشرق میں اراضی کاشت پورے گاؤں کے نام سے یا پنچایت کے مکھیا کی طرف سے کی جاتی ہے جس کی شرط یہ ہے کہ فاضل پیداوار سرکاری خزانہ میں داخل کردی جایا کرے۔ وصول تحصیل کا کام مختلف طریقوں پر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہر موضع کی تحصیل بہت تھوڑی سی ہوتی تھی اسلئے سرکار کے لئے آسانی اس میں ہوتی تھی کہ چند مواضعات کو ایک علاقے میں جمع کردیا جاتا تھا۔ اور اس علاقے کا انصرام یا تو کسی زمیندار کے حوالے کردیا جاتا تھا جو بولی بول کر اس تمام علاقے کو اجارے پر لیتا تھا اور مستاجر کہلاتا تھا یا کسی ٹھیکیدار کے حوالے کردیا جاتا تھا جس کو کل پیداوار کا ایک معینہ حصہ سرکار میں داخل کرنا ہوتا تھا۔ صفحہ ۱۲۰ یہ ادائگی غلہ یا زر نقد یا فوجی خدمت کی صورت میں حسب قرارداد ہوتی رہتی تھی۔ اس حد تک دونوں قسموں کے طریقوں میں کچھ بہت زیادہ

فرق نہیں نظر آتا سوائے اس کے کہ ہندوستان میں اہلِ مواضع اپنی ہستی کے اور اپنے قدیمی حقوق کے قائم رکھنے میں اس درجہ غلو سے کام لیتے ہیں کہ کبھی کسی مستاجر یا ٹھکانیدار کو یہہ جرأت نہیں ہوتی کہ اپنے کاشتکاروں کو محض اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے رکھے جب چاہے نکال باہر کرے۔ لیکن یہہ بھی کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ اگر مستاجریاں یا ٹھکانے بھی موروثی ہونے لگتے تو کاشتکاروں کے حقوقِ قابضانہ بلکہ خود مواضعات ہی آخر میں فنا ہوجاتے جیسا کہ بندوبست استمراری کے بعد بنگال میں ہوگیا جہاں کہ خود مستاجر ہی قابضِ اراضی ہوگئے۔ حسنِ اتفاق سے کسی مستاجری کے معنے یہہ ہیں کہ وہ موروثی نہو کیونکہ اُس کی اصلیت ہی یہہ ہے کہ ایک میعاد معین کے لیئے اجارہ بذریعۂ نیلام کے فروخت کردیا جائے۔ رہے ٹھکانے اُن میں البتہ اکثر ایسا ہوسکتا ہے کہ ٹھکانیدار کے مرجانے پر اُس کا وارث اُن کو دبا بیٹھتا ہے۔ یا اگر کبھی حکومت بہت کمزور نہوئی تو اس وارث سے ایک رقم بطور[ل] جرمانہ کے وصول کر کے ٹھکانہ اُسی کے قبضے میں رہنے دیا جاتا ہے اور اُس سے اُسے بیدخل نہیں کیا جاتا۔ لیکن عام طبقات رعایا کی خوش قسمتی سے یہہ طریقہ اصول حکمرانی کے لیئے بھی اور عام رعایا کے مفاد کے لیئے بھی مضر سمجھا جاتا رہا ہے۔ اسلامی سیاست معناً اس کی مخالف ہے کہ جاگیرات بطور وراثت کے ملا کریں جس سے کوئی جاگیرداروں یا خاندانیوں کا علیحدہ طبقہ پیدا ہوجائے۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کے عروج کے زمانے میں کسی ٹھکانیدار کی جاگیر کو اُس کی تنخواہ یا وظیفہ کا بدل سمجھا جاتا تھا جو محض حین حیات تک جاری رہتی تھی اور اُسکی موت پر فوراً ضبط کرلی جاتی تھی؛

یہہ تھا وہ شہرۂ آفاق طریقۂ جاگیرداری جس کا تاریخ ہند میں اس کثرت سے تذکرہ آتا ہے۔ اور اس قسم کی جاگیروں کی پڑتال کرنے کا اب سندھیا نے حکم دیا تھا۔

[ل] مثلاً ریاست جے پور میں جب ٹھکانیدار مرجاتا ہے تو کبھی اُس کے صلبی یا متبنیٰ وارث کو ٹھکانے سے بیدخل نہیں کیا جاتا بلکہ اُس سے ایک رقم وصول کرلی جاتی ہے جسے یہاں کی اصطلاح میں ماتمی کہتے ہیں۔ مزا یہہ ہے کہ اس رسم کو بھی ماتمی کہتے ہیں جس کے ذریعے سے گویا ریاست اُس وارث کا حق اُس ٹھکانے پر تسلیم کرلیتی ہے۔ مگر جے پور میں تو اکثر ملازمتیں بھی ورثے میں مل جاتی ہیں۔ ۱۲۔ مترجم

اُس کو یہہ امید تھی کہ جہاں کہیں سند مشکوک یا ناجائز ہوگی اور معطلی بھی اس قدر کمزور ہوگا کہ سلطنت کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہوگا وہاں تمام آمدنی ضبط کر کے سلطنت کے کام میں لائی جائیگی۔ یہہ کارروائی بالکل ضابطہ کے موافق تھی۔ اس کے لیئے کسی سیاسی توجیہہ کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر یہہ پوچھا جائے کہ یہہ موقعہ اور مصلحت کے مطابق بھی تھی یا نہیں تو اس کا جواب صرف یہہ ملیگا کہ متواتر کامیابیوں سے سندھیا کا دماغ چل گیا تھا۔ سندھیا کی اصل غرض یہہ تھی کہ جاگیرداروں کے ٹھکانے کے سواروں کے بدلے کمپنی کی سپاہ کی طرح ایک باقاعدہ فوج مرتب کرلی جائے اور جاگیرات کی ضبطی کے یہی معنے تھے کہ غاصب جاگیرداروں کے ٹھکانوں کی فرضی یا اصلی مگر کمزور جمعیتوں کے عوض ایک تنخواہ دار قواعدداں مقامی سپاہ تیار کرلی جائے۔ لیکن پٹیل کو ان جاگیرداروں کی مخاصمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اُس طبقے کا بھلا اسی میں تھا کہ اس تغیر کی مخالفت کریں۔ چنانچہ جاگیرداروں نے مقاومت کی تیاریاں شروع کردیں اور محمد بیگ نے اُنکی پشت گیری کی کیونکہ وہ بھی اسی طبقے کا ایک سربرآوردہ رکن تھا۔ اور اس وقت راگھوگڑھ کے قلعے کے تسخیر کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر بجائے واپس حاضر ہونے کے وہیں کے علاقے میں ٹھہرا ہوا تھا؛

باقاعدہ فوج بھی اس اثنا میں ترتیب پاتی رہی۔ علاوہ ایم ڈی بائن کے دوسرے تجربہ کار افسر بھی سندھیا کے دل میں جگہ پاتے جارہے تھے جن میں بہترین انباجی انگلیا مرہٹہ اور رانا خاں بھشتی سندھیا کے جان نثار یہہ دونوں تھے۔ ان فوجوں اور افسروں کے بھروسے پر سندھیا نے محمد بیگ کو کچی واڑہ کے نئے مقبوضے سے طلب کیا اور اُس کو ٹھکانے کے سواروں کی برخاستگی کا حکم دیا۔ محمد بیگ اس حکم کی تعمیل کو ٹال گیا۔ بہت بہادر بندیلکھنڈ کے ایک جاگیردار نے حساب دینے سے انکار کردیا اور بغاوت کردی۔ راجپوت سردار تخلیۂ راگھوگڑھ سے جرأت پاکر باغیوں کے اتحاد میں شریک ہوگئے اور تمام وسط ہند میں آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آنے لگے۔ وصول تحصیل کی کارروائی اکثر جگہ بند ہوگئی اور سندھیا کا ارتباط مالوہ اور دکن کے ساتھ قطع ہوگیا۔ جیپور کے راجہ پرتاب سنگھ نے جودھپور کے مہاراجہ بجے سنگھ سے امداد طلب کی جو بڑی آمادگی کے ساتھ دی گئی۔ اور اس اتحاد میں ملنائے اودیپور

صفحہ ۱۲۲

اور دوسرے چھوٹ بھیے[1] بھی تھوڑے عرصے میں شریک ہو گئے۔ بالکل اچانک اور بغیر اپنی فوج کی ترتیب کو مکمل کئے ہوئے سندھیا نے اپنے اقتدار حکومت کے مقابلے کے لیئے ایک لاکھ سوار و پیدل کی جرار سپاہ کو تیار پایا جن کے ساتھ چار سو ضرب توپیں بھی تھیں۔ اس سپاہ کے مقابلے میں سندھیا کو آنباجی انگلیا اور رانا خاں کی باقاعدہ فوجیں ایم ڈی بائن کا چھوٹا سا نیا دستہ اور سلطنت مغلیہ کے رسالے اور قواعد داں پلٹنیں جن کی قیادت محمد بیگ جیسے مشتبہ قائد کے سپرد تھی لانی پڑیں۔ محمد بیگ کا مددگار اُسی کا بھتیجا اسمٰعیل بیگ تھا جو تارکان وطن مغل سرداروں کا آخری فرد تھا۔ یہہ شخص میدانِ کارزار میں کبھی ہمت نہیں ہارتا تھا اور گرانبار رسالوں کی قیادت بڑی شان سے کرتا تھا مگر اصول جنگ اور موقعہ شناسی سے بالکل نابلد تھا؛

یہہ مواد سندھیا کے خلاف اُس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا جو غلطی وہ مصلحت وقت
کے سمجھنے میں اپنی کامیابی کے وقت اکثر کر بیٹھتا تھا اور جس سے ناکامی کے وقت محترز صفحہ ۱۲۳
رہتا تھا۔ اس کی تفصیل یہہ ہے کہ اُس نے اپنے ہم قبیلہ ایک سردار رایاجی سندھیا کو مطالبۂ خراج کے لیئے جے پور کی دیواروں تلے بھیجا۔ اور جس وقت کہ راجہ نے متذکرہ صدر اتحاد کے بل پر اداگی سے انکار کر دیا تو دنیا نے یہہ دیکھ لیا کہ رایاجی میں اتنا بوتا نہیں تھا کہ زبردستی وصول کر لیتا۔ دہلی کے مسلمان درباریوں نے اپنے کافر سردار کی اس ناکامی پر خوشیاں ظاہر کیں۔ یہاں تک کہ کمزور بوڑھے بادشاہ نے بھی آثار مخاصمت ظاہر کرنے شروع کر دیئے بلکہ اُس نے اپنے حمایتی کی خود سرانہ روش کی علانیہ شکایت شروع کر دی اور اُس پر یہہ الزام لگایا کہ اُس کا برتاؤ خلاف ادب ہوتا ہے اور اخراجات شاہی کے لیئے وہ رقم بھی کافی نہیں دیتا ہے۔ جس وقت کہ سندھیا ہر طرف مصیبت ہی مصیبت دیکھ رہا تھا اور اپنے تمام وسائل کو کامیاب فوجکشی کے قابل نہیں پاتا تھا عین اُسی وقت

[1] یہہ خاص راجپوتانہ اور مالوہ کی اصطلاح ہے۔ چھٹ بھیے ہمیشہ جمع کا صیغہ ہی بولا جاتا ہے جو مخفف ہے چھوٹے بھائیوں کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ریاستوں میں عموماً گدی کا مالک بڑا بھائی ہوتا تھا اور چھوٹے بھائیوں کو کچھ جاگیریں گزارہ کے لیئے مل جایا کرتی تھیں۔ اور وہ اور اُن کی اولادیں چھٹ بھیے ہی کہلاتے تھے۔ اب چھوٹے موٹے رئیسوں کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ۱۲ مترجم

اُس کو یہہ ناگہانی ضرورت آپڑی کہ اپنی فوج کے دو بہترین دستوں کو آنباجی انگلیا کی سرکردگی میں اُن سکھوں کی مدافعت کے لیئے بھیجے جو یکایک دہلی کے شمالی اضلاع پر چڑھ آئے تھے۔ اس کے بعد اُس نے بقیہ فوج کو ساتھ لیکر بہ نفس نفیس میدان سنبھالا اور رانا خاں ایم ڈی بائن۔ محمد بیگ اور اپا کھانڈی کی بدیلکھنڈ سے واپس آنیوالی فوج کے ساتھ جے پور پر پیشقدمی کردی۔ یہہ فوج گویا شاہی فوج تھی اور یہہ چلی بھی شاہانہ انداز کے سا اس لیئے اس کو زیادہ آسانی سے وہی خاص چالیں چل کر دشمن نے پریشان کیا جو کبھی اورنگ زیب کے خلاف چلی گئی تھیں۔ دشمنوں نے پہل کر اُس کو گھیرے میں لے لیا۔ رسد رسانی کے یا پچھ جانیوالے دستے گرفتار کر لیئے گئے اور اس کی رسد میں کمی پڑتی چلی گئی۔ علاوہ براں یہہ سپاہ یکدل بھی نہیں تھی اس لیئے کسی اجتماعی کارروائی میں اُس پہ بھروسہ بھی کم کیا جاسکتا تھا۔

اس حالت میں اتحادیوں نے اس کا مقابلہ جے پور سے چالیس میل جانب جنوب صفحہ ۴۴
موضع لال سوٹ پر اواخر مئی ۱۷۸۷ء میں کیا۔ محمد بیگ دشمنوں سے جا ملا اور اُسکے پیچھے ہی اسمٰعیل بیگ معہ مغل رسالے اور بہت عمدہ میدانی اور بھاری توپوں کے چلتا بنا اس بے جوڑ مقابلے میں تین دن کی مہیب جنگ اور ہر مرتبہ شکست کھانے کے بعد اور اُن غارتگر ٹولیوں کی دستبرد سے پریشان ہو کر جو راتوں کو اُس پر چھاپے مارتی تھیں سندھیا نے پسپائی کا عزم کیا۔

لیکن اگر اُس کو خوش اقبالی نے بہلا کر غلطیوں پر مائل کر دیا تھا تو اس وقت کی بداقبالی پر اُس نے کسی پست ہمتی کا اظہار نہیں کیا۔ اُس نے نہایت ترتیب کے ساتھ پسپائی اختیار کی۔ پہلے اپنا گرانبار سامان ایک زبردست پہرے کے ساتھ گوالیار بھیجدیا پھر اپنے تمام منتشر دستوں کو ایک جگہ جمع کیا اور آہستہ آہستہ اپنے حلیف علاقے بھرتپور کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ قلعۂ ڈیگ پر پہنچکر اُس نے جاٹ سردار کو یہہ قلعہ دیکر راضی کر لیا جو کہ اس خاندان کا پرانا مقبوضہ بھی تھا۔ اور دو اسپہ پیام نانا فرنویس کے پاس پونا بھیجا کہ مہاراشٹر کی بات رکھنے کے لیئے فوری کمک فوراً بھیجی جائے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے بھاری توپ خانے کو بھرتپور کے ناقابل تسخیر قلعہ میں امانت رکھا اور کچھ کمک آگرے کی مقامی فوج کے لیئے بھیجی جو اُس کے وفادار ترین سپہ سالار لکوا دادا کی ماتحتی میں وہاں قلعہ بند تھی۔

اس موقعے پر جو مراسلہ سندھیا نے نانا فرنویس کو لکھا تھا اُس کا ترجمہ گرانٹ ڈف (جلد سوم صفحہ ۴۴) کی تاریخ میں موجود ہے اور اس کے ملاحظے سے واضح ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص جو اس وقت کسی طرف سے سہارا نہیں رکھتا ہو کس طرح اپنے ایک ہمچشم سے امداد طلب کرتا ہے جس کی دوستی مشکوک سی ہے اور پھر یہہ مستدعی کسی طرح اپنی بات ہیٹی نہیں ہونے دیتا۔ نانا فرنویس اس وقت کچھ تنگدلی پر آمادہ تھا اور اُس نے بادلِ ناخواستہ سندھیا کی استدعا کی تعمیل کی اور بڑی تاخیر و تعویق کے بعد وہ اس کمک کے بھیجنے پر راضی ہوا صفحہ ۱۲۵ اور وہ بھی بڑی ناگوار شرائط کے ساتھ البتہ بعد کو وہ اس معاملے میں زیادہ سرگرم نظر آنے لگا ؛

راجپوتوں نے تو اپنی فتوحات کی پیروی نہیں کی مگر ایک تازہ مصیبت بہت جلد نازل ہوگئی۔ ضابطہ خاں ۱۷۸۵ء میں انتقال کر گیا اور اُس کا بیٹا غلام قادر اُسکا جانشین ہوا جس کے ساتھ ۱۷۷۲ء میں جو بدسلوکی کی گئی تھی اُسکا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ غلام قادر خاں اس وقت اپنے باپ کی جاگیر واقعہ دوآبہ کا وارث ہوا اور اس نے اپنے باپ سے ورثے میں اس کی تمام شورش پسندی اور اُس سے زائد مستعدی بھی پائی۔ جو جوشِ انتقام اُس کے دل میں اور اپنی قوت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے جو حوصلے اُسکی طبیعت میں بھرے ہوئے تھے وہ سب ابھی تک سندھیا کا ناوی اور اخلاقی زور بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے۔ اب وہ وقت آگیا تھا جس کی اُسے عرصے سے تمنا تھی۔ جس وقت کہ سندھیا راجپوتوں کے ساتھ دست و گریباں ہو رہا تھا اُس وقت غلام قادر خاں کو یہہ اچھا موقع نظر آیا کہ اپنی فوج کو اسمٰعیل بیگ کی سپاہ کا شریک کرکے آگرہ و دہلی پر قبضہ کر لے اور اپنی موروثی جاگیرات کے اور اسلامی اتحاد کے نام سے ایک ضرب کاری لگائے۔ اُس نے یہہ سوچ لیا تھا کہ بادشاہ کی ذات پر قبضہ کرکے وہ اور اسمٰعیل بیگ وہی غازی الدین والی پرانی چال پھر سے چلینگے اور پھر ہندوستان پر حکومت کرکے اپنی ذات اور اپنے مذہب کو فائدہ پہنچائینگے۔ چنانچہ اس وقت اسمٰعیل سے اُس نے نامہ و پیام شروع کیا جو آگرے کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور اپنی شمالی جاگیرات سے خروج کرکے دار الحکومت کے قرب و جوار کے علاقے کی تسخیر شروع کر دی ؛

اس اثنا میں راجپوتوں نے اپنی پچھلی کامیابیوں کے ترنوالے کو اچھی طرح سے ہضم کرکے پھر سندھیا پر دندانِ یورش تیز کئے۔ سندھیا کے ایک دستے کو جو زیر سرکردگی

آنباجی بھار راجپوتوں نے یکایک گھیر لیا اور سخت نقصان کے ساتھ اُسے شکست فاش صفحہ ۱۲۶
دیکر بھگا دیا اور سندھیا کو بھی قلعۂ گوالیار میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا ؛

مگر بقول ڈی بائن کے یہی ابتدا کا زمانہ سندھیا کی عظمت کے امتحان کا وقت ثابت ہو کر رہا اور یہہ فرانسیسی طالع آزما بھی اِس واقعے کے بعد بہت ہی خبردار رہنے لگا۔ اول اول تو ڈی بائن پر مایوسی طاری ہونے لگی مگر سندھیا پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ڈی بائن نے ایسی ملازمت سے کنارہ کش ہونے کا ارادہ کر لیا جس میں اُسے حصول یا امتیاز کی کوئی امید نہیں نظر آتی تھی اور لکھنو کے مشہور تجار کلاڈ مارٹن کی کوٹھی پر جا کر ملازمت حاصل کر لینے کی سوچی۔ مگر سندھیا نے اُسے اُس پر ترغیب دی کہ موجودہ بلاؤں سے خلاصی حاصل کرنے کے لیئے ایک مرتبہ اور ہاتھ پاؤں مارے اور ڈی بائن اُس پر رضامند ہو گیا۔ غرض یہہ کہ اُس وقت تو آقا و خادم دونوں گوالیار ہی میں رہے جہاں وہ نسبتہً امن میں تھے اور ایک مرتبہ اور قسمت آزمائی کر لینے کے لیئے رفتار واقعات پر نظر جمائے رہے ؛

اب برشکال آ چکا تھا جس سے تمام جنگی کارروائیاں معرض التوا میں آ گئی تھیں۔ لیکن اختتام برشکال پر اسمٰعیل بیگ تو قلعۂ آگرہ کا محاصرہ کیئے رہا اور غلام قادر دہلی پر بڑھا اور جمنا کے دہنے کنارے مقام شاہدرہ پر خاص محل سلطانی کے محاذ میں خیمہ زن ہوا۔ اس وقت شہر دہلی میں ایک مرہٹہ مقامی فوج سندھیا کے داماد دیس مکھ کی اور ایک مسلمان سردار شاہ نظام الدین کی قیادت میں تھی جس کو سندھیا نے حال ہی میں عہدۂ منتظم جاگیرات شاہی پر سرفراز کیا تھا۔ ان سرداروں نے غلام قادر پر آتشباری شروع کی جس کا ترکی بترکی جواب ملنے لگا مگر کچھ عرصہ بعد جب ان دونوں کو یہہ معلوم ہو گیا کہ ناظر محلسرائے شاہی اور دوسرے مغل سرداروں کی ہمدردیاں اور سازشیں غلام قادر کے ساتھ ہیں تو اُنھوں نے مدافعت ترک کر دی اور بلب گڑھ کے قلعے کی طرف پسپا صفحہ ۱۲۷
ہو گئے جو ایک حلیف جاٹ سردار کے قبضے میں تھا ؛

غلام قادر فوراً دہلی میں داخل ہو گیا اور مرزا نجف کے آوردہ ناظر منظور علی نے اُسے بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ یہہ ناظر کچھ عرصے سے اس باغی سردار کے ساتھ خفیہ نامہ و پیام کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کو کچھ عطیات کا لالچ دیا گیا ہو یا ممکن ہے کہ

اس کو احیاء اسلام کی امید موہوم نے آمادہ کیا ہو۔ ناظر موصوف نے غلام قادر خاں کو
اُس مکان میں ٹھیرایا جو امیر الامرا کی قیامگاہ کے لئے مخصوص تھا یہی وہ عہدہ تھا جسپر
سب سے پہلے نجیب الدولہ متمکن رہ چکا تھا اور ضابطہ خاں برابر اُسکا مدعی چلا آتا تھا اور اب
غلام قادر خاں نے اپنی سخت طبیعت کو اس کے حاصل کرنیکیطرف رجوع کیا۔ لیکن بادشاہ ابھی تک
اتنا گر نہیں گیا تھا کہ ایک باغی کو کچھ انعام دیتا۔ بیگم سمرو اس بغاوت کی خبر سنکر بہ تعجیل تمام
دہلی آگئی تھی اس لیئے اُس کی ہمت کے بل پر بادشاہ نے اس نوجوان پٹھان کو بے نیل مرام
رخصت کر دیا اور وہ اپنے لشکر کو واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے نئی فوج بھی
بھرتی کر لی اور مرزا نجف کے ایک پرانے رفیق نجف قلی خاں کو اس کی جاگیر ریواڑی
سے طلب کیا جو دہلی سے پچاس میل پر واقع ہے۔ اس سردار نے فوری صیغے میں
احکام شاہی کی تعمیل کی اور ۱۷ نومبر ۱۷۸۷ء کو دہلی پہنچکر بیگم سمرو کے دوش بدوش خیمہ زن
ہوا جو محل کے صدر دروازے کے بالکل سامنے تھا۔ باغیوں پر گولہ باری شروع کی گئی
جنھوں نے ترکی بترکی جواب دیا اور اُن کے بعض گولے محل شاہی کے اندرونی حصے
میں بھی آکر پڑے۔

مگر ابھی سندھیا اپنی مشکلات میں مصروف گوالیار ہی میں تھا اور اُسکی بہترین سپاہ
اسمٰعیل بیگ کے محاصرے میں ہی تھی کہ دہلی میں ایک سمجھوتہ بھی عمل میں آگیا۔ غلام قادر خاں　صفحہ ۱۲۸
کو باضابطہ قلمدان وزارت سپرد کر دیا گیا جس کی اُسے مدتوں سے تمنا تھی۔ اس کے بعد
غلام قادر خاں نے سندھیا کے علی گڑھ کے قلعے پر حملہ کرنے کے لئے خروج کیا جس کو
اُس نے معمولی سی مدافعت کے بعد تسخیر کر لیا اور وہاں سے وہ آگرے کی دیواروں کے
تلے اسمٰعیل بیگ کی شرکت کرنے کے واسطے روانہ ہو گیا۔

اواخر ۱۷۸۷ء میں پونا سے زبردست کمک آجانے پر سندھیا نے دھولپور پر
چنبل کو عبور کیا اور آگرے کا محاصرہ اُٹھانے کے لئے بڑھا۔ غلام قادر خاں اور
اسمٰعیل بیگ نے اُس کی آمد کی خبر پاکر خود محاصرہ اُٹھا لیا اور اُس کی تلاش میں روانہ
ہو گئے۔ موضع چکسانہ کے قریب دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ سندھیا کی
فوج کی قیادت رانا خاں کے سپرد تھی اور باقاعدہ پلٹنیں ڈی بائن کی سرکردگی
میں تھیں اور جو معرکہ پیش آیا اُس کا حال خود ڈی بائن کے الفاظ میں

درج ذیل ہے:۔

مسلمان سردار بڑی عمدگی سے لڑے۔ غلام قادر خاں نے اپنے رسالے سے اس زور شور سے حملہ کیا کہ میمنہ کی پیدل صفوف کو توڑ دیا۔ اسمٰعیل بیگ نے بھی یہی نقل و حرکت ڈی بائن کے خلاف کی مگر وہاں استقلال و کامیابی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا گیا۔ لیکن مرہٹہ رسالے مغل زرہ پوشوں کے مقابلے کے نہیں تھے اور یورپین افسروں کو اپنی تمام تر قوت و قابلیت اس میں صرف کرنی پڑی کہ اپنی پیدل سپاہ اور بھاری توپوں سے پسپا ہونیوالوں کی حفاظت کریں۔ راناخاں رات پڑے بھرت پور کی طرف پسپا ہو گیا اور دشمن نے پھر آگرے کا محاصرہ قائم کر لیا جس میں اس طرح بے نتیجہ مداخلت کی گئی تھی۔

مگر جنگ کے کچھ ہی عرصہ بعد غلام قادر خاں کو اپنے شمالی مقبوضات کی طرف مراجعت کرنی پڑی کیونکہ سندھیا کے گرگوں نے سکھوں کو اکسا کر جمنا پار سے غلام قادر خاں کے مقبوضات پر لا چڑھایا تھا:۔

صفحہ ۱۲۹ ششہ ۱۷۸۷ء کے موسم سرما میں برابر مرزا جواں بخت کی طرف سے برطانیہ کو مدد کے لیئے لکھا جاتا رہا۔ لارڈ کارنوالس سے کسی امداد کی امید نہ پا کر شہزادہ مذکور دہلی آگیا جہاں سے اُس نے براہ راست شاہ جارج سوم کو خط لکھا۔ یہہ خط دراصل برطانوی ہند کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے اس لیئے اس کے صرف اسی قدر حصے کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو سندھیا سے متعلق ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ سندھیا سے بے نتیجہ یہہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ قدیم خاندانوں کو پھر شاہی خاندان کے ساتھ برسر مصالحت لے آئیگا اور مصیبت زدہ دہقانوں کی طرف دست امداد بڑھائیگا۔ دراصل غلام قادر خاں کی طرح وہ بھی شاہی خاندان اور اُس کے بہی خواہوں یعنے سلطنت کے راجگان و شہزادگاں کا دشمن ہے۔ یہہ خط اس پرزور استدعا پر ختم ہوتا ہے کہ شاہی حکومت کو پھر قائم کر دیا جائے باغیوں کو سزا دی جائے خلق اللہ کو پھر امن چین دیا جائے اور اس کار خیر کو انجام دیکر شاہ انگلستان اپنا نام نیک شاہان عالم میں مشہور کرے:۔

اپنے بدبخت باپ کو امداد دینے کی تمام کوششوں میں ناکام ہو کر اور اپنی جان اور

آزادی کو غلام قادر خاں کے ہاتھوں خطرے میں پاکر بے بس شہزادے نے پھر برطانیہ کی حمایت میں بنارس آجانا گوارا کیا اور اسی مقام پر ۳۱ مئی سنہ ۱۷۸۸ء کو اُس کا انتقال ہوگیا اگرچہ یہ قیاس بعید از کار معلوم ہوتا ہے پھر بھی ہم اس موقع پر بر سبیل تذکرہ یہ سوال ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ولیعہد نے سندھیا کی شرکت کر کے مسلمان سرداروں کو آگرہ و دہلی کے خلاف نقل و حرکت کرنے سے باز رکھا ہوتا تو صورت معاملات کیا رنگ اختیار کرتی ہو

ولیعہد اور برطانیہ کی امداد سے محروم ہو کر سندھیا کا ستارۂ اقبال تیزی سے
برج نحس کی طرف آنے لگا۔ بھرتپور سے الور جانے کی کوشش میں سندھیا کا راستہ صفحہ ۱۳۰
راجہ جے پور نے روکا اور اُسے شکست دیکر آگرے کی طرف پیچھے ہٹا دیا۔ آگرے کی طرف لوٹتے میں اُس پر اسمٰعیل بیگ نے حملہ کیا اور اُسے مجبوراً چنبل پار بھاگنا پڑا۔ جودھپور کی فوج نے آنباجی کو شکست دی اور اُسے اپنے مالک کے پاس کمک لے جانے سے روک لیا بہر حال دکن سے تازہ کمک آنے پر سندھیا نے پھر آگرے کو خلاصی دلانے کی کوشش کی جہاں لکوا دادا اب تک پامردی کے ساتھ مدافعت کئے جا رہا تھا۔ فتحپور سیکری کے قریب پھر ایک معرکہ پیش آیا جس میں ڈی بائن کی پلٹنوں کو پوری ٹکر جھیلنی پڑی مگر آخر کار سندھیا کامیاب ہوگیا۔ اسمٰعیل بیگ کو شکست فاش نصیب ہوئی اور اُسے اپنی جان بچانے کیلئے جمنا میں سے اُس پار ہوا تیر کر نکلنا پڑا اور پورے بارہ مہینے بعد آگرے کا محاصرہ کہیں جا کر اُٹھا دوسرے کنارے پر اسمٰعیل بیگ کو غلام قادر ملا جو سکھوں سے مقابلہ کر کے چلا آرہا تھا یہاں سے دونوں دہلی پر چلے جہاں جون کے مہینے میں پہنچ گئے ×

اس اثنا میں ایم ڈی بائن ایسی جنگبازی سے تھک چکا تھا جس میں تمام نقصان و خطرہ اُس کو اُٹھانا ہوتا تھا اور منافع بالکل ہاتھ نہ آتا تھا اس لئے اُسنے سندھیا کی ملازمت ترک کردی اور لکھنؤ میں کاربار شروع کر دیا۔ اس بیش بہا مددگار کی خدمات سے محروم ہو کر سندھیا کچھ دن آرام لینے کے لئے متھرا چلا گیا اور وہ بادشاہ جس کی ضعیف العقل سازشیں اور پس پردہ مخاصمتیں برابر سندھیا کی کارروائیوں میں خارج ہوتی رہتی تھیں اب بالکل آزاد ہوگیا کہ اپنے نئے ندیموں کی صحبت میں جو کچھ
چاہے کرتا رہے۔ بادشاہ کے دل میں سندھیا کی طرف سے جو برائی تھی اُس کا اندازہ صفحہ ۱۳۱

صفحہ ۱۳۱

ولیعہد کے مکتوب بنام[1] شاہ انگلستان سے ہو سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ نے اپنی مخالفت کو نمایاں طور پر ایک تو اس طرح ظاہر کیا کہ خفیہ خطوط راجپوت رئیسوں کے پاس بھیجتا رہا دوسرے اس طرح کہ اُس نے موسم بہار میں علانیہ اجمیر پر چڑھائی کی۔ یہہ سچ ہے کہ بادشاہ سلامت گوکل گڑھ سے آگے نہیں بڑھے جو نجف قلی خاں کا قلعہ تھا جس نے کچھ سرتابی کا اظہار کیا تھا لیکن بادشاہ نے دراصل یہہ مہم سندھیا کی مخالفت کا اظہار کرنے کے لیئے ترتیب دی تھی جو بیکار رہی۔ کیونکہ اس مہم کی ترتیب راجہ جودھپور کی ترغیب سے عمل میں آئی تھی جس کی تائید راجہ جیپور نے بھی کی تھی ان دونوں سے سندھیا علانیہ بر سر پیکار تھا بہر حال جب گوکل گڑھ سر ہو گیا تو بادشاہ اس ادنیٰ سی کامیابی پر مطمئن ہو کر دہلی لوٹ آیا مگر راستے میں ہمت بہادر اُس کی ہمرکابی میں رہا جو دوسرا کھلم کھلا دشمن سندھیا کا تھا؛

[1] ولیعہد کا خط شاہ جارج سوم کے نام دراصل بادشاہ کے اصلی خیالات سندھیا کی نسبت ظاہر کرتا ہے کیونکہ ولیعہد جس نے یہہ مسودہ تیار کیا تھا وہ اس زمانے میں اپنے بدنصیب باپ کے محل میں موجود تھا۔ ۱۲ مصنف

باب ششم

سندھیا اور غلام قادر خاں

صفحہ ۱۴۲

اس باب کے خاص واقعات میں مادھوجی نے خلاف امید بہت کم حصہ لیا ہے۔ سندھیا کے مداحوں کے لیئے یہہ معمہ ہی رہا ہے کہ کیوں وہ اس بادشاہ سے الگ رہا جس کا خادم ہونے کا اُسے ادعا تھا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ ایک پیرانہ سال بادشاہ ایسے لوگوں کی توہینوں اور بدسلوکیوں کا شکار بنا ہوا تھا جن کا سندھیا حال ہی میں سخت دشمن رہ چکا تھا۔ لیکن اس باب میں ہم اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ممکن ہے کہ سندھیا نے اپنی فوجی قوت کو محاصرۂ دہلی کے قابل نہ سمجھا ہو یا ممکن ہے کہ اُس نے یہہ چاہا ہو کہ کچھ روز کے تلخ تجربات سے بادشاہ کو یہہ سبق سکھا دیا جائے کہ اُس کے اصلی دوست کون ہیں اور اُس کے اغراض کس فریق کی طرفداری سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر یہہ تو یقینی ہے کہ سندھیا کو اُن انتہائی حالتوں کا سان گمان بھی نہ تھا جو غلام قادر خاں کی مغلوب الغضبی کی وجہ سے پیش آگئیں۔ یقیناً اُس نے خاندان تیموریہ کے جان و مال کو اسمعیل بیگ جیسے بہادر سپاہی اور غلام قادر خاں جیسے متمول اور عالی خاندان سردار کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ سمجھ رکھا تھا۔ غرض یہہ کہ وہ متھرا میں تین ماہ تک بغیر نقل و حرکت کے رہا اور اس عرصے میں مغلوب بادشاہ کی انفعالی جوانمردی اور اُس کو اذیت دینے والوں کی بہائم صفت سختیاں حد سے تجاوز کر گئیں۔ اور تاریخ عالم میں اُن کی نظیر نہ ملتی اگر ۱۷۹۲ء کے فرانسیسی انقلاب پسندوں کی سختیاں اور بدبخت لوئیس شانزدہم کی بالتدریج تباہی کا واقعہ دنیا میں نہ پیش آگیا ہوتا۔ گرانٹ ڈف سندھیا کی خموشی کی ایک وجہ بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سندھیا ابھی تک دکن سے مزید کمک کا محتاج تھا اور نانا فرنویس اور ہلکر مزید کمک بھیجنے پر اُس وقت تک راضی نہیں تھے جب تک سندھیا اُن کو اپنے ہندوستانی اختیارات میں ساجھی

صفحہ ۱۴۳

بنانے کا وعدہ نہ کر لے؛

انقلاب دہلی اب درجۂ تکمیل کو پہنچا ہوا نظر آتا تھا۔ ہلال کی فوقیت کو شاہ دہلی اور درباریوں نے قبول کر لیا تھا۔ بلکہ خواجہ سراؤں اور خوشامدیوں کے اس جم غفیر نے بھی تسلیم کر لیا تھا جو سنگ مرمر کے دیوان خانے میں اور محل شاہی کے احاطے میں جوق جوق جمع ہوتے جا رہے تھے اور کرسٹان بیگم اور ہندو نیل کی کوششوں کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔ اب صرف ایک مسلمان حریف یعنی وزیر اودھ ایسا رہ گیا تھا جو نزدیک تھا مگر اس کی عیش پسندی نے اسے ان فضول جھگڑوں سے بہت دور رکھ چھوڑا تھا۔ غلام قادر خاں دہلی میں سب سے بڑا عہدہ دار بن چکا تھا کیونکہ اب وہ باضابطہ وزیر اعظم ہو گیا تھا اور اس طرح وہ عہدہ حاصل کر چکا تھا جس کے فرائض غیر محدود تھے اور جس پر سرفراز ہونے والا تمام سیاسی اختیارات اپنی مٹھی میں رکھتا تھا فوج کی سپہ سالاری اسمٰعیل بیگ کے قبضے میں تھی جس نے اپنی سپاہ کو فیروز شاہ تغلق کے پرانے شہر میں مقیم کر رکھا تھا۔ یہ برسات کا وسطی زمانہ تھا۔ ۱۸ر جولائی ۱۷۸۸ء کو سب رازدار پچاس مسلح ہمراہیوں کے ساتھ محل شاہی میں داخل ہوئے اور خلعتوں سے سرفراز کئے گئے اس کے بعد وہ ہر طرح کے ظاہری آداب و احترام کے ساتھ واپس لوٹے تاکہ غارتگری کی اس مشترکہ تجویز پر عمل درآمد کرنے کیلئے انتظامات کر لیئے جائیں جس میں اسمٰعیل بیگ کے سپرد تو خاص شہر سے استحصال کا کام تھا اور غلام قادر کے ذمہ محل شاہی کا ستھراؤ کرنا تھا؛

صفحہ ۴۴ ان ارادوں کی کچھ بھنک پا کر اور روپے کے مطالبات کو برابر بڑھتی ہوئی بیباکی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہوا دیکھ کر بادشاہ کچھ چوکنا ہو گیا اور اب جبکہ وقت نکل چکا تھا اس نے سندھیا کے پاس امداد کا پیام بھیجا۔ ۲۷ر جولائی ۱۷۸۸ء کو علی الصباح غلام قادر خاں محل وزارت سے روانہ ہو کر دیوان خاص میں آیا اور بتاکید تمام بادشاہ کی خدمت میں حاضری کا مطالبہ کیا۔ باوجودیکہ ابھی صبح کے سات ہی بجے تھے مگر بادشاہ خلوتگاہ سے برآمد ہو گیا اور بہت سے درباریوں اور سرداروں کو لٹے مٹے تخت طاؤس کے گرد جمع پایا۔ اسمٰعیل بیگ کے ذریعے سے نئے وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا کہ بادشاہ سلامت کے احکام کے مطابق فوجیں متھرا پر چڑھائی کرنیکے لیئے

تیار رہیں تاکہ مرہٹوں کو ہندوستان سے نکال باہر کریں لیکن فوجکشی سے پہلے یہہ لازمی ہے کہ سپاہیوں اور افسروں کے بقایا کی ادائگی کا انتظام کردیا جائے اُن کی گزشتہ خدمات سلطنت کے واسطے ضروری تھیں اس لیئے سلطنت ہی کے خزانے سے اُنکی بقایا کی ادائگی ہونی چاہیئے۔ یہہ تقریر کچھہ عرصے تک جاری رہی اور اُس کے اختتام پر وزیر کے جانبداروں نے جن کا سرگروہ ناظر تھا صدائے تحسین و آفریں بلند کی لالہ اسمٰعیل داس خزانچی کو بلاکر مالی حالت کے متعلق دریافت کیا گیا مگر اُس نے جواب دیدیا کہ ادائگی ناممکن ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھکو پٹھانوں کی خدمات کے جواز یا عدم جواز سے کوئی بحث نہیں میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خزانے کے صندوقچے خالی پڑے ہیں۔ آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے کہ بادشاہ سلامت کو خاص شاہی محافظوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیئے اپنی ذاتی سونیکی دیگیں گلوانی پڑی ہیں اس لیئے اب پٹھانوں کو دینے کے لیئے روپیہ صفحہ ۱۳۵
کہاں سے آجائیگا۔ یہہ جواب سُنکر غلام قادر خاں نے یکایک ایک متکبرانہ انداز اختیار کرلیا اس تماشہ گاہ کا پہلے سے ٹھاٹھہ باندھہ لیا گیا تھا بلکہ شاید ناظر کے مشورے سے طے کرلیا گیا تھا۔ اُس نے اپنی جیب سے بادشاہ کا ایک خط سندھیا کے نام کا نکالا جس میں سندھیا سے امداد طلب کی گئی تھی اور جو وزیر کے گرد آوروں نے راستے میں پکڑ لیا تھا۔ وہ خط دکھاکر اُس نے بادشاہ کے ہتھیار لے لینے کا اور اُس کو قید سخت میں ڈالنے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے کچھہ مقاومت کرنی چاہی جس پر غلام قادر نے تلوار کھینچ لی اور اگر ناظر اُسے نہ روکتا تو وہ اُسی جگہ بادشاہ کے ٹکڑے کرڈالتا تین دن تک بادشاہ کو معہ اہل و عیال کے اُسی کمرے میں بے آب و دانہ پڑا رہنے دیا گیا اور کوئی اُس کے پاس تک نہ پھٹکنے پایا۔ اور غلام قادر نے ایک نحیف الجثہ گوشہ نشین کو بیدار بخت کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا اور اپنی مدتوں کی سوچی ہوئی بیصرفہ غارتگری کی تجویز پر عمل کرنے میں مصروف ہوگیا۔

مگر اسمٰعیل بیگ ذرا کرارا ساتھی نکلا۔ جب اُس نے دیکھا کہ غلام قادر خاں نے تمام محل پر قبضہ کرلیا ہے اور میرے ہمراہیوں کے لیئے کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں بھیجتا دراں حالیکہ اُس کا دارومدار ان ہی ہمراہیوں کے بھروسے پر تھا تو اسمٰعیل بیگ کو خطرہ محسوس ہوا اُس نے شہر کے بڑے آدمیوں کو طلب کرکے کہا کہ آپ سب صاحب

اپنی اپنی حفاظت کا خود انتظام فرمائیں اور میں اپنے سرداروں کو تاکیدی ہدایات دئے دیتا ہوں کہ جب تک ہم یہاں ہیں ہم آپکی حفاظت بدل و جان کرتے ہیں گے

ادھر غلام قادر خاں نے محل شاہی کو کھود نا شروع کیا۔ نئے بادشاہ کو بھیجا گیا کہ جاکر اپنے پیشرو کو لوٹ کرلائے اور عورتیں شاہی بیگمات کی تلاشیاں لینے اور جواہرات اُتار نے پر مقرر کی گئیں۔ اس استحصال بالجبر کی مجموعی آمدنی سے مطمئن نہ ہو کر وہ ایک ایسے صفحہ ۱۳۶
خیال پر آجاجو بڑھتے بڑھتے جنون کی طرح اُس کے دل و دماغ پر طاری ہوگیا۔ اُسے یقین ہوگیا کہ محل شاہی میں کوئی گنج مخفی ہے جس کی کلید سوائے بادشاہ کے اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ بہت سے مظالم جو اس پٹھان نے کئے اُن کو اسی گنج مخفی کے خبط سے منسوب کیا جا سکتا ہے جس کو اُس کے یقین کے مطابق ایک بے بس مگر ضد کے پورے بوڑھے نے بالقصد اُس سے چھپا رکھا تھا۔

اسمٰعیل بیگ کے ساتھ چھوڑ کر چلے جانیکا اور اس کم عقل مگر بہادر شہسوار اور اُسکے ہمراہیوں کی حمایت سے محروم ہو جانے کے خیال سے غلام قادر خاں کا خطرہ برابر بڑھتا جارہا تھا۔ ۱۵ر جولائی کو سندھیا کا ایک وکیل بھی دہلی پہنچ چکا تھا جس کے پیچھے ہی دو ہزار مرہٹہ سوار بھی رایاجی سندھیا کی سرکردگی میں آگئے تھے۔ یہ بھی خبر آچکی تھی کہ پٹیل نے بیگم سمرو کو بھی لکھا ہے کہ اپنے امکان بھر کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے۔ یہ بیگم کئی مرتبہ اپنی نمک حلالی کا ثبوت دے چکی تھی اور اب بھی پانچ پیدل پلٹنیں یورپین افسروں کی سرکردگی میں معہ پچاس توپوں کے لیئے چلی آرہی تھی اور صرف چار منزل دہلی سے رہگئی تھی۔ سوائے اسمٰعیل بیگ اور اُس کے ہمراہیوں کے اور کوئی سپاہ ایسی نہیں تھی جو اس وقت دہلی کے شمال و مغرب میں حفاظت قائم رکھتی اور غلام قادر خاں کو محل کی تلاشیاں لینے کا موقعہ دیتی۔ اسلیئے غلام قادر خاں نے اسمٰعیل بیگ اور اُس کے ہمراہیوں کے لیئے یکمشت پانچ لاکھ روپیہ علی الحساب بھیجدیا اور بقایا کے متعلق اُن کو ہدایت کردی کہ ہندو ساہوکاروں سے بالاہتمام نذرانے وصول کرکے پورا کریں۔

بہرحال غلام قادر خاں ابھی تک اپنے تئیں محفوظ سمجھے ہوئے تھا اور محل شاہی کی تلاشیوں کو تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔ ۲۹ر جولائی کو اُس نے بادشاہ کو پھر طلب کیا صفحہ ۱۳۷
اور اپنے سامنے اُس کے کوڑے لگوائے اور بیدار بخت ہی کے سپرد یہ کام کیا کہ

وہ اپنے ضعیف العمر رشتہ دار کی ننگی پیٹھ پر تازیانے مارے۔ دوسرے دن بلا استثنا تمام
بیگمات کے تازیانے لگوائے گئے اور اُن کی پُر درد چیخوں سے شاہ جہاں کے محل کے
شاندار در و دیوار گونج اُٹھے۔ یکم اگست کو پھر ایک سخت کوشش یہہ کی گئی کہ بادشاہ کی ہٹ کو
توڑا جائے اور اُس سے پوشیدہ خزانے کی کنجی حاصل کی جائے دراں حالیکہ کسی ایسے خزانے کا
کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ بادشاہ نے بالاصرار انکار کیا اور کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے کوئی
خزانہ چھپا رکھا ہے تو وہ میرے جسم کے اندر ہوگا اب مجھے چیر کر دیکھ لو۔ پھر اس موذی
نے تسلی دلاسے اور لالچ دیکر پوچھنا چاہا مگر وہاں تھا کیا کہ ان باتوں کا کوئی اثر ہوتا۔
بادشاہ نے بھی مجبور ہو کر یہہ کہدیا کہ یہہ ذلت خداتعالیٰ کی طرف سے میرے لیئے
مقدر ہے اس لیئے میں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں۔ خدا تمھارا بھلا کرے جبکہ بیگمات کو
اُن کے مال متاع سے محروم کر دیا گیا جن میں کئی ایک اگلے بادشاہوں کی خاص
بیگمیں تھیں تو اُن سب کو بھوکھی مرنیکے لیئے گلیوں میں نکال دیا گیا۔ غلام قادر خاں یہہ
چاہتا تھا کہ یہہ تمام گناہ محض بے لذت نہ رہے اس لیئے وہ روپیہ کے لیئے ادھر اُدھر
بوکھلایا پھرتا تھا۔ جو ناظر کہ کسی زمانے میں اُس کا بڑا دوست بنا ہوا تھا اُس سے بھی
اُس نے سات لاکھ کسیطرح حاصل کیا۔ ۴ اگست کو وہ تخت پر بیدار بخت کے پاس
بیٹھا حقہ پی رہا تھا اور دھواں بیدار بخت کے منہ پر چھوڑتا جاتا اسی قسم کی راحت کا
کوئی وقت تھا کہ اُس نے دیکھا کہ تخت کے طلاکاریں کچھ ٹکڑے خالص سونے
کے اب بھی باقی ہیں چنانچہ اُس محترم ڈھانچے کو اُس نے بالکل تڑوا دینے کا حکم دیدیا جو
صفحہ ۳۸؛
نادر شاہ کی لوٹ کھسوٹ سے بچا ہوا اب تک قایم تھا۔ پھر اُس نے تمام زر نقد و زیورات
وغیرہ کو ایک جگہ جمع کروایا اور سب کو کٹھاؤں میں ڈال کر گلوا دیا۔ ۷ اگست کو اُس پر
کسیقدر پشیمانی کا غلبہ ہوا اور اُس نے بادشاہ سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو
میں آپ کے بیٹے اکبر کو تخت پر بٹھا دوں۔ یہہ عجیب بات ہے کہ یہی شہزادہ مدت بعد
تخت پر بیٹھا اور وہ اسی اکبر شاہ ثانی کا بیٹا تھا جو ۱۸۵۸ء میں برائے نام شہنشاہ بنا رہا
تھا جبکہ اُس نے اُن مظالم کا حکم تو نہیں مگر رخصت ضرور دی جو اُس نے کمسنی میں اپنی
آنکھوں سے ہوتے ہوئے دیکھے تھے۔

آخر کار ۱۰ اگست کو غلام قادر خاں کو معلوم ہوا کہ اب

وقت بہت کم رہگیا ہے اپنی تلون مزاجی اور آنے والے خطرے کے خیال سے اب اُس میں صبر باقی نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے چند نہایت بہائم صفت ساتھیوں کو لیکر دیوان خاص میں گیا اور بادشاہ کی طلبی کا حکم دیا۔ پھر اُسی گنج مخفی کی مفتاح کا مطالبہ ہوا اور پھر اُس کے وجود سے یا اُس کے اخفا سے انکار ہوا اس کے بعد کچھ دشنام دہی اور بچوں کو اذیت پہنچا کر لوٹ ہے بادشاہ کو پچھاڑ دیا گیا اور چند ظالم پٹھانوں کی بید ریغ چھریوں نے اُس کی آنکھیں کاٹ کر نکال لیں۔ اور سب چھوٹے بڑے شہزادوں کا بھی یہی حال کیا جاتا اگر خزانچی آڑے نہ آجاتا جسے ناراض کرنا غلام قادر کو پسند نہ تھا؛

اسکے بعد بدنصیب بادشاہ کو گھسیٹ کر اُس حصے میں محل کے پہنچا دیا گیا جہاں معزول حکمراں یا بڑے آدمی نظربند کئے جاتے تھے اور غلام قادر خاں موذی کو اپنی صفحہ ۱۳۹ فرصت ملگئی کہ وہ کچھ عرصے تک کف افسوس ملتا رہا اور پھر غور سے اپنی موجودہ حالت کو سوچنے لگا۔ ۱۲ اگست کو اُس نے اسمٰعیل بیگ کو قابو میں لانے کی پھر ایک کوشش کی لیکن یہ مغل سپاہی کسی طرح ایسے ظالم سفاک کا طرفدار بنا رہنے پر راضی نہوا۔ ۱۴ اگست کو مرہٹہ فوج کی جمعیتیں متھرا سے بھیجی ہوئی دہلی کے جنوب میں نمودار ہونی شروع ہو گئیں اور اسمٰعیل بیگ نے اُن جاسوسوں سے نامہ وپیام شروع کر دیا جو سندھیا کے منھ بولے بھائی اور سپہ سالار رانا خاں نے آگے بھیجدئے تھے۔ شہر کا باقاعدہ محاصرہ تو نہیں ڈالا گیا تھا مگر سب طرف سے ناکے روک لیئے گئے تھے۔ دوکانداراپنی دوکانیں بند کر کے بھاگ گئے تھے۔ گرانی جاری تھی اور روز بروز بڑھ رہی تھی۔ نہایت ہی عالیخاندان لوگ محل شاہی کے اندر بھوک سے مرگئے تھے۔ صرف سفاک غارتگرتن تنہا می نوشیوں اور ضیافت خواریوں میں مصروف تھا؛

لیکن اُس کے ہمراہی بھوکے مرنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ اُنھوں نے رسد کی کمی کی شکایتیں شروع کیں اور پھر دھمکیاں دینے پر اُتر آئے۔ آخر کار ایک مرتبہ فوج میں غدر بھی ہو گیا جسے غلام قادر خاں نے جان پر کھیل کر فرو کیا۔ ۷ ستمبر کو اُس نے اُس مقام کو چھوڑنے کا عزم کر لیا کیونکہ اب یہاں رہنا ممکن نہ تھا۔ اُس نے اپنے تمام ہمراہیوں کو دریا پار شاہدرہ بھیجدیا جو تنہا مقام ایسا رہگیا تھا جس پر اُس کا قبضہ تھا

کیونکہ اسمٰعیل بیگ نے ایسے ساتھی کی امداد سے بالکل ہاتھ کھینچ لیا تھا جو اس قدر بے مروت اور بے اعتبار تھا۔ مالِ غنیمت کا بڑا حصہ غوث گڑھ کی طرف روانہ کر دیا گیا جو مظفر نگر کے قریب ایک زبردست قلعہ تھا اور اب جس کی ایک مسجد کے سوائے اور کچھ باقی نہیں ہے۔ ۲۸ ستمبر کو غلام قادر خاں نے بادشاہ سے مفروضہ گنج مخفی کا راز دریافت کرنے کی آخری کوشش بھی کر لی۔

یہی تشویشناک صورتِ حالات تین ہفتے تک طول پکڑتی چلی گئی اور اس عرصے میں کسی فریق نے دوسرے پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ آخر کار ۱۱ اکتوبر آگئی جو عاشورے کا دن تھا۔ اُس دن یہ معلوم ہو گیا کہ اسمٰعیل بیگ جا کر رانا خاں سے مل گیا ہے اور رانا خاں کے پاس دکن سے زبردست کمک بھی آگئی ہے۔ اب غلام قادر خاں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھ گیا کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کام نہیں چلنے کا۔ کیونکہ ہر لحظہ یہ ممکن تھا کہ اُس کے لشکر پر حملہ کر دیا جائے یا قلعے کے استحکامات پر ہلہ بول دیا جائے۔ اس لیئے اُس نے رات کو لال محل کا بارود خانہ اُڑا دیا اور ایک ہاتھی پر بیٹھ کر دریا پار بھاگا اور اپنے آگے بہت سے لوگ جن میں خاندانِ شاہی کے ارکان بھی تھے اور اُس کا اپنا بنایا ہوا بادشاہ بیدار بخت بھی تھا بطور یرغمال کے بھیجدیے۔

رانا خاں نے فوراً قلعے پر قبضہ کر لیا اور بارود خانے سے جو آگ پھیلتی جا رہی تھی اُسکے شعلے جگہ جگہ ٹھنڈے کرائے۔ شاہ عالم اور اُس کے خاندان کی جو بیگمات باقی رہ گئی تھیں وہ سب رہا کر دی گئیں۔ سب اسیرانِ بلا کی بہت کچھ تسلی تشفی کی گئی اور ہر طرح سے اُن کی آسائش کے سامان بہم پہنچائے گئے۔ اس کے بعد رانا خاں نے جملہ واقعات کی کیفیت اور مزید کمک کی استدعا سندھیا کے پاس بھیجی اور پٹھانوں نے شاہدرہ سے اپنا ٹانڈا لادا اور شمال کی جانب پسپائی شروع کی۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ دربار پونا سے برابر پٹیل کے پاس کمک اور قوت پہنچ رہی تھی۔ ہم ابھی تین مرتبہ موجودہ مشکلات کے دوران میں پونا سے کمک آنے کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ آخری کمک کی سرکردگی خاص تکوجی ہلکر کے سپرد تھی اور اس واقعے کو سندھیا کے اخلاقی اقتدار و اعتماد کا بیّن ثبوت سمجھنا چاہیئے کہ دربار پونا سے سندھیا کے برابر کا ایک سردار فوج کا قائد بنا کر بھیجا گیا۔ مناسب ابتدائی انتظامات مثلاً تقسیم فرائض اور

صفحہ ۱۴۰

صفحہ ۱۴۱

اندازۂ مال غنیمت کے بعد متفقہ فوجیں پٹھانوں کے تعاقب میں روانہ ہوئیں۔ پٹھان مال غنیمت سے اس قدر لدے ہوئے تھے کہ اب تک میرٹھ سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ اس مقام پر اُس زمانے میں ایک بڑا قلعہ تھا جس میں غلام قادر خاں اپنے چیدہ ہمراہیوں کو لیکر اس امید پر داخل ہوگیا کہ قرب وجوار کے بعض روہیلہ سرداروں یا ستلج کے کناروں کے سکھوں کی طرف سے ضرور کمک آجائیگی۔ غلام قادر خاں اگرچہ نہایت ناپاک طینت بلکہ جرائم پیشہ دیوانہ تھا مگر اُس میں ہمت و مردانگی کی کمی نہیں تھی۔ لیکن سندھیا نے سمجھ لیا تھا کہ اب بھیڑیا کٹھگھرے میں پھنس گیا ہے اس لیئے محاصرہ پر نہایت شدت سے زور دیا گیا۔ ہر طرف سے قلعہ کی ناکہ بندی کردی گئی۔ رسد کی قلت ہونے لگی اور دو مہینے کی نہایت طویل مدافعت کے بعد آخرکار غلام قادر خاں نے حوالگی قلعہ کی شرائط پیش کیں۔ محاصرین نے ہر قسم کی شرائط طے کرنیسے بالکل صاف انکار کردیا اور ۲۱ ہر ستمبر کو دھاوا کردیا قلعہ بند فوج نے جاڑے کے چھوٹے سے دن صبح سے شام تک دیواروں کی حفاظت کی لیکن راتکو اُن کے سردار کو معلوم ہوگیا کہ اب ایسے ہمراہیوں سے کچھ امید نہیں رکھنی چاہیئے جو اگرچہ اپنے سردار کے جرائم سے متنفر نہیں ہوئے ہیں مگر اپنی ناکامی سے بددل ہوکر جی ہار بیٹھے ہیں اس لیئے وہ رات کو اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے مال غنیمت کا لیجانے کے قابل حصہ زین میں بھر کر چور دروازے سے نکل بھاگا۔ صبح کو قلعہ بند فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور غلام قادر خاں کو نہ پاکر سندھیا کی فوج کو جس قدر مایوسی ہوئی اُس کا اندازہ ناظرین خود کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ مایوسی دیر تک اُن کی قسمت کی نہیں تھی۔ قرب و جوار کے دہقانوں نے مفرور غلام قادر خاں کو گرفتار کرلیا اور اُسے مشکیں باندھکر لے آئے۔ رانا خاں نے فوراً ایک زبردست بدرقہ کے ہمراہ اُسے سندھیا کے حضور میں متھرا روانہ کردیا جہاں اُسے یقیناً عبرتناک سزا دی جاتی مگر غصہ و نفرت سے بھرے ہوئے سپاہیوں نے اپنے آقا کو اس تصدیعہ سے بچالیا۔ یعنے راستے میں اُنھوں نے غلام قادر خاں کو ایسا ذلیل کیا اور ایسا ایسا تنگ کیا کہ وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ اُسے بدلگام دیکھکر سپاہیوں نے اول تو اُس کی آنکھیں نکال لیں پھر اُس کے ہاتھ پانوں کاٹ ڈالے اور آخرکار ۳ ہر مارچ ۱۷۸۹ء کو اسے سڑک کے کنارے ایک درخت پر لٹکا کر پھانسی دیدی۔ اس سزا کا منظر مقام فراہ پر قرار دیا جاتا ہے جو آگرہ اور متھرا کے بیچا بیچ واقع ہے۔ اب سندھیا سوائے اس کے

صفحہ ۲۴

کیا کرسکتا تھا کہ اس چشم برآوردہ۔ دست و پا بریدہ نعش کو دہلی بھیجدے جہاں وہ نابینا ستم رسیدہ بادشاہ کے سامنے بیجا کر ڈال دیگئی اور شاید اس سے زیادہ ہولناک و عبرتناک کوئی دوسرا نظارہ اُس دیوانِ[1] خاص میں نہیں دیکھا گیا ہوگا۔ شہر غوث گڑھ کو بالکل مسمار کردیا گیا۔ اور صرف ایک مسجد باقی چھوڑ دیگئی۔ بیدار بخت کو قید میں ڈلوادیا گیا اور تلحرام ناظر کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر مار ڈالا گیا؛

ان ہولناک نظاروں سے نظر پھیر کر جب ہم اُن عالی حوصلہ مساعی کیطرف دیکھتے ہیں جو سندھیا نے اپنے بدبخت بادشاہ کو آرام دینے کے لیئے کیں تو ہمارا دل بہت کچھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ اسلام کے قدیم رسوم کے مطابق کوئی نابینا آدمی بادشاہ نہیں ہوسکتا تھا لیکن سندھیا نے بادشاہ کو باضابطہ معزولی کی دلشکنی سے بچانے کے لیئے ریاست کا تمام کاروبار اپنے سر لے لیا۔ بادشاہ کو مناسب شان و شوکت کے ساتھ تخت نشین کیا گیا
اور سب سے پہلے پیشوا اور پٹیل کی طرف سے نذریں گزرانی گئیں۔ اس واقعے کے دو برس صفحہ ۱۴۳
سے کچھ ہی کم بعد ڈی بائن نے لکھا تھا کہ شاہ عالم اب بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں منبع عظمت و شان و سرچشمۂ عزت و احترام سمجھا جاتا ہے اور خود سندھیا اس عظمت و احترام کا سب سے پہلا تسلیم کرنے والا ہے۔ شاہی اخراجات کے واسطے نو لاکھ روپے سالانہ کی ایک تفصیلی فرد بنائی گئی جس میں گورنمنٹ برطانیہ نے باوجود خراج دینے سے برابر انکار کرنے کے بھی اپنی طرف سے بطور ہمدردی کے (!) کچھ وظیفہ[2] (!!) کا اضافہ کردیا۔ ان لوگوں کی نذر و نیاز روپیہ جو بادشاہ کی حضور میں حاضر ہونا چاہتے تھے بادشاہ کا حق مقرر ہوا۔ زمانۂ رفتہ کی ایک پرعظمت سلطنت کا یہ نشان دو پشت تک اور برقرار رکھا گیا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں نے اقتدار حکومت ہندوستان میں حاصل کرلیا ہے

[1] یہ ایک کثیر العمود کمرہ ہے جو سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مزین ہے اور اُسکی ایک محراب پر یہ شعر لکھا ہے

اگر فردوس بر روئے زمین است ؛ ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

لیکن جیسے جیسے منظر وہاں پیش آتے ہیں وہ اس دیوان خاص کو اس صفت کا بالکل ضد قرار دیتے ہیں ۱۲ مصنف

[2] سنہ ۱۸۰۳ء کی فوجکشی کے بعد لارڈ ولزلی نے شاہ عالم کے لیئے نوے ہزار سالانہ کا وظیفہ علاوہ مواضعات جاگیر کے مقرر کردیا تھا۔ ۱۲ مصنف

اُس کے بہت عرصہ بعد تک بھی کمپنی کی سکہ زنی بادشاہ کے نام پر ہوتی تھی۔ ۱۸۱۵ء میں لارڈ موئرا نے صرف اس وجہ سے دہلی جانے سے انکار کر دیا تھا کہ شاہ عالم کے بیٹے اور جانشین نے اس گورنر جنرل سے برابری کے پیمانے پر ملنے کو کسرِ شان سمجھا تھا۔ برابر ڈھنڈھورا پیٹتے وقت کہا کرتے تھے "خلک (خلق) خدا کی۔ مُلک بادشاہ کا۔ حکم کمپنی بہادر کا"۔ شاہ دہلی کے ساتھ جو عام عقیدت وارادت تھی اُس کا سب سے بہتر ثبوت ۱۸۵۷ء میں ملتا تھا جبکہ باغی تلنگوں نے شاہ عالم کے پوتے کے گرد جمع ہوکر اپنی مٹی خود خراب کی۔ اس غدر کے بعد جب دہلی پر برطانوی قبضہ ہوگیا تو تیموریہ خاندان کا آخری نام لیوا بہادر شاہ برما بھیجدیا گیا جہاں وہ اور اُس کا ولیعہد دونوں قید فرنگ میں وطن سے دور مرگئے اور شاہی خاندان کے دوسرے افراد عام مخلوق میں رل مل گئے ؛

غرض یہہ کہ سندھیا کو سلطنت دہلی کا منجکن کہنا صحت و انصاف کے خلاف ہے بیشک جب وہ خود سخت مصائب میں مبتلا تھا تو وہ ایک ایسے ضعیف بادشاہ کی حفاظت وحمایت نہیں کرسکا جو خود بھی اُس کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا اور اُس کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ ممکن تھا کہ سندھیا اُن قابل افسوس واقعات کو روک دیتا جو ۱۸۰۳ء کے موسم بہار میں محل شاہی کے اندر پیش آئے لیکن اس قسم کے ممکنات کا اندازہ لگانے کے ذرائع سندھیا کے پاس ہم سے بہتر تھے ہم یہہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سندھیا نے ایک مخبوط الحواس خبیث کی حرکات مذبوحی کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ہو کیونکہ یہی سفاک موذی اب تک ممتاز قابلیت اور ہمت والا سردار سمجھا جاتا رہا تھا۔ اور جب مجبور ہوکر سندھیا کو مداخلت کرنی پڑی تو وہ مداخلت بالکل مفت گھر بیٹھے کی نہیں تھی بلکہ اُس میں خود سندھیا کو اور اُس کے حمایتوں کو محنت اور تکلیف اُٹھانی پڑی اور آخرکار جب بمدت تمام اُس کی مساعی کو کامیابی حاصل ہوگئی تو اُس نے اپنی فطری معاملہ فہمی سے کام لیا اور سلطنت کے جتنے ٹکڑے بچے کھچے رہگئے تھے اُنھیں سنبھال کر رکھ لیا اور باوجودیکہ وہ تمام قوت و اختیار کا دھنی بنگیا تھا مگر اُس نے شاہی آداب و احترام کو اتنا ہی ملحوظ خاطر رکھا جتنا کہ عام رعایا رکھتی تھی ؛

صفحہ ۱۴۳

باب ہفتم

سندھیا اور جنرل ڈی بائن

شاہ عالم کو ذوق سخن بھی تھا۔ فارسی شعر کہتا تھا اور آفتاب تخلص کرتا تھا۔ ایک خاص نمونہ اُس کے کلام کا اب تک محفوظ ہے۔ یہ ایک فارسی غزل[1] ہے جس میں خدا سے اس وقت فریاد کی ہے جبکہ غلام قادر نے اُس کی آنکھیں نکلوا ڈالی تھیں۔ اس میں کے پانچ شعر یہ ثابت کرنے کو نقل کیے جاتے ہیں کہ اس سوانح عمری کے ہیرو کے متعلق جو خیالات شاہ عالم کے دل میں احیاء اتحاد اسلامی کے وقت تھے اُن میں کس قسم کا تغیر پیدا ہو گیا تھا:۔

داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد		کیست جز ذات مبرا کہ کند یاری ما
شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت بامن		زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما
مادھوجی سندھیا فرزند جگر بند من ست		ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند		چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما
راجہ و راؤ زمیندار امیر و چہ فقیر		حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخواری ما

(۱) اشعار کا اردو ترجمہ گلشن ہند میں اس طرح ہوا ہے:۔

کی اس افغاں بچہ نے شوکت شاہی برباد		کون پہونچے گا خدا چھٹ[2] اب مری یاری کو
شاہ تیمور سے ہے اک سر نسبت مجھکو		دور کیا ہے جو کرے دور دل آزاری کو
مادھوجی سندھیا فرزند جگر بند کے ہاتھ		ہو گی بے رونقی اس طرز جفا کاری کو
آصف الدولہ اور انگریز ہیں میرے دلسوز		کیا عجب آویں اگر میری مددگاری کو
راجہ و راؤ زمیندار امیر اور فقیر		چاہیئے سمجھے سعادت میری غمخواری کو

---

[1] گلشن ہند (صفحہ ۱۰ و ۱۱) مطبوعہ سنہ ۱۹۰۶ء

[2] یعنے سوائے خدا کے

یہ اشعار عقل سلیم اور اُمید واثق کا پتہ دیتے ہیں۔ آخر کار اُفتادہ بادشاہ میں یہہ تمیز کرنے کی قابلیت آ گئی ہے کہ اصلی دوست کون ہیں تیمور شاہ خلف احمد شاہ درانی نے شاہ عالم کی صفحہ ۱۴۶ بیٹی سے عقد کیا تھا اور اُس سمت سے اگر کوئی امداد آتی تو وہ آخر میں مصیبت ہو کر رہتی۔ لیکن اور سب تو ایسے تھے جو مدد کر سکتے تھے۔ آصف الدولہ نواب اودھ تھا جس نے ہمیشہ اُس سلطنت کے معاملات کے ساتھ دلبستگی کا اظہار کیا تھا جس کا وہ موروثی وزیر تھا خواہ وہ دلبستگی کتنی ہی اُکھڑی ہوئی کیوں نہو۔ یہی انگریزوں کی بلکہ بنگال کی انگریزی گورنمنٹ کی نسبت کہا جا سکتا ہے جن کو شاہ عالم کے فرمان کے مطابق مشرقی صوبوں پر حکمرانی کرنیکا ادعا تھا۔ البتہ سندھیا پر نابینا بادشاہ کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اور بجائے اس کے کہ غفلت کا الزام اس کو دیا جائے فرزند کہکر اُس کو خطاب کیا گیا ہے۔ بہر حال یہہ امید موہوم نہیں ثابت ہوئی کیونکہ سندھیا نے حق فرزندی ادا کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اس کے بعد بھی سندھیا اپنے اس انکسار پر قائم رہا جو اُسے بہت عزیز تھا اور اپنے تئیں محض پٹیل اور پیشوا کا ایک ملازم اور وکیل ہی کہتا رہا جو سلطنت مغلیہ کا اصلی نائب السلطنت تھا چنانچہ ہندوستانی تذکروں میں اُس کا ان مل بے جوڑ نام ہمیشہ مہاراجہ پٹیل ہی لکھا جاتا ہے۔ بہر حال اب بادشاہ سلامت نے اُسے مدار المہام عالی جاہ بہادر کا شاندار خطاب عطا فرما دیا تھا اور اب اگر سندھیا محض پٹیل ہی رہنا پسند کرتا تھا تو وہ محل شاہی کا پٹیل ہو گیا تھا۔

اس انقلاب نے سندھیا کی حیثیت کو بہت بالا کر دیا تھا۔ محمد بیگ اور غلام قادر کی ذات میں اسلامی مخالفت کے دو زبردست سیلاب سندھیا کی جان کے لئے صفحہ ۱۴۷ موجود تھے مگر وہ دونوں اب خود سیلاب فنا میں بہگئے تھے۔ اسمٰعیل بیگ ابھی باقی تھا مگر اس وقت تو اُس کو بھی قابو میں کر کے امن پسند بنا دیا گیا تھا کیونکہ رانا خاں نے اچھی طرح اُس کی تالیف قلب کر لی تھی۔ سندھیا نے اس بہادر مگر ان گھڑ تیغ آزما کے لئے ایک اور وجہ مصروفیت اس طرح نکال لی کہ نجف قلی خاں کی جاگیر کا کچھ حصہ اُس کو عطا کر دیا کیونکہ نجف قلی خاں کا حال ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ اس سردار کی جاگیر دہلی اور الور کے درمیان ضلع ریواڑی میں واقع تھی اور اکثر میواتیوں اور

جاٹوں کے دعوے و حملے اس پر برابر ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ اب اسمٰعیل بیگ کو جاگیردار ہی بنا دیئے جانے کا اعزاز نہیں حاصل ہوا بلکہ اُس کے لیئے ایک وجہ مصروفیت بھی ایسی نکل آئی جو اُسے شر سے باز رکھنے والی تھی۔ سندھیا سمجھتا تھا کہ اگر کبھی افغان پھر کوئی اسلامی جہاد کرنے کے لیئے لوٹ پڑیں تو اسمٰعیل بیگ کا کوئی بھروسا نہیں تھا کہ اُنکی شرکت نہیں کریگا۔ ہم نے اُس سردار کو مغل میوراڈ کہا ہے۔ یہہ شخص بدقسمت شاہ پلس سے کئی قسم کی مشابہت رکھتا تھا اور ایک خاص انداز مشابہت یہہ تھا کہ کبھی اُس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہہ جگر کوئی کام کیئے جائیگا یا کچھ کرتے وقت معمولی پیش بینی سے بھی کام لیگا؛

ایک اور مشکل جو سندھیا کو درپیش تھی وہ یورپین افسروں کی قلت تھی۔ میڈاک فرانس چلا گیا تھا جہاں وہ ایک مقاتلت (Duel) میں مارا جاچکا تھا۔ ڈی بائن لکھنؤ میں نیل کا کاروبار کر رہا تھا اور جو افسر اُس کی جگہ مقرر ہوا تھا وہ یکایک کہیں غائب ہوچکا تھا اور عام خیال یہہ تھا کہ جس وقت غلام قادر خاں کو میرٹھ کے دہقانوں نے گرفتار کیا ہے اُس وقت اُس کا جواہرات سے لدا ہوا کوتل گھوڑا اس افسر کے ہاتھ آگیا اور وہ اُس دولت کو لیکر لاپتا ہوگیا۔ اب سندھیا کو پہلے سے زیادہ یہہ یقین ہوگیا تھا صفحہ ۱۴۸ کہ یورپین افسروں کی تربیت و قیادت میں قواعد داں پیدل سپاہ اور توپ خانے سے زیادہ کوئی فوج کارآمد نہیں ہوتی اس لیئے اُس نے نہایت دانائی سے کام لیکر یہ عزم کیا کہ ڈی بائن کو پھر جن شرائط پر وہ آنا چاہے بلالے۔ بعد کے زمانے میں ڈیوک آف ولنگٹن نے دیگر معاملات کو زیر نظر رکھکر یہہ رائے ظاہر کی تھی کہ یہہ مسلک خردمندی کا نہیں تھا اور مرہٹے بہت زیادہ زبردست رہتے اگر وہ اپنی ملازمت میں کسی یورپین افسر یا پیدل سپاہ کو نہیں رکھتے۔ مگر اس رائے کو گردوپیش کے حالات سے تطبیق دیکر پرکھنا چاہیئے۔ اُس وقت یہی کہا جائیگا کہ قرون وسطیٰ کے انداز کے مطابق فوجوں کی ترتیب و صف آرائی جو کچھ ہوا کرتی تھی اُس کے مقابلے کے لیئے فلسفیانہ فن حرب کا معمولی شائبہ بھی بہت ہوا کرتا تھا۔ اس کا ثبوت ابھی بہت کچھ گزر چکا ہے اور آگے اور آئیگا؛

ایم ڈی بائن اُس وقت ہندوستان بھر میں بڑا قابل اور باوفا سپاہی تھا اور ہرگز سخت کام سے جی چرانیوالا نہیں تھا۔ لیکن اُس نے فن حرب کو کیسی کیسی

نفیس درسگاہوں میں حاصل کیا تھا۔ یعنے اُس آئرش بریگیڈ میں جو معرکۂ فونٹنے نائے میں شریک ہوئی تھی۔ ملکۂ کیتھرین کی اُس فوج میں جو ترکوں سے لڑی تھی اور مدراس کی دیسی فوج میں اور وہ بھی میسور کی خاص ہلچل کے وقت۔ اس لیئے وہ فلسفیانہ فن حرب کے اصول سے واقف تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان اصولوں کو ہندوستان کی مخلوق اور ہندوستان کے حالات پر استعمال کس طرح کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑھکر حوصلہ شکن اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ باوجود تمام علم و تجربہ کے آپکو دو پلٹنوں کی اور ایک ہلکے سے میدانی توپ خانے کی قیادت مل جائے اور آپکا سپہ سالار کوئی قسمت کا دھنی بھشتی ہو یا کوئی وہ خود ساختہ مرہٹہ ہو جس کے اصلی وسائل جنگ میں فتح کے وقت ایک بانس کا بھالا ہاتھ میں ہو اور شکست کے وقت ہوا کی سی تیزی پاؤں میں ہو؛ صفحہ ۴۹

بہرحال خود سپہ سالار کل ہونا۔ خود ایک باقاعدہ فوج کو ترتیب دینا اور میدان میں لیجانا وہ بھی اس طرح کہ اپنی مرضی کے مطابق ترتیب صفوف کی گئی ہو اور کسی دوسری بیقاعدہ فوجوں کے پیچھے نہ رہنا پڑے۔ یہہ ڈی بائن کے حوصلے برابر اُسوقت سے تھے جب سے اس نے کلکتہ چھوڑا تھا۔ اور اُس نے فوجی ملازمت سے دستبردار ہوکر دوسرا مسلک صرف اُسی وقت اختیار کیا تھا جبکہ وہ یہہ سمجھ گیا تھا کہ اُس سے صرف یہی امید رکھی جاتی ہے کہ وہ ناقابل سرداروں کا ماتحت بنا رہے اور دوسروں کی غلط کاریوں کے خمیازہ میں تمام جوکھم اپنے سر لیتا رہے؛

سندھیا نے بھی اپنی طرف سے کوئی نا ملائم شرائط نہیں پیش کیں۔ اُس کے سر پر تمام مشکلات سے بڑھکر یہہ مشکل آپڑی تھی کہ اب اُس کی باقاعدہ فوج میں غدر پھیل رہا تھا۔ اس فوج کا کرنل آٹھ ماہ کی تنخواہ غبن کر کے فرار ہوگیا تھا اور مہینوں تک تنخواہ نہ ملنے کی مصیبت ایسی ہے جو صرف تنخواہ کے لالچ بھرتی ہونیوالے سپاہی خواہ وہ کتنے ہی قواعد داں کیوں نہوں ہرگز نہیں برداشت کر سکتے۔ ادھر سندھیا کا مزاج ایسا تھا کہ خواہ غدر کے اسباب کتنے ہی حق ہوں مگر اُسے غدر کا نام زہر معلوم ہوتا تھا۔ غرض یہہ کہ ڈی بائن سے فوراً معاملہ طے کیا گیا اور اُسے پورے اختیارات تمیزی کام میں لانے کی پروانگی دیدی گئی۔ ڈی بائن نے سندھیا کو کسی نہ کسی طرح یہہ سمجھا لیا کہ اُس نے جو یہہ سوچا ہے کہ باغی پیدلوں پر اپنے رسالے سے دھاوا کر کے اُنھیں فنا کر دیا جائے اس پر عمل کرنیسے

بازرہے اور تمام باغیوں کے ساتھ بہت جلد مناسب کارروائی کردی جائیگی۔ اسکے بعد ڈی بائن نے سزا کی علانیہ دھمکیوں سے اور معافی کے خفیہ کنایوں سے نرم گرم کرکے باغیوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ سب اپنے ہتھیار رکھدیں اور بلا ہتھیار کے میدان میں کھڑے ہوجائیں۔ اس کے بعد تمام باغی پلٹنوں کو ضابطے سے برخاست کردیا گیا اور پھر اس نئے سپہ سالار نے سب سپاہیوں کو نئی شرطوں پر بھرتی کرلیا اور اُن کی نصف بقایا بھی وہیں بے باق کردی۔ لیکن اُس نے اُن افسروں کو ضرور سزائیں دیں جو اس بے چینی کی تحریک کے باعث ہوئے تھے۔ اس سب کارروائی کے بعد نئے سپاہی اودھ اور روہیلکھنڈ سے بھرتی کیئے گئے۔ یہہ وہی دونوں صوبے ہیں جو بعد کو اس بنگالی فوج کے گہوارے بننے والے تھے جس نے ۱۸۵۷ء میں خودکشی کی۔ اس نئی اور زبردست فوج کے چھوٹے سردار پرانی پلٹنوں کے چیدہ سپاہی مقرر کردیئے گئے۔ اس ترکیب سے ایک نمائشی سزا ایسے جرم کی پاداش میں دیدی گئی جس میں ملزمین کی نیت کچھ زیادہ مجرمانہ نہیں تھی۔ اور جو قیمتی مصالحہ یوں ہی برباد ہوجاتا وہ آیندہ ضرورت کے لیئے لگا رہنے دیا گیا ؛ ۱۵۰ صفحہ

نئی فوج جو سندھیا کی خاص منظوری کے ساتھ مرتب کی گئی تھی رفتہ رفتہ تین بریگیڈ تک ترقی کر گئی اور ہر بریگیڈ میں آٹھ پلٹنیں تھیں۔ کچھ مغل سوار تھے اور چالیس توپیں تھیں۔ ہر پلٹن میں ایک یورپین قائد تھا اور چند فرنگی یا نیم فرنگی کپتان تھے۔ سپہ سالار کل کی تنخواہ اول اول چار ہزار روپے ماہانہ مقرر کی گئی مگر بعد میں بڑھا کر چھ ہزار کردی گئی اور اس کے بعد ہی علی گڑھ کے قریب بعض اچھی آمدنی والے اضلاع اُس کے نام اس غرض سے کاٹ دیئے گئے کہ اُن کی تحصیل سے وہ اپنے سپاہیوں کی تنخواہ اور سپاہ کے دیگر اخراجات کا انتظام کرتا رہے۔ اور یہہ اضلاع سپہ سالار کل کے بلاواسطہ انصرام میں تمام وکمال دیدیئے گئے۔ یہہ انتظام سلسلۂ جاگیرات یا تنخواہ جائداد کا اصلی نمونہ ہے اور ہم بعد میں اس پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے ؛

تابڑتوڑ محنت و سرگرمی کے ذریعے سے یہہ فوج ۱۷۹۰ء میں اس درجہ پر پہنچ گئی کہ اُس کو اچھی خاصی تیار کہا جاسکتا تھا اگرچہ ابھی اس کو پابندی ضابطہ کے سندان پر ضربیں کھانی تھیں آتش جنگ کی بھٹی میں تپایا جانا تو بجائے خود رہا۔ پھر بھی پورے

صفحہ ۱۵۱ لشکر میں بقیہ فوج کے مقابلے میں ڈی بائن کی سپاہ بالکل ایسی تھی جیسی کہ نیزے میں ڈانڈ کے مقابلے میں انی ہوتی ہے۔ اور بہت جلد ایک ایسا موقعہ بھی آگیا جس پر اس پورے نیزے کی آزمائش بھی میدان جنگ میں ہوگئی۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ اسمٰعیل بیگ کی نیت اور اُس کی حرکتوں سے کیسا تذبذب ظاہر ہو رہا تھا اور کس قدر کم بھروسا سندھیا کو اُس کی قابلیت یا وفاداری پر تھا۔ ہم ابھی راجپوت سرداروں کی اور سندھیا کی مخاصمت کا بھی حال لکھ چکے ہیں۔ یہ راجپوت اب تک جبراً قہراً کچھ دبے ہوئے تھے لیکن اب اُنہیں ایک مرتبہ پھر دست وگریباں ہونے کی ہمت آگئی تھی اور اسمٰعیل بیگ جو اس قسم کی آویزشوں کو سیر وشکار کی سی تفریح سمجھتا تھا فوراً اپنی میوات کی نکمی زندگی کو خیرباد کہکر جیپور اور جودھپور کا شریک ہوگیا جو اس امید پر اپنی جارحانہ کارروائیوں کو ابھی ملتوی کیئے رہے تھے کہ عنقریب کابل وغزنی سے تیمور شاہ حملہ کریگا؛

اس اتحاد کا شیرازہ توڑنے کے لیئے سندھیا نے ایک زبردست مہم بھیجی جس کی سرکردگی ایک گوپال راؤ بھاؤ۔ دوسرے آگرے کے مشہور مدافع لکوا دادا کے سپرد تھی۔ اس مہم کے ساتھ جنرل ڈی بائن کی نئی فوج بھی کردیگئی اور یہ سب جے پور کی طرف اس غرض سے روانہ ہوئے کہ اسمٰعیل بیگ کو اپنے راجپوت اتحادیوں کے ساتھ شریک ہونے سے روکیں۔ کیونکہ اسمٰعیل بیگ اپنے ساتھ اپنے خاص مسلح جنگجو اور بہت سے مغل فوج سے برخاست کیئے ہوئے افغانی اور ایرانی زرہ پوشوں کو بھی لایا تھا جنھوں نے اس کی پہلی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ اور ان سب کو لیئے ہوئے اپنے اتحادیوں سے ملنے مقام مقررہ پر روانہ ہو رہا تھا؛

ہم نے ان لوگوں کو مسلح جنگجو اور زرہ پوش خاص اسی لیئے کہا ہے کہ اسوقت سندھیا کے سر جو کام آپڑا تھا وہ موجودہ فن حرب کا قرون وسطیٰ کے فن حرب سے اور بندوقچیوں کا شمشیر زنوں اور نیزہ بازوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ معرکۂ پانی پت کا تفصیلی صفحہ ۱۵۲ حال باب دوم میں ہم نے اس غرض سے بھی بیان کیا ہے کہ ناظرین کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے نوجوان مرہٹے نے اُس معرکے میں پہلی مرتبہ اس قسم کے فن حرب کی آزمائش ہوتے ہوئے اور اس آزمائش کو بری طرح ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ دُرانی کے مسلح زرہ پوشوں نے جنوبی ہند کی فوج کو باوجود ابراہیم گارد ی کی

زبردست کوشش رہی کہ بالکل فنا کر دیا تھا۔ اس لیئے ہم اُس کو سندھیا کی باریک بینی اور معاملہ فہمی کا بیّن ثبوت سمجھتے ہیں کہ اُس نے اس ہجوم اسباب میں سے حقیقت کو انگشت تاڑ لیا تھا اور یہہ سمجھ لیا تھا کہ ابراہیم گاردی کی شکست سے جو طریقۂ جنگ نمیا کیا گیا تھا اس میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا تھا۔ گاردیوں نے ایرانی رسالے کو پانی پت پر اچھی طرح شکست دیدی تھی اور اگر تمام مرہٹہ سپاہ اُنھی کی سی ہوتی تو جملہ صفوف جنگ میں یہی نوبت آ کر رہتی۔ ہم کہتے ہیں کہ سندھیا نے اپنی باریک نظر سے یہہ بات دیکھ لی تھی۔ پھر اُس نے کرنل گوڈارڈ کے معرکے میں بھی یہی دیکھا اور شاید بعد کے زمانے میں اُس نے ایم ڈی بائن کے منھ سے برنیر کی وہ رائے سنی ہوگی جو اُس نے عروج سلطنت مغلیہ کے زمانے میں ظاہر کی تھی کہ ٹیورین یا کانڈی کی سرکردگی میں پچیس ہزار عمدہ سپاہ مغل اعظم کے تمام جیش از مور و ملخ لشکر کو پامال کر کے رکھدینے کیلیئے کافی ہے۔

غرض یہہ کہ اس نتیجے کو اب حقیقی جنگبازی کی کسوٹی پر کسنا تھا۔ سندھیا نے اپنی فوج ایچ سنہ ۱۷۹۰ء میں متھرا سے روانہ کی۔ ڈی بائن اگرچہ اس مہم کا سپہ سالار اعظم نہیں تھا مگر میدان جنگ میں پہنچتے ہی اُس نے اصلی قیادت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ اوائل ماہ مئی سنہ ۱۷۹۰ء میں یہہ فوج گوالیار سے گزری اور یہاں سے سبک سیر مرہٹہ رسالے کی ایک ٹکڑی آگے کا راستہ صاف کرنے اور دشمن کے قیام و رفتار کی خبریں لانیکے لیئے آگے بھیجدی گئی۔ ۱۰ مئی سنہ ۱۷۹۰ء کو ان گرد آوروں نے خبر بھیجی کہ اسمٰعیل بیگ نے گوالیار اور اجمیر کے درمیانی کوہستانی ملک میں مقام پاٹن پر خندق زنی کر رکھی ہے جو مقام لالسوٹ سے بہت دور نہیں تھا جہاں سنہ ۱۷۸۷ء میں تین روز تک ایک معرکہ ہوا تھا۔ راجپوت قریب ہی تھے اور جن فوجوں کے آپس میں مل جانیکا خطرہ لگا ہوا تھا وہ آسانی سے مل جاسکتی تھیں اور یہہ راجپوت کس قدر خطرناک تھے اس کا حال بعد کو لکھا جائیگا۔ باوجودیکہ راجپوت زیادہ چالاک نہیں تھے اور قواعد دانی سے بھی بالکل نابلد تھے پھر بھی وہ فطرۃً بڑے جانباز تھے اور خاصکر جودھپور کے راجپوتوں کا ایک قبیلہ موسومہ راٹھور تو ایسا سخت تھا کہ اس زمانے کے کچھ ہی سال بعد اُن کی ایک جمعیت ڈرینک کی اُس برگیڈ کو روندتی چلی گئی تھی جس کی سرکردگی فرانسیسی افسروں کے سپرد تھی دراں حالیکہ برگیڈ مذکور کی باقاعدہ توپوں کے گرابوں نے ان راجپوتوں کے

پندرہ سو سواروں کو خاک و خون میں لوٹا دیا تھا۔ لیکن موجودہ موقعہ پر ڈی بائن کے نئے سپاہی اس امتحان سے بچے رہے۔ سندھیا کی نظر اس وقت چاروں طرف لگی تھی اور اُس نے نذرانوں اور وعدوں کے گویا انبار لگا دیئے اور اِن بہادر ہندووں سے جو امداد مسلمان حوصلہ مندوں کو مِلنے والی تھی وہ رُکی رہگئی۔ اب اپنے ہی بل بوتے پر اسمٰعیل بیگ نے تین ہفتے تک اپنے مورچوں کو مرہٹوں کی یورشوں کے مقابلے میں برابر بچائے رکھا آخر کار اُس کا کمزور دامن استقلال ہاتھ سے چھوٹگیا اور غالباً اُس کا سامان رسد بھی ختم ہوگیا تو اُس نے ۱۹ ہر جون سنہ ۱۷۹۰ء کو جارحانہ پہلو اختیار کرنے کے لیئے اپنے مامن سے خروج کیا۔ مغل زرہ پوش اور سلح جنگجو قرنائیں پھونکتے طبل جنگ بجاتے اور اپنے ہتھیار ہلاتے ہوئے۔ آندھی پانی کی طرح ڈی بائن کے میدانی توپ خانے پر چڑھ آئے اور توپوں کے منھ پر توپچیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ اس دھاوے کے دوران میں مورچوں کی توپوں سے ڈی بائن کی پیدل سپاہ پر گراب کی بھرمار الگ ہورہی تھی اور صفحہ ۵۴
ڈی بائن نے جب دشمن کے سواروں کو پھر دھاوا کرتے دیکھا تو اپنی سپاہ کو مربع کی شکل میں ترتیب دے لیا جس طرح کہ ٹھیک ایک ربع صدی بعد ولنگٹن نے کیا تھا۔ دن ڈھلے ڈی بائن نے دشمن کی طرف سے کچھ تکان کی علامتیں نمودار ہوتی محسوس کرکے میدان کا پانسا پلٹ دینے کا عزم کرلیا۔ صف جنگ میں سب سے آگے ہوکر اُس نے اپنی اب تک قائم رہنے والی صفوف کو آگے بڑھایا اور دشمن کے مورچوں پر دھاوا کردیا۔ پہلا مورچہ تو محض اس دھاوے کے صدمے سے ٹوٹ گیا۔ دوسرے مورچے پر سخت رن پڑا لیکن آٹھ بجے رات کو وہ بھی توڑ دیا گیا اور تیسرا مورچہ اُسکے آدھے گھنٹے بعد سر ہوگیا۔ اب دشمن نے مدافعت ترک کردی اور ان کے سرداروں نے اپنے چیدہ ہمراہیوں کو ساتھ لیکر میدان سے فرار ہوکر جے پور میں پناہ لینے کا ارادہ کیا ہلکر اس وقت متعاقبین میں قریب ترین تھا اور اُس کی اس وقت کی ضد نے وہی کام کیا جو ۱۸۱۵ء میں بلیو کرنے کیا تھا اور تعاقب ناکمل رہگیا۔ بہرحال اسمٰعیل بیگ نے

ل؎ پروشیا کا مشہور جنرل تھا جس نے ۱۸۱۵ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کا شریک ہوکر معرکۂ واٹرلو میں نپولین کو شکست دی تھی۔ ۱۲ مترجم

اپنی توپیں۔ اپنا خیمہ و خرگاہ۔ اپنے ہاتھی اور سب کچھ ضائع کر دیا۔ اور دوسرے دن اس کی باقاعدہ پلٹنیں اور دس ہزار بیقاعدہ فوج آ کر مرہٹوں کی شریک ہو گئیں۔ ڈی بائن نے اس معرکے کی تفصیل میں مغل سواروں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی ہے اور اپنی کامیابی کو صرف اپنی پلٹنوں کی پامردی سے منسوب کیا ہے۔ آخر میں وہ کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے سندھیا کی تمام دلی تمناؤں کو پورا کر دیا۔ ڈی بائن کے سپاہی کیسی پامردی سے لڑے ہونگے اس کا اندازہ ایکسو بیس مقتول اور چارسو بہتر مجروحوں سے ہو سکتا ہے۔ دشمن کی فوجوں کی مجموعی تعداد بیس ہزار سوار اور پچیس ہزار پیدل تھی جکے ساتھ سو ضرب توپیں تھیں۔ لیکن یہہ کل سپاہ مصروف کارزار نہیں ہوئی اور جتنی فوج سے کام لیا گیا اُس کو اِن دس ہزار کی پامردی کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی جن میں اکثر نوجوان ایسے تھے جنھوں نے کبھی غصہ میں بھی گولی چلتی نہیں دیکھی تھی ؛

اسمعیل بیگ کو معقول امداد نہ دینے پر پرتاب سنگھ راجہ جیپور کو یہہ الزام دیا جا سکتا صفحہ ۱۵۵
ہے کہ اُس نے پست ہمتی کا اظہار کیا۔ لیکن کچھواہا قبیلے کے لوگ جن کا سردار پرتاب سنگھ تھا صلح پسند لوگ تھے اور اُن کی بود و باش ایسے مقامات پر تھی جہاں تک کسی دشمن کی رسائی بمقابلہ اُن کے دوسرے مارواڑیا جودھپور والے راجپوت برادروں کی سکونتوں کے زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتی تھی۔ بوڑھا بجے سنگھ راجہ جودھپور بھی آخرکار سندھیا کی زبردست فوجوں کے سامنے مغلوب ہو گیا لیکن اس سے پہلے اُس نے ایک دفعہ دست و گریبان ہو لینے کی ٹھان لی تھی جس کو اُس نے اس بھونڈے پن سے شروع کیا کہ ڈی بائن کو بھی اُس زمانے کا کوئی ہندوستانی خدمت فروش سمجھ کر اُسکا ایمان بگاڑنا چاہا۔ چنانچہ اُس نے ڈی بائن کے پاس ایک پیام بھیجا جس میں اول تو بہت کچھ تعریف و توصیف اُس جوانمردی و قابلیت کی کی گئی تھی جو سپہ سالار مذکور نے حال ہی میں ظاہر کی تھی بعد ازاں اُس کو اجمیر اور اُس کے مضافات دینے کا وعدہ کیا گیا تھا بشرطیکہ وہ آ کر راجپوتوں کا طرفدار بن جائے اور سندھیا کے خلاف لڑے۔ لیکن ڈی بائن نے نہایت مہذب تمسخر ظریفی کے ساتھ یہہ جواب کہلا بھیجا کہ سندھیا نے مجھے نہ صرف اجمیر بلکہ تمام علاقۂ جے پور و جودھپور عطا فرما دیا ہے اس لیئے میرے معزز مکتوب الیہ کو اپنی پیش کی ہوئی رشوت کی کم مائگی کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲۱؍ اگست سنہ ۱۷۹۱ء کو سپہ سالار مذکور نے اپنی تعلّی پوری کر دکھانے کے لیئے شہر اجمیر میں داخلہ شروع کیا جو استحکام و قلعہ بند فوج کے اعتبار سے اتنا بھی نہیں تھا کہ کچھ بھی مدافعت کر سکتا۔

یہ مشہور شہر ایک سطح مرتفع کے قلب میں اس حصۂ اقلیم ہند کا بین البحور (Water shed)
صفحہ ۱۵۶ ہے جسمیں اس کے حدود واقع ہیں اور ہندوستان کی سطح سرزمین میں بلندترین مقام ہے اس کی حد شمالی پر ریاستہائے جودھپور و کشن گڑھ ہیں۔ مغرب میں جودھپور ہے جنوب میں اودیپور ہے اور مشرق میں کشن گڑھ اور جے پور کے علاقے ہیں۔ کوہستان اراولی کا سلسلہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے جس کی سب سے بلند چوٹی پر جو سطح سمندر سے ۲۸۵۵ فیٹ اونچی ہے قلعۂ تاراگڑھ واقع ہے جو راجگان جودھپور کا ایک پختہ قلعہ سلطان بابر کے زمانے کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ اس پر شہنشاہ اکبر نے قبضہ کر کے جھیل کے کنارے ایک محل تعمیر کرایا اور شہر کے گرد سنگین فصیل کھچوادی اور یہہ شہر سلح خانے کا کام دینے لگا۔ سلطنت مغلیہ کے عروج کے زمانے میں یہہ شہر برابر بادشاہ کا مقام تفریح بھی رہا اور ارد گرد کی راجپوت ریاستوں کو اپنی زد میں رکھنے کے لیئے ایک حربی مستقر کا بھی کام دیتا رہا۔ محمد شاہی زوال کے زمانے میں اس پر سندھیا قبیلہ کے ایک سردار مسمی جے اپا نے بجے سنگھ کی طرف سے قبضہ کر لیا اور بجے سنگھ نے جے اپا کو قتل کرا کے اس پر خود قبضہ کر لیا۔ سنہ ۱۷۵۶ء میں بجے سنگھ پر ملہار راؤ ہلکر اور جنکوجی سندھیا نے حملہ کیا اور اسکو مجبور کر کے مرہٹہ حکومت کا اُس کو مطیع بنایا مگر بعد میں بجے سنگھ ہی کو مرہٹہ سلطنت کے باجگذار کے طور پر اس قلعے پر اور اس کے ملحقہ اضلاع پر قابض رہنے دیا۔ سنہ ۱۷۸۷ء میں جب جیپور اور جودھپور متحد ہو کر سندھیا کے خلاف اُٹھے تو جودھپور کے راٹھوروں نے اپنے باجگذاری تعلقات کو فسخ کر دیا اور اس کے بعد سے سندھیا کو برابر اب تک یہہ آرزو تھی کہ اُس تعلق کو از سر نو قائم کرے کیونکہ اُس نے سوچ رکھا تھا جس سے راجپوتونکو
صفحہ ۱۵۷ بھی اچھی طرح سبق حاصل ہو جائیگا اور خود سندھیا کی بھی ایک ایسی حیثیت حاصل ہو جائیگی جو دونوں ریاستوں کے باہمی ارتباط کو قطع کردیگی یہہ وجہ تھی کہ بقول جنرل ڈی بائن سندھیا نے سپہ سالار مذکور کو اجمیر دے ڈالا تھا۔

قلعۂ تاراگڑھ اجمیر کو اپنی زد میں لیئے ہوئے ہے اور اس کے چاروں طرف

ایسی عمودی چٹانوں کا قدرتی احاطہ کھچا ہوا ہے جن پر چڑھنا ناممکن نظر آتا ہے۔ جہاں یہہ چٹانیں نہیں ہیں وہاں چڑھائی کو روکنے کے لئیے دیواریں بنی ہوئی ہیں جو تین گز سے زیادہ موٹی اور بیس فیٹ تک اونچی ہیں اور اُن کی ساخت میں پوری پوری چٹانیں تراش کر لگائی گئی ہیں قلعے کے احاطے کے اندر برساتی پانی کے بڑے بڑے تالاب ہیں جن کا پانی کبھی سوکھتا ہی نہیں۔ لیکن باوجود ان تمام خوبیوں اور استحکامات کے اب یہہ قلعہ نئے سپہ سالار کی اُستادی و دیدہ دلیری اور اُس کے نئے انداز جنگ کے سامنے سست قدم راٹھوروں کی کمک پہنچنے سے پہلے تسخیر ہوتا نظر آرہا تھا؛

راجپوتوں کی آمد کی اطلاع پاکر جنرل ڈی بائن نے اپنے دام افتادہ شکار کو تو چھوڑا اور جودھپور کی سڑک پر کوچ کیا۔ البتہ اس قلعے کی ناکہ بندی قائم رکھنے کے لئے ۲۰۰۰ کی جمعیت چھوڑ گیا۔ اُس نے راجپوتوں کو میرتا کی دیواروں تلے لشکر ڈالے ہوئے پایا جو اجمیر سے چھتیس میل فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہہ مقام بجے سنگھ کے واسطے بڑا منحوس تھا کیونکہ اسی مقام پر سندھیا کے چچا نے تیس سال پہلے بجے سنگھ کو شکست دی تھی۔ ۹ ستمبر ۱۷۹۰ء کی شام کو ڈی بائن کو راٹھور لشکر نظر آنے لگا۔ یہہ ایک مسطح میدان میں پڑا تھا جس کی پشت پر خاص شہر تھا جو ایک قطعۂ مرتفع پر واقع تھا اور اسکے گرد کچھ تو مٹی کی دیواریں تھیں اور کچھ پکی فصیل تھی۔ ڈی بائن کے ساتھی گوپال راؤ نے یہہ صلاح دی کہ راٹھوروں پر فوراً حملہ کر دیا جائے مگر ڈی بائن کی قابل تسلیم احتیاط و واقفیت ۱۵۸ صفحہ
آخر کار مرہٹہ سپہ سالار کے جوش و خروش پر غالب آگئی۔ ڈی بائن کا عذر بالکل بجا تھا کہ سپاہی لمبا کوچ کر کے آئے تھے اور خواب و خور کے محتاج تھے۔ علاوہ براں اگر اُس وقت وہ دشمن کو شکست بھی دے لیتے تو بھی بڑھتے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے تعاقب ناممکن تھا۔ مرہٹہ سردار نے ان عذرات کی معقولیت کو تسلیم کیا اور رات کی رات قیام کرنے اور صبح پھٹنے سے پہلے دھاوا کر دینے کا عزم کر لیا گیا۔ دوسری طرف بے خبر دشمن نے تمام رات عیش و طرب میں بسر کی۔ تعداد کے اعتبار سے دونوں فوجیں تقریباً برابر ہی کی تھیں۔ اگر راٹھور سواروں کی تعداد زیادہ تھی تو سندھیا کے سوار بہتر قواعد داں و مسلح تھے۔ راٹھور سواروں کی تعداد تیس ہزار تھی لیکن اُن کی بیدل سپاہ یا اُن کی قیادت ایسی زبردست نہیں تھی جیسی سندھیا کی سپاہ کی تھی؛

ابھی بوڑھا راجہ اور اُس کے ہمراہی نیند سے بیدار بھی نہ ہونے پائے تھے کہ تاروں کی چھاؤں میں کرنل ڈی روہن نے ڈی بائن کی تین پلٹنوں کے ساتھ راٹھوروں کے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ لیکن راٹھوروں کی شکست محض عارضی ثابت ہوئی کیونکہ اُن کے مشہور قبیلہ چانداوت کے ایک رسالے نے جھٹ پٹ ہتھیار سنبھال لیئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آن کی آن میں [illegible] پلٹنوں کو اپنی حد سے نکال باہر کیا اور میمنہ کے مرہٹہ رسالوں پر ٹوٹ کر گرے اور اُن کو اُس طرح اپنے سامنے سے تتر بتر کر دیا جیسے بگولا خس کو اڑا دیتا ہے۔ اور پھر واپس لوٹ آنے کے لیئے اپنی صفیں درست کر لیں۔ لیکن اس عرصے میں یہاں پیدل سپاہ نے اپنے حواس برجا کر لیئے تھے۔ چنانچہ چند دستے سپاہیوں کے اپنی سنگینیں کھڑی کر کے آراستہ ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے توپ خانہ سے معقول آتشباری کر کے اُنھوں نے اُن جانبازوں کا رستہ روک لیا۔ جہاں جہاں اس گوشت کی دیوار میں خلا تھا وہاں وہاں سے میدانی توپیں گراب اُگل رہی تھیں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس واپسی میں چار ہزار چانداوت زینیں خالی ہو گئیں اس آندھی پانی کے سے دھاوے سے پناہ ملنے کے بعد ڈی بائن کی پلٹنیں پھر صف بستہ ہوئیں اور راٹھوروں کے لشکر پر چلیں۔ اور اُن کا توپ خانہ اُن کی پشت پناہی کرتا چلا۔ نو بجے تک صفحہ ۱۵۹
راجپوت بہت اچھی طرح لڑتے رہے۔ دس بجے دشمن اُن کے لشکر میں گھس پڑا۔ پھر وہ بھاگے اور پسپائی میں اُن کے محفوظ رسالوں نے اُنھیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ تمام خیمہ و خرگاہ معہ جملہ ذخائر حرب اور کثیر مال غنیمت کے فاتحین کے ہاتھ آ گیا اور اسی سہ پہر کو شہر میرتا پر بھی دھاوا کر کے قبضہ کر لیا گیا۔

اُدھر تاراگڑھ نے بھی تنگ آ کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور ۱۸ نومبر ۱۷۹۰ء کو بجے سنگھ نے بھی اپنے اُس ناقابل مدافعت دشمن سے صلح کر لی جو اُسی دن جودھپور میں داخل ہو چکا تھا۔ رانائے اودیپور نے بھی بہت جلد جودھپور کی تقلید کی۔ اور اب سندھیا گفش بردار کا اقبال اپنی زیادہ سے زیادہ بلندی پر تھا۔ یہی شخص تھا جو ایک برباد خاندان اور بگڑی ہوئی قوم کا آخری نام لیوا بچا تھا اور جو

چالیس برس پہلے ایک بھلے مانس بہشتی کی مدد سے اپنی جان سلامت لے آیا تھا اور اب وہ تمام وسط ہند اور اکثر حصص شمالی ہندوستان کا مالک بنا بیٹھا تھا۔ لیکن اُس کی عادت یہہ تھی کہ اگر کسی کام میں کچھ بھی بن کیا رہ جاتا وہ سمجھتا تھا کہ کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ دوسری خدمت جو اُس نے اپنے قابل سپہ سالار کے سپرد کی وہ جیپور کی قرار واقعی گوشمالی تھی جہاں اسمعیل بیگ کو شکست کے بعد پناہ دیدی گئی تھی۔ راجہ پرتاب سنگھ اب اکیلا رہگیا تھا۔ اسمعیل بیگ بھی اسے چھوڑکر نجف قلی خاں کی بیوہ کے پاس پناہ لینے چلا گیا تھا جو حال ہی میں وفات پا چکا تھا۔ بجے سنگھ اور دوسرے راجپوت سردار زیر ہوکر مطیع ہو چکے تھے اور خود جیپور بھی جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں کوئی خاص اولوالعزمی یا پامردی رکھنے والا نہیں تھا۔ غرض یہہ کہ ایک حقیر سی مدافعت کی کوشش کے بعد راجہ پرتاب سنگھ نے بھی ہار مان لی۔

اُس گرانقدر اقتدار حکومت کو قائم رکھنے کے لیئے سندھیا نے اب اپنی صفحہ ۱۶۰
اُس سپاہ کو مزید تقویت دینے کا عزم کرلیا جس کے دم قدم سے یہہ اقتدار حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ ڈی بائن کو یہہ ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی جمعیت کی تعداد بڑھاکر ۱۸۰۰۰ پیدل سپاہ۔ کچھ گھوڑ چڑھی فوج اور سلامی میں توپوں کی مزید ضربوں تک کرلے اور اُسکی کفالت کیلیئے ایک قطعہ مُلک اور کاٹ دیا گیا جو دہلی سے متھرا تک چلا گیا تھا اور جسکی حد شمالی آج کل کا بلند شہر ہے۔ اس قطعے کا مجموعی حاصل اراضی بائیس لاکھ سالانہ تھا۔ اور یہہ موازنہ قائم کردیا گیا تھا کہ افسروں اور سپاہیوں کے مشاہرات دینے کے بعد جنرل ڈی بائن کو اس علاقے کی انتظامی خدمات کے صلے میں چالیس ہزار روپیہ سالانہ بھی اسی میں سے ملا کریگا۔ اور چھ ہزار روپیہ ماہانہ جو سپہ سالار مذکور کو اپنے عہدے کی اصلی تنخواہ ملتی تھی وہ اس حساب سے بالکل علٰحدہ تھی اور انعامات واکرامات بجائے خود رہے۔ ڈی بائن نے اپنا مستقر علی گڑھ میں قائم کیا جہاں اُس نے ایک مکان اپنے لیئے بنوالیا جس کا نام صاحب باغ تھا جس کے کھنڈر اب بھی قلعۂ علیگڑھ اور شہر کول کے درمیان نظر آتے ہیں۔ ڈی بائن نے اپنا مخزن حرب

آگرہ کو مقرر کیا تھا۔ لیکن جیپور کی اطاعت نے ابھی جنرل ڈی بائن کو مالی حاکم کی خانہ نشین محنت کی طرف ابھی متوجہ نہیں ہونے دیا تھا کہ اُس کو ایک نئے اور خلاف امید دشمن کے مقابلے میں پھر میدان جنگ میں آنا پڑا۔

سنہ ۱۷۹۰ء میں لارڈ کارنوالس کو واقعات نے اس پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے صلح جو اصول عمل کو خیرباد کہکر ٹیپو سلطان میسور سے مصروف جنگ ہو۔ ابتدائی فوجکشی ناکام ثابت ہوئی۔ سندھیا کا دل برطانوی سپاہیوں کی ہامردی کی جتنی حقیقی قدر کرتا تھا اُتنا ہی برطانوی مدبرین کی حکمت عملی سے وہ بیزار تھا۔ اس فوجکشی کے وقت اُس کی صفحہ ۱۹۱
رائے میں ایک موقع ایسا اچھا آگیا تھا جس سے وہ کسی طرح غفلت برتنی نہیں چاہتا تھا چنانچہ اُس نے گورنر جنرل کے سامنے ایک تجویز اتحاد پیش کی جس کی صرف ایک شرط یہہ تھی کہ دو انگریزی پلٹنیں عارضی طور پر سندھیا کی ذات خاص کے ساتھ تعینات کر دی جائیں اور بقیہ انگریزی فوج راجپوتانہ کی فوجکشیوں میں مرہٹہ فوج کی امداد کرے اور سندھیا بہ نفس نفیس ٹیپو سلطان کے خلاف فوجی کارروائی کرنے جائیگا۔ لیکن یہہ معلوم کر کے سندھیا کو کچھ استعجاب سا ہوا کہ لارڈ کارنوالس نے اس ارمغان وداد کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اگرچہ اس موقعہ پر لارڈ کارنوالس کا انداز دوستانہ رہا مگر اُس کا استرداد ضرور کج خلقی پر دلالت کرتا تھا۔ سندھیا کا محض استعجاب خدشہ کی صورت اختیار کرنے لگا جب اُس نے یہہ دیکھا کہ جو امداد اُسنے خود پیش کی تھی اور مسترد کر دیگئی تھی اب اُسی امداد کے لیئے لارڈ کارنوالس نے دربار پونا سے استدعا کی ہے۔ اور نانا فرنویس نے پیشوا کی طرف سے آئندہ فوجکشی میں شریک ہونے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔

یکم جون ۱۷۹۰ء کو جو معاہدۂ اتحاد ہوا اُس کی رو سے دربار پونا نے دس ہزار سپاہی دینے کا وعدہ کیا تھا دراں حالیکہ نانا فرنویس نے فوراً اپنے وکیل کو بھی دربار میسور سے واپس نہیں بلایا۔ دربار پونا کی امداد بجائے سودمند ہونے کے لارڈ کارنوالس کے لیئے اور مضر ثابت ہوئی لیکن انگریزوں نے جلد ہی یہہ ثابت کر دیا کہ اُن کا دارمدار کسی مرہٹہ امداد پر ہرگز نہیں تھا۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنوالس نے مجارحت شروع کی یکے بعد دیگرے قلعہ جات فتح کرتا چلا گیا اور فروری کے مہینے میں اپنی نہایت زبردست

اور آراستہ سپاہ سے خاص سرنگاپٹم کا گھیرا ڈال لیا ٹیپو سلطان کو مجبور ہو کر ہار ماننی پڑی اور اتنا علاقہ حوالے کرنا پڑا جس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ سے زائد تھی۔ اور باوجود مرہٹوں کی اس بد دلی کی امداد کے بھی اُن کو نئے مقبوضات کا ایک ثلث لارڈ کارنوالس نے محض قدم رنجہ فرمائی کے شکریہ میں نذر کر دیا ؛

سندھیا کو اس طرح نیچا دکھانے اور اکیلا چھوڑ دینے کی یہ کوششیں نانا فرنوس کی طرف سے جاری ہی تھیں کہ ایک اور خطرہ اُسے ڈرانے لگا۔ شمالی یورش کا خطرہ جس کی ہولناک حقیقت کی یاد ابھی تک تازہ ہی تھی پھر سروں پر منڈلاتا نظر آنے لگا۔ سندھیا اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اب تک خواب میں اسٹے متعاقب افغان کے گھوڑے کی ٹاپوں اور ہانپنے کی آواز سنا کرتا ہوں۔ ۱۷۶۱ء کے معرکے کا اعادہ ہر وقت ممکن نظر آتا تھا۔ اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ اس معرکے کا ایک خاص پہلو یہہ نہ ہو جائے کہ پھر کوئی اسلامی اتحاد قائم ہو جائے جس میں شجاع الدولہ کی حمائت اُس کا بیٹا کرتا ہو اور اسمٰعیل بیگ اُس کا پشت پناہ ہو۔ اسمٰعیل بیگ ابھی تک سندھیا سے دور تھا اور اُس کی زد سے باہر تھا لیکن نواب اودھ اُس کی زد کے اندر تھا اور آرام طلب تھا اور اپنی رعایا میں بدنام بھی تھا۔ مگر یہاں انگریز اُس کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ میجر پامر رزیڈنٹ لکھنؤ کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ سندھیا کو صاف لفظوں میں اطلاع دیدے کہ اگر اُس کے کوئی حقیقی دعاوی اودھ پر ہوں گے تو برطانوی گورنمنٹ اپنے بہترین اثر کے ساتھ اُس کی خدمت کے لئے تیار ہے۔ لیکن اُسے یہہ یاد رہے کہ نواب اودھ برطانیہ کا حلیف اور دوست ہے اس لئے جو نقصان کہ نواب موصوف یا اُس کے صوبے کی رعایا کو کسی کے ہاتھ سے پہنچے گا وہ برطانیہ کی ناراضی کا یقیناً باعث ہوگا ؛

صفحہ ۱۶۲

صفحہ ۶۳

باب ہشتم

سندھیا کا عروج کمال

ڈی بائن کی فتوحات راجپوتانہ کے مژدۂ جانفزا نے سندھیا کی اُس تشویش کی بہت کچھ تلافی کردی جو اُسے ہندوستان کی پیچیدہ سیاسیات پر غور کرتے کرتے اپنی دلپسند چھاؤنی متھرا میں پیدا ہوگئی تھی۔ ہندوؤں کی نظروں میں اس شہر کا ایک خاص تقدس و احترام تھا لیکن سندھیا کے دل میں جو بات اس شہر کی گھبی ہوئی تھی وہ شاید اتنی اس کی مذہبی عظمت نہیں تھی جتنی اس کی سیاسی اہمیت تھی۔ یہ شہر سندھیا کے مخزنِ حرب آگرہ اور سلطنت کے دارالحکومت دہلی کے بالکل درمیان واقع ہونے کے علاوہ جاٹ علاقے کو اپنی زد میں لئے ہوئے تھا اور گوالیار کے راستے ہوکر مالوہ اور دکن پہنچنے کے لیئے بڑی آسانی کا مقام تھا۔ فتوحات راجپوتانہ کے بعد جب سندھیا کو انگریزوں کی اور نانا فرنویس کی روش سے کچھ بے چینی پیدا ہونے لگی تو اُس نے ڈی بائن کو ہندوستان میں اپنے اغراض کا محافظ بنا کر خود دربار پونا میں جانیکا عزم کیا؛

صفحہ ۶۴ ہم نے باب چہارم میں مرہٹہ دارالحکومت کی صورت حالات کا ایک خاکہ معاہدۂ سالبائی یعنے ۱۷۸۲ء تک کا کھینچا ہے۔ اس کے بعد سے رگھوبا نظربند کردیا گیا تھا اور مادھوراؤ ثانی برادرِ نراین راؤ مقتول کو پیشوا بنا دیا گیا تھا۔ اور نانا فرنویس نے معاملات سلطنت کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ ملہار راؤ کی بیوہ بہو نے اس انتظام کو پسند کرکے اپنے ملازم تکوجی ہلکر کو یہ اجازت دیدی تھی کہ اندور کی سپاہ کو کبھی میسور کے مقابلے میں اور کبھی سندھیا کے راجپوت اور مسلمان دشمنوں کے مقابلے میں لے جائے۔ بیشمار مثالیں اس معزز خاتون سماۃ اہلیہ بائی کی خردمندی و نیک طینتی کی تاریخ کے صفحات کو مزین کررہی ہیں۔ وہ اپنی تمامی عمر سندھیا کی

بڑی دوست رہی۔ ایک موقعہ پر سندھیا کی اشد ضرورت کے وقت اُس نے تیس لاکھ روپیہ نقد بھی دیا جس کے ساتھ ہی قرض کا نام کر دیا گیا تھا مگر اس قرض کا تقاضا کبھی نہیں ہونے میں آیا؎

اہلیہ بائی اندور میں رہتی تھی جو اس وقت تک ہلکر کے محروسات کا دارالحکومت ہے اور سندھیا کے دارالحکومتِ مالوہ یعنے اجین سے جانبِ جنوب تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھا۔ مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ ہند کے کسی دور میں اس سرسبز ملک کے باشندے کبھی اتنے امن میں نہیں رہے اور کبھی اپنے قدرتی حقوق سے اتنے زیادہ متمتع نہیں ہوتے رہے اور خود حکومت بھی کبھی اتنی ہر دلعزیز نہیں رہی جیسی ان دو نیک طینت اور قابل حکمرانوں کے زمانے میں رہی۔ اہل مالوہ کا یہ دورِ خوش وقتی دیگر ہمسایوں کی پریشان حالیوں اور بداقبالیوں کے درمیان اہلیہ بائی کی وفات سے تیس سال بعد تک قائم رہا اور خلق اللہ اس نیک بی بی کو ہمیشہ اوتار کہکر یاد کیا کرتی تھی۔ ایک ہمعصر خاتون نے کیا سچ کہا تھا کہ اہلیہ بائی کا چہرہ تو بہت خوبصورت نہیں مگر ایک آسمانی نور اُس کے چہرے پر ہر وقت جلوہ فگن رہتا ہے؎

۱۷۹۵ء میں اہلیہ بائی بہت ضعیف ہو گئی تھی کیونکہ سرکاری کام میں پے بہ پے معروف رہنے اور مذہبی ریاضتیں کرنے سے وہ بہت نحیف ہو گئی تھی۔ تکوجی نے اہلیہ بائی کے احکام کی ہمیشہ نہایت احترام و اطاعت کے ساتھ پابندی کی تھی مگر وہ دل ہی دل میں سندھیا کی عظمت و شان پر رشک کیا کرتا تھا اور علاقہ اور آمدنی کی تقسیم سے بالکل غیر مطمئن تھا کیونکہ سب کچھ حاصل تو ہو رہا تھا اندور کی سپاہ کی امداد سے اور سندھیا پکا پکایا مال کھا لینے پر تیار رہتا تھا۔ صفحہ ۱۶۵
آج کل تکوجی مالوے میں تھا اور سندھیا کی قواعد داں سپاہ کے مقابلے کی ایک ویسی ہی قواعد داں سپاہ تیار کر رہا تھا اور اس کام کے لیئے اُس نے شیوالیر ڈیو دربلم کی خدمات حاصل کی تھیں جو بڑا تجربہ کار اور سربرآوردہ فرانسیسی افسر تھا۔ اندور کے اس نبرد آزما کے بگڑے ہوئے تیور کے علاوہ بھی سندھیا کے پاس دیگر وجوہ ایسے تھے جو دربار پونا میں اُس کا دوامی اثر قائم رکھنے کے متقاضی تھے۔ سندھیا اگرچہ

بیرونی اغراض و معاملات میں اس قدر مستغرق رہتا تھا مگر اُس نے نانا فرنویس کیساتھ تعلقات قائم رکھنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی اور انھی تعلقات کے طفیل یہہ ممکن ہوگیا کہ اُسے وقت پر دربار پونا سے وہ امداد مل گئی جو اول اول کچھ بددلی سے اور پھر نہایت فراخدستی سے دی جاتی رہی۔ مگر اب ہلکر کی روش کچھ مخاصمانہ اور نانا فرنویس کی وضع کچھ مشتبہ سی ہوتی جارہی تھی ؛

غرض یہہ کہ سندھیا نے سنٹرل انڈیا میں ہوکر نہایت آہستگی اور پوری تاک جھانک کے ساتھ کوچ شروع کیا اور اپنے ساتھ مختصر سی مگر نہایت منتخب سپاہ لی تاکہ کسی کو کوئی بدظنی بھی نہ پیدا ہو۔ اور راستہ بھر یہہ مشہور کرتا گیا کہ میں شاہ عالم کیطرف سے نوجوان پیشوا کے لیئے خلعت و تحائف لیکر جارہا ہوں۔ ۱۱؍ جون ۱۷۹۲ء کو وہ پونا پہنچا اور برطانوی رزیڈنسی کے احاطے میں اپنا پڑاؤ ڈالا۔ دس دن بعد وہ دربار خاص میں پیشوا کے سلام کے لیئے گیا اور اپنے ساتھ بطور نذر کے ہندوستان کے بیش قیمت تحائف و نوادر لیتا گیا۔ وہ ہندوستان کا صفاتی بادشاہ جو جنگ میں اپنے تمام دشمنوں اور حریفوں پر غالب آچکا تھا۔ جو وسیع صوبہ جات اور ناقابل ہزیمت افواج کا مالک تھا دربار خاص کے احاطے تک پاپیادہ گیا اور اپنے ہاتھیوں اور بدرقے کو اپنے یورپین افسروں کی ماتحتی میں اپنے قیامگاہ پر چھوڑ گیا۔ شامیانے کے تلے پہنچکر وہ تمام حاضر دربار سرداروں سے نیچے کھڑا ہوگیا۔ جب پیشوا نمودار ہوا تو سندھیا سب کے ساتھ مجرا بجالایا اور بیٹھ جانے کے حکم پر ادب سے عذر کرکے اُس نے ایک بلندہ نکالا جس میں سے اُس نے نئی زیرپائیاں کھولیں اور ادب سے عرض کیا کہ یہہ میرے باپ کی خدمت تھی اور یہی میری بھی خدمت ہونی چاہیئے پھر اُس نے ادب سے وہ زیرپائیاں اُٹھالیں جو پیشوا پہنے ہوئے تھا اور نئی زیرپائیاں اُن کی جگہ رکھدیں اور پرانی زیرپائیوں کو نئی زیرپائیوں کے کپڑے میں لپیٹ کر بیٹھ جانے کے بار دیگر تاکیدی حکم کی تعمیل کی مگر زیرپائیوں کو بغل میں دبائے رہا۔ دوسرے دن دوسرا اور اس سے زیادہ پُرعظمت دربار منعقد ہوا کیونکہ پیشوا کو نائب السلطنت کے عہدے اور اُس کے باضابطہ خلعت و امتیاز سے مشرف کرنا تھا۔ خاص شامیانے کے آخری کنارے پر ایک خالی تخت بچھا ہوا تھا

صفحہ ۱۶۶

جوشاہی تخت کا قائم مقام تھا اس تخت پر پیشوا نے اکیسو ایک اشرفی کی نذر رکھدی
اس کے بعد وہ سندھیا کے ساتھ پہلو کے خیمے میں چلا گیا جہاں سے وہ ذرا دیر بعد
خلعت فاخرہ پہنے ہوئے اور گلے میں پانچ بیش بہا جواہرات کا کنٹھا اور ایک ہاتھ
میں تلوار اور دوسرے میں مُہر اور دوات لیئے ہوئے نکلا۔ بر طاؤس کے پیچھے ایک عدد صفحہ ۱۶۷
چاندی کا چڑھا تام جھام۔ چھ زنجیر فیل اور متعدد نشان وچوب وعصا وغیرہ پر
الطاف خسروانہ کی تکمیل ہوگئی۔ اس کے بعد سندھیا نے دو قطعۂ فرمان
اجلاس خسروی جمجاہ کے پیش کیئے۔ ایک کا منشا یہہ تھا کہ سندھیا کو یہہ حق
دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بعد اپنے وارث کو پیشوا کا نائب مقرر کر سکے اور
دوسرے کا منشا یہہ تھا کہ آئندہ سے سینگوں والے جانوروں کا ذبح کرنا بند کر دیا گیا۔[1]
یہہ تماشا جو ۲۲ جون ۱۷۹۲ء کو ہوا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ سندھیا کو
اپنے تماشائیوں کے خیالات پر اپنا اثر پہنچانیکا فن اور نہایت مستقل مزاجی سے ہر معاملہ میں اپنا
زیادہ سے زیادہ فائدہ نکالنے کا ہنر خوب جانتا تھا۔ درحقیقت سندھیا کو اس سے ایک خرمہرہ کا بھی فائدہ
یا نقصان نہ تھا کہ ایک روز افزوں زوال پذیر برادری کا صدر حکومت بنانے
سینے پر ایک پوسیدہ سلطنت کے ماہی مراتب کا تمغہ آویزاں کرلے نہ اُس کو اس کی
کچھ پروا تھی کہ ایک خمس آبادی کے لیئے گائے کا گوشت کھانا حرام ہو جائے
یا حلال رہے۔ لیکن عام مخلوق پر تو ان باتوں کا اتنا بڑا اثر ہوتا تھا کہ اُسے ضرور اُس کا
لحاظ کرنا پڑا کہ عام سمجھ والے ادنیٰ واعلیٰ طبقے کے اس پر خوش رہیں کہ اصلی اختیارات
اُسی شخص کے پاس رہنے چاہئیں جس کے ہاتھوں یہہ انعام واکرام وصول ہوئے ہیں
دربار پونا میں جوتیاں اُٹھانے اور اپنے تئیں عام طور سے پٹیل کہنے کہلانے کے متعلق
بھی یہی سمجھ لینا چاہیئے۔ ایک باخبر مصنف نے نہایت صحیح رائے ظاہر کی ہے کہ سندھیا
اپنے تئیں خادم کہکر سب کا آقا بنگیا۔ رُبع صدی بعد جب ملکم نے مالوے کے
واقعات لکھے ہیں تو یہی رائے عام تھی جو بڑے بوڑھوں سے چلی آرہی تھی ؟
اب ہم سندھیا کو وہ فرائض ادا کرتے چھوڑتے ہیں جن سے ہمیں

[1] سنٹرل انڈیا جلد اول صفحہ ۱۲۵

بیرن آف برٹیڈ وارڈین یاد آجاتا ہے اور اُن واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ہندوستان کے اندر اُس کی عدم موجودگی میں پیش آتے رہے۔ سندھیا نے ابھی نربدا کو عبور بھی نہیں کیا تھا کہ ہلکر نے ہندوستان پر پیشقدمی کر دی۔ اسمٰعیل بیگ کو اُس کے عارضی مامن سے بلا کر ہلکر نے سندھیا کے وکیلوں کے ساتھ زبردستی کی حساب فہمی کا تصفیہ نکال کر تعلقات قطع کر لیئے۔

اسمٰعیل بیگ سب سے پہلا اور سب سے قریبی خطرہ تھا۔ نجف قلی خاں کی بیوہ غلام قادر خاں کی ہمشیرہ تھی اور اپنے بھائی کی طرح اُس کو بھی اپنے باپ ضابطہ خاں کی سی شورش پسند مگر ناکام رہنے والی طبیعت ورثے میں ملی تھی۔ اب اُس نے اسمٰعیل بیگ کو اپنے ایک زبردست معرکہ کے مقام یعنے قلعۂ کانوند کی فوج کی قیادت سپرد کر دی۔ نجف قلی خاں اپنی وفات کے وقت اسی قلعے میں رہا کرتا تھا اور اُس کی بیوہ نے اب اس کے استحکامات اور فوج کو اس لیئے اور بھی زبردست کر لیا تھا کہ اس پرآشوب زمانے میں نہ جانے کس وقت کیا ضرورت آپڑے۔ اس قلعے کی فصیل مٹی کی تھی جس کے اوپر باہر کی طرف پتھر بھی لگا ہوا تھا۔ چونکہ یہ قلعہ ریگستان بیکانیر کے کنارے پر واقع تھا اور ہر طرف ریتلی پہاڑیوں اور سدا بہار جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اس لیئے کسی مخاصمانہ سپاہ کی رسائی وہاں تک بہت مشکل تھی۔ کیونکہ نہ پینے کو پانی کافی مل سکتا تھا نہ توپیں گھسیٹنے کو پکی زمین یا سڑک تھی۔ بہر حال ڈی بائن نے نہایت تیزی سے اور نہایت سختی کے ساتھ ضرب لگانیکی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ اس لیئے اُس نے ایک بریگیڈ کو معہ میدانی توپوں کے کرنل پیرن کی ماتحتی میں جو بعد کو اُس کا جانشین بھی ہوا قلعۂ کانوند پر پیشقدمی کرنے کا حکم دیا۔ کرنل پیرن کو ابھی تک جنرل ڈی بائن محض سیدھا سادہ مگر ایماندار سپاہی سمجھتا رہا تھا مگر اس موقع پر کرنل موصوف نے اس بے آب اور دشوار گزار ملک میں نہایت مستعدی و ہوشیاری سے راستہ نکال کر اپنے تئیں منزل مقصود تک پہنچایا۔ گزشتہ ہزیمتوں سے بالکل
دل شکستہ ہو کر اس مرتبہ اسمٰعیل بیگ نے خود حملہ کرنے کے لیئے خروج کیا لیکن اس صفحہ ۱۲۹
حملے سے کچھ کام نہیں چلا۔ اُس کو ہزیمت کھا کر قلعہ بند ہونا پڑا اور کئی ہفتے تک اُس نے مدافعت کی کارروائی اپنی بساط و لیاقت کے مطابق جاری رکھی۔ جو

اس فن میں بہت اعلیٰ پائے کی نہیں تھی۔ اتفاقاً کرنل پیرن کی توپ کے ایک گولے نے اُس مرد مار عورت یعنے نجف قلی خاں کی بیوہ کا خاتمہ کر دیا اور اُس کے آدمیوں نے اسمٰعیل بیگ کو ایک منحوس بوجھ سمجھا جس سے خلاصی حاصل کرنا ہی اُن کی رائے میں آفت سے بچا سکتا تھا۔ اُن کے خیالات معلوم کر کے اور اس بات سے ڈر کر کہ کہیں بگڑے ہوئے محصورین اس منحوس بوجھ کو اپنے اوپر سے صدقے کا بکرا نہ کر دیں اسمٰعیل بیگ نے یہہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں فرنگی کرنیل کی انسانیت کے سپرد کر دے۔ کرنل پیرن نے بڑی خوشی سے اُس کی جاں بخشی کا وعدہ کر لیا بشرطیکہ وہ قلعے کو حوالے کر دے۔ اس کے بعد وہ زبردست تیغ آزما اسیر کر کے آگرہ بھیجدیا گیا جہاں کچھ سال بعد وہ انتقال کر گیا؛

جنرل ڈی بائن کو ابھی اس ایک دشمن سے چھٹکارا نہیں ملنے پایا تھا کہ دوسرا صعب تر دشمن نمودار ہو گیا۔ یہہ خود تکوجی ہلکر تھا جس نے غالباً اپنے بیٹے جسونت راؤ کے ایما سے سندھیا کے قائم مقام ہندوستان لکوا دادا کے ساتھ کچھ جھگڑا کھڑا کر کے مخاصمانہ ارادہ سے چنبل کو عبور کر لیا تھا۔ راستے میں سب سے پہلے گوپال راؤ بھاؤ پڑتا تھا اس لیئے اُس نے ہلکر کی زبردست فوج سے خصوصاً ڈیوڈرنیس کی نئی پلٹنوں سے خوفزدہ ہو کر ڈی بائن کے پاس فوری امداد کا تقاضا بھیجا۔ ڈیوڈرنیس کے پاس چار پلٹنیں معہ توپوں کی مناسب ضربوں کے تھیں اور ڈی بائن اُن کے مقابلے کے لیئے بہت جلد وہ تمام فوج سندھیا کی جمع کر کے روانہ ہو گیا جو سپاہ سلطنت کہلاتی تھی۔ یہہ بھی کیا عجیب نام تھا۔ اصلیت کو دیکھیئے تو اُس فوج کو ایک مرہٹہ تنخواہ
صفحہ ۱۷۰ دیتا تھا اور اُس سے کام لیتا تھا اور اُس کے نشان پر سیوائے کی سپید صلیب بنی ہوئی تھی جو فرانسیسی قائدین کا امتیازی نشان تھا۔ ڈی بائن اس وقت نو ہزار سپاہ کا انتظام کر سکا اور وہی لیکر روانہ ہو گیا لیکن ہلکر سے مڈبھیڑ ہونے سے پہلے لکوا دادا مرہٹہ سواروں کے ساتھ آ کر ڈی بائن کا شریک ہو گیا۔ ہلکر کے پاس تیس ہزار سوار اور کثیر التعداد توپیں تھیں۔ ۲۰ ستمبر ۱۷۹۳ء کو ڈی بائن نے ہلکر کو درۂ لاکھیری پر آلیا جو قلعہ کاتوندے سے اجمیر جانیوالے راستے پر واقع ہے؛

ڈیوڈرنیس ایک تجربہ کار سپاہی تھا اور اُس نے میدان جنگ بھی اپنے

مطلب کے موافق پسند کیا تھا۔ قواعد داں پلٹنیں اس درے کی چوٹی پر قبضہ کیئے ہوئے تھیں جس کے سامنے کی نشیبی زمین ابھی تک برساتی سیلابوں سے تر ہو رہی تھی۔ اور دونوں بازوؤں پر بڑے بڑے درختوں کی جھاڑیاں تھیں اور اس چوٹی پر موقعہ موقعہ سے توپیں نصب کر لگئی تھیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہندوستان میں دونوں جانب سے نئے فن حرب کے مطابق جنگ ہونیوالی تھی۔ اس سے پہلے کی لڑائیاں نئے اور پرانے فن حرب کی ٹکریں تھیں۔ اور یہ لڑائی اُس سلسلے میں کی پہلی تھی جو ۱۸۴۵ء میں مقام گجرات پر ختم ہوگیا۔ یہاں کوئی مسلح زرہ پوشوں کی جماعت قواعد دانی و مہارت کی دیوار سے ٹکریں کھاکھا کر پاش پاش ہو جانیوالی نہیں تھی بلکہ میدانی توپ خانے اور بندوقچیوں کی صفیں ایکدوسرے کے خلاف جنگی چالوں کے مطابق نقل و حرکت کرنیوالی تھیں۔ جنرل ڈی بائن سمجھ گیا کہ معاملہ کرارا ہے اس لیئے اُس نے غیر معمولی احتیاط و دوربینی سے کام لینے کا ارادہ کیا۔ قریب ہی کی ایک پہاڑی پر چڑھکر اُس نے دشمن کے موقعہ کو خوب اچھی طرح جانچا اور دیکھا کہ اُس کی پیدل سپاہ ایک مصنوعی مورچے کے اندر ٹھیری ہوئی ہے جس کی مدد کو ایک زبردست گھوڑ چڑھا توپ خانہ ہے اور جس کے پیچھے وہ کثیر التعداد رسالے ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے وہاں سے اپنے مورچوں میں اُتر کر ڈی بائن نے پانسو روہیلہ سواروں کو آگے بڑھایا اور اُن کی آڑ میں اُس نے اپنی پیدل سپاہ کو سنگینیں چڑھواکر اُس دلدل کے اندر بڑھایا جو اس کے اور درے کے درمیان واقع تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشکلات کے اربع عناصر اُس کی قابلیت کا اُس دن امتحان لے رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں اُس کی صفیں ہلکر کے میدانی توپ خانوں کی زد میں بے پناہ ہوکر آگئیں اور وہ اپنی صفوں کو اس قدر تیز بڑھائے گیا تھا کہ اس آتشباری کا کچھ جواب بھی نہیں دے سکتا تھا۔ جب اُس کے توپ خانے کو بیل گاڑیاں زد کے اندر لے آئیں تو ایک بارود کی پیٹی پر دشمن کا گولا آپڑا جس سے وہ پھٹ گئی۔ یہ مصیبت متعدی ہوگئی یعنے آناً فاناً میں دس بارہ پیٹیاں اُڑ گئیں اور ان صدمیں اور مہیب آوازوں سے ایک تہلکہ پڑ گیا ہلکر نے ڈی بائن کی صفونکو اسطرح درہم برہم ہوتے دیکھکر اپنے سواروں کو جھاڑیوں کے اندر سے نکالا اور دھاوا کر دیا اور ڈی بائن کے ہلکے اور

صفحہ ۱۷۱

قلیل التعداد سواروں نے اس حملے کو روکنے کی جو کوشش کی وہ کارگر نہ ہو سکی۔ مگر
ڈی بائن نے اپنی پیدل سپاہ کو جھٹ پٹ جھاڑی کے اندر پسپا کر لیا۔ ہلکر کے
سوار جھاڑی کے کنارے پر آکر تھم گئے اور کسی طرح اندر نہیں گھس سکے۔ اُدھر سے
ڈی بائن کے سرد و گرم چشیدہ سپاہیوں نے اپنے سپہ سالار کا حکم پاتے ہی آن کی آن
میں جھاڑیوں کی آڑ لیکر ہلکر کے حیران سواروں پر تابڑ توڑ باڑھیں مارنی شروع کر دیں
جیسے ہی ان حملہ آوروں نے پسپائی کا ارادہ کیا کہ ڈی بائن نے روہیلہ سواروں سے
ایک زبردست دھاوا اِن پر کر دیا اور ہلکر کے سوار بد حواس ہو کر بُری طرح بھاگ
کھڑے ہوئے۔ ادھر سے جنگہائے باٹن و مرتہ کی فاتح پیدل سپاہ نے جھاڑی
کے اندر سے اپنے توپ خانے سے درے پر گولہ باری شروع کر دی۔ ڈیوڈرنیس کے
پاس صرف پندرہ سو آدمی تھے جن سے وہ اس درہ پر قبضہ کیئے ہوئے تھا لیکن
ان پندرہ سو نے بھی جان ہی لڑا دی اور جب تک کہ تقریباً تمام افسر اور سپاہی
ایک ایک کر کے کام نہ آگئے تب تک اس چوٹی کو نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا۔ آخر کار صفحہ ۱۷۲
ڈی بائن نے خالی چوٹی پر اور وہاں کی اڑتمیس توپوں پر قبضہ کر لیا۔ ہلکر بھاگا اور
اُس کی شکستہ حال سپاہ اُس کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہوئی چنبل پار کر کے شمالی مالوے
میں پہنچ گئی اور یہاں ہلکر نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیئے علاقے کو تاخت کرنا
شروع کیا اور سندھیا کے دارالحکومت اُجین کو لوٹ لیا۔ ڈی بائن بڑا آزمودہ کار
سپاہی تھا۔ اُس نے لال سوٹ والے مصیبت کے تین دن دیکھے تھے چکسانہ کی
ہزیمت دیکھی تھی۔ رانا خاں کی جان جوکھم کامیابی فتحپور سیکری پر دیکھی تھی اور اسمٰعیل بیگ
اور بجے سنگھ کی زبردست ٹکریں جھیلی تھیں۔ لیکن اب تک جتنے معرکے اُس کو پیش
آچکے تھے یا وہ دیکھ چکا تھا ان سب میں ڈیوڈرنیس کے ان نئے بھرتی والے سپاہیوں کی
ٹکر خود بقول اُس کے بہت سخت تھی۔ اس آویزش کو سمجھدار مورخوں نے سندھیا اور
ہلکر کی خاندان کی جنگ نہیں سمجھا ہے بلکہ یہ تو آپس میں ایکدوسرے سے سمجھ لینے
کے لیئے دست و گریباں ہونا تھا جو پیش آگر رہا۔ بہر حال اس دن کے بعد سے ہلکر
بھی سندھیا کے پہلو میں ایک کانٹا سا کھٹکنے لگا اور یہ جھگڑا ایسا بڑھا کہ ایک سندھیا کو
دوسرے سندھیا سے اور ایک ہلکر کو دوسرے ہلکر سے ورثے میں ملتا چلا گیا؛؛

سندھیا پونا میں رہا اور ماہ جولائی میں اُس نے یہہ مشہور کیا کہ فرمان خسروی اس منشاء کا وصول ہوا ہے کہ برطانوی حکمرانانِ بنگال سے خراج وصول کیا جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہہ بھی سندھیا کی ایک امتحانی کوشش تھی جس سے مدعا یہہ معلوم کرنا تھا کہ لارڈ کارنوالس کا امن پسند اصول عمل کہاں تک اُسے مراعات دلا سکیگا۔ اس سے پہلے اس قسم کی ایک کوشش سندھیا اُس وقت کرچکا تھا جبکہ اُس نے جنگ میسور میں شریک ہونے کے لیئے اپنے تئیں بطور اتحادی کے پیش کیا
صفحہ ۱۷۴ تھا اور لارڈ کارنوالس نے نخوت کے ساتھ اس امداد کو قبول کرنیسے انکار کردیا تھا۔ اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ پھر تازہ امتحان برطانوی صبر و ضبط کا لینے کی کوشش کیوں کیگئی خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ لارڈ کارنوالس نے کامیابی کے ساتھ جنگ میسور کو اختتام تک پہنچا دیا تھا۔ بہر حال نفس الامر یہی تھا اور اس مشتہر کردہ فرمان کا اعلان جولائی ۱۷۹۲ء میں دہلی کے روبکار ضابطے کے ذریعے سے بھی کردیا گیا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۷۸۵ء میں اسی قسم کی ایک حرکت کا میکفرسن کی گورنمنٹ نے دنداں شکن جواب دیدیا تھا اور موجودہ صورت میں بھی نتیجہ کچھ امید افزا نہیں نکلا۔ مصلحت اندیشی یا خودبینی کی وجہ سے کارنوالس اسبات پر رضامند ہونے کو تیار نہیں ہوا جس کو اُس کے پیش رو اپنی توہین سمجھ چکے تھے۔ ۲۸ اگست ۱۷۹۲ء کے روزنامچہ میں لارڈ کارنوالس نے اس معاملے پر پوری سنجیدگی سے بحث کی اور یہہ حکم لکھدیا کہ مادھوجی سندھیا کو جو بصورت موجودہ دربار دہلی کا قائم مقام ہے صاف الفاظ میں اطلاع دیدی جائے کہ آئندہ جتنی تحریریں بادشاہ کی طرف سے وصول ہوں گی اُن سب کا ذمہ دار سندھیا کو قرار دیا جائیگا اور حکومت بنگال پر آئندہ اگر اس قسم کا کوئی دعوے خراج وغیرہ کا کیا گیا تو اُس کا نتیجہ بہت ناگوار نکلیگا۔ اسی مراسلے میں ایک دفعہ پھر یہہ ظاہر کردیا گیا تھا کہ حکومت بنگال کا کوئی ارادہ ہندوستان کے معاملات میں مداخلت کرنے کا نہیں ہے۔ مگر یہہ ایک فضول سا جملہ تھا جس کی لغویت اُس وقت اچھی طرح ثابت ہوجاتی ہے۔ جب صرف دس سال بعد کے واقعات کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس مراسلے کے آخر میں ایک معنی خیز فقرہ یہہ بھی لکھدیا گیا تھا کہ اگر کوئی فریق کوتہ اندیشی سے حکومت بنگال پر کوئی ناجائز مطالبہ کسی قسم کا یا کسی صورت سے قائم کرکے حکومت مذکورہ کی توہین کریگا تو

وہ حکومت موصوفہ کو صرف ناگوار ہی نہیں گزریگا بلکہ وہ اپنے اطمینان کے مطابق اُسکی نگرانی کرانے پر آمادہ ہوجائیگی۔ اس ترکیب کی توجیہہ و جواز کے متعلق خواہ کچھ ہی کہا جائے لیکن اس کا اثر اُس روشن دماغ مدبر پر جس پر اثر ڈالنے کے لیئے یہہ اختیار کی گئی تھی ایسا پڑا کہ اس کے حکیمانہ انداز نے ہر طرح کا جواز حاصل کرلیا۔ سندھیا نے فوراً اپنے تئیں اُس الزام سے بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کی جو دہلی کے روبکار کی وجہ سے اُس پر عائد ہوتا تھا۔ اُس نے گورنر جنرل کو یقین دلایا کہ میں آپکو محروسات برطانیہ میں با اختیار حکمراں سمجھتا ہوں اور میری غرض صرف یہہ ہے کہ شاہی حکومت کو صرف اُن اقطاع ملک میں قائم رکھوں اور پھیلاؤں جو اب تک شاہ دہلی کے محروسات میں شامل ہیں ۔ صفحہ ۱۷۴

ان الفاظ میں کس قدر صداقت تھی اس کا اندازہ ہر شخص اپنی معلومات اور اپنے معیار کے مطابق خود کر سکتا ہے۔ ہمارے اپنے زمانے کے ایک سر برآوردہ مورخ نے سندھیا کے اصول عمل کی تصویر بالکل اس سے مختلف کھینچی ہے جو ہم نے ان صفحات میں دی ہے۔ کرنل مالیسن کہتا ہے :-

> جس سپاہ کو ڈی بائن نے مرتب کیا تھا اور قواعد سکھائی تھی اُس نے سندھیا کے مسلمان اور ہندو متقابلین کا خاتمہ کردیا۔ مگر سندھیا ابھی اس سپاہ کے ہاتھوں کچھ اور بھی اُمید رکھتا تھا۔ اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ مادھوجی سندھیا کی اصل غایت یہہ تھی کہ تمام ہندستانی رئیسوں کو انگریزوں کے خلاف ایک زبردست برادری کی صورت میں متحد کردے۔ اس لحاظ سے وہ تمام فرزندان ہند میں سب سے بڑا دور اندیش اور زبردست مدبر تھا........ یہہ ایک اہم بالشان منصوبہ تھا جو مادھوجی کے ہاتھ سے عمل پذیر ہونے کے قابل تھا مگر صرف وہی اُس پر عمل بھی کرسکتا تھا اور اگر اُس کی موت حارج نہو جاتی تو یہہ ضرور پورا بھی ہوکر رہتا[1] :-

[1] فائنل فرینچ سٹرگلز ان انڈیا

صفحہ ۱۷۵ اس میں شک نہیں کہ ایسے منصوبے کو عظیم الشان کہا جا سکتا ہے اگر اس کی تکمیل کے ذرائع میسر آجاتے۔ اور ہمارے پاس کوئی یقینی شہادت یہ کہہ سکنے کی موجود نہیں ہے کہ سندھیا پر اس منصوبے کی دلفریبی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے ہمارے ہیرو کے اقوال و افعال کو نظر غور سے دیکھا ہے اُن کو یقیناً کوئی بین ثبوت ایسے قیاس کے قائم کرنے کا نہیں ملتا کہ معاہدۂ سالبائی کے بعد کبھی سندھیا نے انگریزوں کے خلاف کوئی ایسا منصوبہ باندھا بھی ہو چہ جائیکہ اُس نے اپنے تئیں اُسکی تکمیل کا اہل سمجھ لیا ہو۔ اُس کے دل میں برطانیہ کے وسائل حرب کی روز افزوں عظمت تھی کیونکہ وہ بچشم خود دیکھ رہا تھا کہ ہر یورپین یا ایشیائی طاقت کے مقابلے میں برطانوی وسائل حرب برابر گوئے سبقت لے جا رہے تھے۔ اُس نے دو مرتبہ قطعی معانی مانگ کر اس ارادے سے انکار ظاہر کیا تھا کہ اوس نے برطانوی گورنمنٹ سے ایسے خراج کے متعلق مطالبہ کیا ہے جو دو طریقوں سے یعنے آئینی رواج اور شرائط معاہدہ کی رو سے قابل ادا تھا۔ اس نے میسور کے خلاف برطانیہ کو ایسے وقت میں مدد دینی چاہی تھی جبکہ سلطان ٹیپو اپنے انتہائے عروج پر تھا۔ ڈی بائن سے جہاندیدہ سپاہی نے بھی ہرگز اُس کو یہ فریب نہیں دیا ہوگا کہ اُسکے ہندوستانی سپاہی دو یا تین فرنگیوں یا نیم فرنگیوں کی سرکردگی میں تلنگوں کے اُن جرار لشکروں کا مقابلہ کرسکینگے جن میں برطانوی قائدین بھرے پڑے تھے اور جنھیں گورا گارڈ انڈیلوں اور توپچیوں اور شہسواروں کی موجودگی نے اور زیادہ ناقابل مقابلہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ اس کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ ڈی بائن نے اپنی روانگی کے وقت سندھیا کے جانشین کو یہ وصیت کی تھی کہ کبھی ہرگز انگریزوں سے نہ الجھنا اور بجائے اس کے کہ اپنی فوج کی انگریزوں سے مقابلہ کر کے مٹی پلید کرانا

صفحہ ۱۷۶ اُس فوج ہی کو بالکل توڑ دینا کہ ایسا حوصلہ ہی نہ باقی رہے۔ ہم کو بے تکلف اپنے دل سے یہ شبہ نکال دینا چاہیئے کہ مادھوجی سندھیا نے جنرل ڈی بائن کو باقاعدہ فوج بھرتی کرنے کا کام کسی اور غرض سے سپرد کیا تھا سوائے اس اعلان کی ہوئی غرض کے کہ بادشاہ کی حکومت کے استحکام و توسیع میں اس سے مدد لی جائے (جو دراصل سندھیا ہی کی حکومت تھی) اور وہ بھی اُن علاقوں میں جو بلا واسطہ

جزو سلطنت دہلی تھے؛

ہلکر پر فتح پانیکے بعد ڈی بائن نے جے پور کے تن تنہا اور مغلوب راجہ سے خراج گزاری کا وعدہ لیا اور بطور تاوان جنگ کے ستر لاکھ روپیہ نقد وصول کیا اس کے بعد اُس نے اپنی جائے قیام کا رُخ کیا تاکہ اس طول طویل اور جانکاہ محنت کے بعد خود کو اور اپنے بہادر سپاہیوں کو آرام دے۔ جنرل ڈی بائن کی شخصیت اور اُس کی روش ہر مورخ کی توجہ کو اس موقعہ پر اپنی طرف مبذول کیئے لیتی ہے کیونکہ اس سے سندھیا کی اُس مردم شناسی کا پتہ ملتا ہے جس کی وجہ سے اُسنے ڈی بائن کو دیکھتے ہی اپنی ملازمت کے لیئے منتخب کر لیا اور اُسے ملازم رکھتے ہی اُسپر کامل اعتماد بھی کر لیا۔ بعد کو ڈی بائن کے جانشین پیرن میں اور سندھیا کے جانشین دولت راؤ میں جس قسم کے تعلقات رہے وہ اُن دشواریوں کو اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں جو معمولی عقل و فہم کے آدمیوں کو ایسے موقعوں پر پیش آجایا کرتی ہیں اور یہی خطرات ڈی بائن اور سندھیا کے تعلقات کو بھی پیش آجاتے اگر وہ دونوں معمولی درجہ کے آدمیوں سے بہت بالا نہوتے؛

جس وقت کے واقعات ہم لکھ رہے ہیں کرنل پیرن کی حیثیت معمولی ماتحت سے زائد نہیں تھی جو اپنے حکام بالادست کے احکام کو قابل تعریف پابندی کے ساتھ بجا لاتا تھا۔ جب ڈی بائن علیگڑھ پہنچگیا تو اُسنے سندھیا کے احکام کی تعمیل میں دس ہزار باقاعدہ پیدل سپاہ کے ساتھ کرنل پیرن کو سندھیا کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیئے پونا روانہ کر دیا اس موقعہ پر پھر کرنیل میلسین یہہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ سندھیا نے دس ہزار فوج جو اپنے ساتھ متعین کرا کے احکام نافذ کیئے تھے اُن کی وجہ تحریک وہی خواہش تھی کہ وہ اپنی آخری زندگی کے منصوبے کی تکمیل میں یعنے برطانوی گورنمنٹ کے خلاف ایک زبردست اتحاد کے قائم کرنے میں امداد دے۔ مگر جب تک کسی مورخ کو بین ثبوت نہ دستیاب ہو اُس کیلئے زیادہ سلامت روی یہہ ہے کہ وہ صرف اسی ظاہری غرض کے قیاس کرنے پر قانع رہے کہ سندھیا اس فوج کے ذریعے سے نوجوان پیشوا کے دربار میں وہ زبردست اقتدار قائم کرنا اور رکھنا چاہتا تھا جو ہلکر اور نانا فرنویس کی روز افزوں مخاصمت

صفحہ ۱۷۷

اور مخالفت کے مقابلے میں ضروری تھا۔

جن منصوبوں کو سندھیا نے اپنا ظاہر کیا تھا اُن سب میں وہ پورے طور سے کامیاب ہو چکا تھا۔ اُس کی سیاسی معاملہ فہمی اور اُس کے سپہ سالار کے رعب و داب کا ڈنکا حدودِ پنجاب سے روہیلکھنڈ تک اور جمنا سے نربدا تک بج رہا تھا۔ شیوالیئر ڈیوڈینیں نے بھی آخر میں ہلکر کی ملازمت ترک کر کے پیرن کی ماتحتی میں ایک بریگیڈ کی قیادت منظور کر لی تھی۔ اُس کا گھر اب بھی شہر کول میں سکو علوم ہے جہاں ہم اُس کی تصویر اپنی آنکھوں میں بطور جنرل پیرن کے ہمسائے کے کھینچ سکتے ہیں جو اب صاحب باغ میں بطور ڈی بائن کے جانشین کے رہنے لگا تھا۔ یہاں ڈیوڈرنیس اپنے سپہ سالار کو ہر طرح کی امداد دیتا تھا اور ایک شائستہ فرانسیسی کی صحبت و مودت سے شخصی زندگی میں جو بہجت و مسرت حاصل ہو سکتی ہے اُس سے بھی مستفید کرتا تھا۔ اس جگہ سے قریب ہی سردھنہ میں اُس قابل اور حوصلہ مند خاتون کی قیامگاہ تھی جس کا نام بیگم سمرو تھا جو شوہر کے فوجی عہدے پر اور اُس کی جاگیر کے مالی انتظام پر اُس کی جانشین کر دی گئی تھی۔ ہندوستان میں صیغۂ انتظام اُس زمانے تک نہ ایسا سمجھا گیا تھا نہ ایسا باقاعدہ مرتب کیا گیا تھا جیسا کہ آجکل ہے صفحہ ۱۷۸
چند سال بعد جب یہ علاقہ جنرل پیرن کی تغافل شعار حکومت کے تحت میں آگیا تو وہاں کی مخلوق بدنظمی و مصیبت کی طرف رجعت کر گئی تھی جو اسی قدر ناقابل برداشت تھی جیسی اُس طوائف الملوکی کے زمانے کی بدنظمی و مصیبت تھی جو نادرشاہ کے حملے کے بعد ملک پر طاری ہو گئی تھی اور جس کا مختصر سا خاکہ ہندوستانی مورخین کے حوالے سے ہم بھی کھینچ آئے ہیں۔ اکبر کے مالی انتظام کے کمزور سے اثرات جو باقی رہ گئے تھے وہ جڑ سے مٹ چکے تھے۔ کھیت جھاڑیوں کے اندر چھپ چکے تھے اور ایسے جنگل بن گئے تھے جن میں شیر رہتے تھے ابھی پچاس سال سے کچھ ہی اوپر کا واقعہ ہے کہ لارڈ لیک کے ایک اے ڈی کانگ نے اضلاع مظفر نگر میں شیروں کا شکار کیا تھا جہاں آجکل کے زمانے میں ایسا جانور اتنا ہی باعث حیرت ہو سکتا ہے جیسا سیر بکلین میں۔ جو مضافات اس تغافل شعاری کا شکار رہے تھے اُن میں جو بچے کچھے کاشتکار رہ گئے تھے وہ اس قدر تشدد پسند ہو گئے تھے کہ نہ وہ سرکاری لگان دیتے تھے

نہ مالگزاری داخل کرتے تھے اور اپنے چند مزروعہ بیگھوں کی پیداوار میں برکت کرنے کے لئے راہگیروں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور اپنے خوشحال ہمسایوں کے مواشی اُڑا لیجایا کرتے تھے۔ اس بدنصیب مُلک کے عین قلب میں ڈی بائن اور بیگم سمرو دھنہ نے اول اول اصلاح و انتظام کی کارروائی شروع کی۔ جنرل ڈی بائن کے نام جو علاقہ کاٹا گیا تھا وہ تیس پرگنوں پر مشتمل تھا جن کی مجموعی آمدنی کا تخمینہ ڈھائی کرور کیا گیا تھا۔ بیگم سمرو کی جاگیر اتنی وسیع نہیں تھی مگر دونوں جگہ انداز انتظام تقریباً یکساں اختیار کیا گیا تھا؛

مالی انتظام میں جنرل ڈی بائن نے دو محکمے قائم کئے تھے۔ فارسی کے محکمہ کا کاروبار ہندوستانی اہلکاروں کے سپرد تھا لیکن ایک فرانسیسی دفتر بھی تھا جو خاص ڈی بائن ہی کی نگرانی و ماتحتی میں تھا۔ جاگیرات پر ایک معیّنہ شرح مقرر کر کے ریاست کے مطالبات قائم کر دیئے گئے تھے۔ تحصیلات پابندیٔ وقت کے ساتھ کی جاتی تھیں جن کی امداد کے لئے فوجی عملہ موجود رہتا تھا جن سے لیت و لعل یا تساہل کے وقت بصیغۂ ضروری کام لیا جاتا تھا۔ ہمارے پاس کوئی مآخذ ایسے نہیں ہیں جن سے ہم ڈی بائن کے زمانے کی دادرسیوں کا کوئی حال لکھ سکیں۔ لیکن بعد کے زمانے میں جب پیرن کا راج پاٹ تھا اُس وقت قانونی کارروائی کو دوسرے درجے کی اہمیت دی جاتی تھی۔ نہ کوئی مسلمہ ضابطہ تھا نہ کوئی ایسی عدالتیں تھیں جن میں ضابطے کی تحقیقات ہوتی۔ دیسی حکام عدالت اپنی تحقیقات کا خلاصہ جنرل پیرن کے پاس بھیجدیا کرتے تھے جو حکم آخر صادر کرتا اور اپنی مرضی کے مطابق جتنی سزا چاہتا دیدیا کرتا تھا۔ لیکن قرین قیاس یہہ ہے کہ ڈی بائن حکم آخر بھی زیادہ سلامت روی کے ساتھ دیتا ہوگا کیونکہ وہ پیرن کے مقابلے میں بدرجہا قابل تھا۔ اُس کی مصروفیت بھی بہت ہی زیادہ تھی۔ ایک یورپین عینی شاہد کہتا ہے کہ ڈی بائن علی الصباح اُٹھ جاتا تھا۔ اپنے مخازن حرب و کارخانجات کو دیکھتا۔ فوجوں کا معائنہ کرتا۔ اپنی خاص بریگیڈ کے دیوانی امور کو انجام دیتا۔ پھر سلامیوں کی حاضری کی اجازت ملتی۔ فوجداری اور تحصیل کے حکام کی کیفیتیں پیش ہوتیں۔ سفارتی خط و کتابت کرتا اور پھر بھی اپنے ذاتی کام کاج کے لئے وقت بچا لیا کرتا تھا۔

صفحہ ۷۹؛

یہہ سب کچھ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جب صرف یہہ سمجھ لیا جائے کہ جس سردار کا تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ ایک معقول آدمی ہے اور یہہ جانتا ہے کہ کیا تو اُسے خود کرنا چاہیئے اور کیا اپنے ماتحتوں کے لیئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اس سے بھی واقف ہے کہ دولاب حکومت کی قوت متحرکہ کس طرح قائم رکھی جاتی ہے اور ذراسی حرکت رُک جانے پر کس طرح ہاتھ کا اشارہ دیدیا جاتا ہے۔ بیگم سردھنہ بھی اتنی ہی محنتی تھی اور اس سے کم کامیاب نہیں رہی ایک اور عیسائی حکمراں تقریباً اتنی ہی قابلیت والا جس نے تھوڑے عرصے کے لیئے کافی شہرت حاصل کرلی تھی جارج ٹامس تھا جو پہلے بیگم سمرو کی ماتحتی میں فوج کے ایک حصے کا قائد تھا اور اب دارالحکومت کے جنوب میں نجف قلی خاں کی جاگیرات پر قبضہ کرکے آہستہ آہستہ اپنے لیئے ایک ریاست قائم کرتا چلا جا رہا تھا؛ صفحہ ۱۸۰

ہندوستان میں اِدھر امن وامان کا دور دورہ ہوتا جا رہا تھا اُدھر سندھیا اپنی قواعد داں پلٹنوں کے ساتھ اپنے یورپین ندیموں کے درمیان پونا میں ٹھیرا ہوا تھا اور دکن میں ایسی حیثیت حاصل کرنی چاہتا تھا جو اُس کی ہندوستانی حیثیت کا توازن قائم رکھ سکے مگر یہاں کی صورت حالات کو اُسنے بہت زیادہ مشکلات سے بھرا ہوا پایا؛

اگرچہ اس کا اس داستان سے کوئی براہ راست تعلق نہیں ہے مگر جنرل ڈی بائن کی شخصیت نے جو اثر ایک برطانوی ملاقاتی پر ڈالا تھا وہ یہاں نقل کیئے جانے کے قابل ہے۔ **وَھُوَ ھٰذا**

> جنرل ڈی بائن کی قابلیت نے جو فوائد پہنچائے اُن میں سے صرف ایک یہی نہیں تھا کہ اپنی فوجی حیثیت میں رہکر وہ ایسی قابل تعریف متانت و بردباری کا اظہار کرتا رہا جس سے مرہٹوں کی پُر غضب بلکہ وحشیانہ طبیعتیں نرم پڑگئیں۔ اُس نے ایسے سپاہیوں کو یورپین نوجوکی پابندی ضابطہ وتہذیب کا عادی بنایا جو اب تک سخت جاہل وحشی سمجھے جاتے تھے اور وہ اس میں اس درجہ کامیاب ہوا کہ اس سے جو قتل وغارتگری کی رخصت اُن میں عام ہوگئی تھی وہ رفتہ رفتہ ذلیل سے ذلیل طبیعت کے سپاہی کی بھی نظر میں قابل شرم ہوگئی (ماخوذ از بنگال جرنل ۱۸۰۹ء)

اس اقتباس کے لیئے ہمیں کرنل ملین کی تصنیف کا ممنون ہونا چاہیئے جس کا ہم ابھی حوالہ دے چکے ہیں۔ کرنل موصوف اس اقتباس کے بعد اپنی طرف سے یوں اضافہ کرتا ہے:

> یہہ ڈی بائن ہی تھا جس نے سندھیا کے لیئے یہہ ممکن کردیا کہ وہ صفحہ ۱۸۱
> ہندوستان میں بھی اُسی وقت حکومت کرتا رہے جبکہ وہ پونا کی مجلس حکومت پر قبضہ کیئے ہوئے تھا۔ یہہ ڈی بائن ہی تھا جس نے ممالک مغربی وشمالی میں اُس مالی انتظام کا بیج بویا جسکی اُسکے بعد انگریزوں نے آبیاری کی۔

جنرل ڈی بائن سندھیا کی وفات کے بعد ہی یورپ کو واپس چلا گیا اور قرین قیاس یہہ ہے کہ وہ مشکلات اُس کی نظر میں تھیں جو سندھیا کے کمتر قابل و کمتر تجربہ کار جانشین کے عہد میں پیش آنے والی تھیں۔ جنرل ڈی بائن نے سنہ ۱۸۳۰ء میں بمقام سٹ امیری انتقال کیا۔ وہ بہت دولتمند تھا اور اپنی دولت کا نہایت قابل فخر استعمال کرتا رہا تھا۔

صفحہ ۱۸۲

باب نہم

آخری زمانہ۔ وفات۔ طرز ماند و بود

جس منزل تک قابل آدمی رسائی چاہتے ہیں وہاں تک پہنچنے سے وہ محروم نہیں رہتے مگر اصل محرومی زندگی یہہ ہوتی ہے کہ اس غایت پر پہنچکر ایک بے نقاب حقیقت اُن کے سامنے آجاتی ہے جو کچھ آرزو پرور اور حوصلہ افزا نہیں ہوتی۔ جبتک سندھیا ہندوستان میں رہا اُس وقت تک کے لیئے بادی النظر میں اُس نے اپنی محنت زندگی کا ثمرہ پا لیا تھا۔ شاہ دہلی کے لیئے وہ بالکل ایسا ہی ہوگیا تھا جیسا پیشوا نسلِ سیواجی کے لیئے جو ابھی تک ستارا کی بساط شطرنج پر عصائے شاہی اُٹھائے ہوئے موجود تھی اور جس کے دستخط و مُہر کی اب بھی پونا کے خالی تخت کو پُر کرنے کے لیئے ضرورت ہوا کرتی تھی۔ شاہ عالم بھی ابھی تک شاہ جہاں کے محل میں تاج اکبری زیب فرق کیئے جلوہ فرما تھا۔ مگر اب وہ ایک ہفتاد سالہ عضو معطل تھا جس کی بات میں محل شاہی کی دیواروں کے باہر کوئی بات نہیں رہی تھی۔ اور سب جگہ دریائے ستلج سے دریائے نربدا تک صلح و جنگ کے معاملات سندھیا کے احکام کے مطابق طے ہوتے تھے۔ پھر بھی سندھیا کی رائے میں اس وقت تک سب کچھ غیر محفوظ تھا جب تک کہ دکن کے دروازے اُس کے اثر و اقتدار کے لیئے بند تھے اور جب تک نانا فرنویس نوجوان پیشوا پر یہہ اثر ڈال سکتا تھا کہ وہ ایسے احکام نافذ کرے جن کی تعمیل کرنیوالا ہلکر ہو۔

صفحہ ۱۸۳

پیشوا سندھیا کا ہمنام مادھوراؤ تھا یہہ وہی شخص تھا جس کی ولادت نے سنہ ۱۷۷۴ء میں رگھوبا کے تمام منصوبوں کو بگاڑ دیا تھا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس پیشوا کی ماں اُن دو بھائیوں میں سے ایک کی بیوہ تھی جو یکے بعد دیگرے منصب پیشوائی سے سرفراز بھی ہوئے اور ایسے چپ چپاتے تخت و تاج چھوڑ کر چل بسے کہ اُن کے چچا رگھوبا کے اغراض کو بڑی مدد ملگئی اور اُس نے مسٹر بارن بی گورنر بمبئی کی امداد سے

اپنے تئیں پیشوا بنا لیا۔ نانا فرنویس کا اس بیوہ سے تعلق تھا اور جب اس بیوہ کا بیٹا خاوند کی وفات کے بعد پیدا ہوا اور ایسے موقعہ پر پیدا ہوا جو رگھوبا کے مخالفین کے لیئے بڑا کام دیگیا تو اس پر کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ اُسی زمانے میں اس بچے کی ولادت کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ غرض یہہ کہ یہہ نوجوان عمر پاتا چلا گیا اور شبہ و شک کی نظریں برابر اس پر پڑتی رہیں۔ فرقہ بندی کا آلہ یہہ بنا رہا اور سوائے ایک سازشی شخص کی مرضی کا تابع ہونے کے اپنا ذاتی کوئی ارادہ یہہ نہیں رکھتا تھا اب وہ سن بلوغ کو پہنچکر ترکہ پدری کا حامل ہوگیا تھا اور القاب شاہی سے ممتاز و مفتخر تھا مگر بعد کو جو عبرت ناک حشر اس کا ہوا وہ اس کی اصلی حیثیت کو بڑے نظارہ شکن رنگ میں دکھاتا ہے ؎

نانا فرنویس کی ذات پیشوا کی جان کے لیئے بالکل ایسی تھی جیسی کہ ریشلیو کی ذات شاہ فرانس لوئی سیزدہم کے لیئے تھی یعنے وہ بجائے وزارت کے اتالیقی کرتا تھا نانا فرنویس کو سندھیا کے ساتھ اُس وقت تک کوئی مخالفت نہیں رہتی تھی جب تک دونوں اپنے اپنے راستے چلے جائیں۔ لیکن اس کو عام طور سے مرہٹہ میکیاول کہکر پکارا جاتا ہے۔ اور اُسی سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کہنے والوں کا اس سے مطلب کیا تھا۔ نانا فرنویس کے واسطے بھی اپنے متعلم پیشوا کی طرح ایک عبرتناک خاتمہ انتظار کر رہا تھا لیکن آقا کا خاتمہ جسمانی تھا اور مُشیر کا خاتمہ اخلاقی اور سیاسی تھا یعنے منصب و جاہ کے ساتھ ہی اُس کے اُس وقار کا بھی خاتمہ ہونیوالا تھا جو اہل وطن کے دلوں میں جاگزیں

ل یہہ ایطالوی مدبر ۱۴۶۹ء میں صوبۂ فلارنس میں پیدا ہوا اور ۱۵۲۷ء میں مرا چودہ برس سے زیادہ انجمن صلح و آزادی کا معتمد رہا بعد اُس کے دیگر سفارتی کاموں پر مامور کرکے یورپ بھیجا گیا جہاں کے سیاسی تجربات سے اُس نے اپنی تصانیف میں کام لیا۔ اُسکا ایک چھوٹا سا سیاسی پمفلٹ بہت مشہور ہے جس کا نام دی پرنس ہے اور جو اب تک جولانگاہ تنقید بنا ہوا ہے۔ اس میں اُسنے وہ اصول بیان کیئے ہیں جن پر ایک مطلق العنان فرمانروا کو عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اُن ذرائع پر بحث کی ہے جو استبداد کے قوت متحرکہ ہیں۔ اور اُن فنون و حیل پر زور دیا ہے جو حصول مقصد کیلیئے جابر بادشاہ استعمال کرتے ہیں۔ یہہ مدبّر بادشاہ کے کارناموں کو اخلاقی معیار سے نہیں جانچتا ہے بلکہ حصول مقصد کیلیئے ہر جائز و ناجائز وسیلہ سے کام لینا اُسکے نزدیک جائز سمجھتا ہے۔ اور یہی خاص مشابہت نانا فرنویس اور میکیاول کے طرز نظر میں ہے۔ (مترجم)

تھا لیکن یہہ تمام امور ہماری داستان کے حیطۂ بیان سے خارج ہیں۔ یہاں صرف اتنی سی
گزارش کی ضرورت ہے کہ نانا فرنویس اور پیشوا کا اس قدر چولی دامن کا ساتھ تھا کہ صفحہ ۱۸۴
ان دونوں کو لازم و ملزوم کہنا بجا ہوگا۔ بصورت موجودہ اس برہمن وزیر کی قابلیت
اور اُس کے مقامی اثر نے سندھیا کی نظر میں وہ انداز اختیار کر لیا تھا کہ اُسکی اپنی حیثیت
اُسے مخدوش نظر آنے لگی تھی اور ذاتی کوشش کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی؛

یہہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ سندھیا کا کبھی ہرگز یہہ ارادہ نہیں تھا کہ پونا دربار
سے اپنے تعلقات قطع کرلے بلکہ اُس کی قوت کی جڑ اُسی سلطنت میں تھی جسکا حکمران
پیشوا تھا اور ہندوستان میں جو حکومت سندھیا کرتا تھا یہہ بھی حکومت پیشوا کی ایک شاخ
سمجھکر کرتا تھا۔ خاص پونا میں نانا فرنویس اُس کے مقابلے میں بہت زبردست تھا
البتہ دو خاص صفات یعنے ہمت و شخصیت کے اعتبار سے سندھیا کا پلّہ بھاری تھا
سندھیا کو اپنی قوت تسخیر پر پورا بھروسا تھا کہ ہر ملنے والے کو وہ اپنی خوش خلقی سے
گرویدہ کرلیگا اور اُس نے اس موہنی کو نوجوان پیشوا پر وقت نکل جانے سے پہلے
آزما لینے کا ارادہ کرلیا؛

اس مختصر تبصرہ سے اُس تماشے کی نوعیت بھی اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی جو
شامیانۂ دربار کے تلے کیا گیا تھا اور سندھیا کے پونا آنیکی توجیہہ بھی تمام و کمال ہوجائیگی
آخری فیصلے سے پہلے ایک آویزش اور ہونیوالی تھی مگر یہہ ایک اخلاقی جہد حیات
تھی جو ایسے دو شخصوں کے درمیان ہونیوالی تھی جن میں سے ایک بہادری میں افضل
تھا تو دوسرا ایسے باکی میں اعلیٰ تھا۔ ہمارے پاس یہہ فیصلہ کرنے کا بہت کم مصالحہ ہے
بلکہ بالکل نہیں ہے کہ اگر یہہ کشاکش محض معمولی سیاسی میدان عمل تک محدود رہتی اور
جائز طور سے حصول انجام تک جاری رکھی جاتی تو اُس کا نتیجہ کیا ہوتا۔ سندھیا تقریباً
ساٹھ سال کا ہوچکا تھا۔ اگرچہ وہ عادۃً اعتدال و سادگی پسند تھا مگر اُسکی زندگی معرفیت
میں گزری تھی۔ علاوہ براں پاؤں کی معذوری کی وجہ سے وہ بہت زیادہ ورزش کرنیکے
قابل بھی نہیں رہا تھا اس لیئے اُس پر ایک بھدا مٹاپا بھی آگیا تھا اس وقت اُسکے صفحہ ۱۸۵
مقابلے کے لیئے نہ صرف ایک متین اور ہوشیار برہمن وزیر ہی تھا بلکہ دوسرا ہلکر بھی تھا
جو گزشتہ واقعات کے گھاؤ کھائے ہوئے تھا۔ اور جو کچھ وہ کرچکا تھا اُس سے بھی وہ

اتنا ہی آگ ببھوکا ہو رہا تھا جتنا اُس سے جو اُس کے ساتھ کیا جا چکا تھا کیونکہ لاکھیری پر شکست کھانے کے بعد اُس نے سندھیا کی جاگیرات واقع شمالی مالوہ کو برباد کر کے رکھ دیا تھا اور اُس کے دارالحکومت اُجین کو لوٹ لیا تھا۔ اور سندھیا نے اِن بداعمالیوں کے لائق اب تک اُسے کوئی سزا نہیں دی تھی۔ غرض یہ کہ معافی اب ہلکر کے ہی ہاتھ میں رہ گئی تھی یعنے اگر وہ معاف کر سکتا تو اُس کو وہ بھی معاف کرنا چاہیئے تھا جو اُسکے ساتھ کیا گیا تھا اور وہ بھی جو خود اُس نے کیا تھا۔ سب سے بڑی اور آخری دشواری یہ تھی کہ پرانی چال کے مردانِ میدان کا وہ طبقہ جو اب افلاس کی حالت میں تھا مگر اپنے کبر و نخوت کو نہیں چھوڑتا تھا اگر سندھیا سے بالکل نفور نہیں تھا تو اُس کے ساتھ بالکل گرمجوشی کا برتاؤ کرنے پر بھی اس لیئے رضامند نہ تھا کہ اُس نے مرہٹوں کی قدیم روش کو چھوڑ کر اُنھیں رنج پہنچایا تھا اور کثرت سے غیر ملکیوں پر نوازشیں کر کے ملکیوں کے دل دکھائے تھے۔ اس قماش کے لوگ اس وجہ سے اور بھی برافروختہ تھے کہ سندھیا نے مسلمانوں کے سے چلن سیکھ لیئے تھے اور بالکل جھوٹا انکسار اختیار کر رکھا تھا جس کے پردے میں وہ اپنی نخوت کو چھپانا چاہتا تھا۔

اُس پر آسانی سے یقین نہیں کیا جا سکتا کہ جون ۱۷۹۲ء کے دربار میں جن مصنوعی حرکتوں کا سندھیا نے اظہار کیا تھا اُن سے اُس کے مخالفین کچھ متاثر ہوئے مگر اس انداز روش سے اگر نوجوان پیشوا کی بالکل آنکھوں میں خاک نہیں پڑ گئی ہو گی تو کم سے کم اُس پر روغن قاز ضرور مل دیا گیا ہو گا کیونکہ ابھی تک وہ دنیا کے دھندوں میں بالکل خامکار تھا اور سخت نگرانی سے بے انتہا گھبرا گیا تھا۔ سندھیا نے اس پر اصرار کیا تھا کہ پیشوا اپنے ہاتھ سے اُس کو اپنی نیابت کا وہ منصب عطا فرمائے جو دربار دہلی سے مل چکا تھا۔ کچھ تو اپنے ممتاز ماتحت کے اس تملق کا اثر پیشوا پر ہو ہی چکا تھا اور رہا سہا
پورا اثر سندھیا کی خوش طبعی اور بے تکلفی کا اُس پر ہو گیا۔ چنانچہ پیشوا نے پٹیل کو اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ صفحہ ۱۸
اُن شکارگاہوں اور سیر و تفریح کے موقعوں کے لیئے بنا لیا جن کے لیئے گھر گھسا نانا فرنویس نہ موزوں تھا نہ راضی تھا۔ لیکن وہ پختہ کار برہمن بھی ان تمام حرکتوں کو ایک لمحے کے لیئے اپنی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا اور یہ روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ پیشوا کے ساتھ کشتی پر سفر کرتے وقت نانا فرنویس نے نہایت سنجیدہ الفاظ میں پیشوا کو اس بات پر

فہمائش کی کہ اُس نے اس درجہ عنایات کیوں ایک دخیل کار پر مبذول فرمائی ہیں جو اس قدر اپنے قومی شعار و آداب سے بے پروا ہے۔ جب نانا فرنویس کی تمام پند و نصیحت بے نتیجہ ثابت ہوئی تو اُس نے باچشم پُرنم اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ملاقات کی خبر سنکر سندھیا نے وہ مزید سپاہ طلب کی تھی جو پیرن کی سرکردگی میں آئی تھی۔

لیکن یہ آویزش ایک ناگہانی جھٹکا کھا کر ختم ہو گئی۔ ۱۲ فروری ۱۷۹۴ء کو یہہ اعلان کیا گیا کہ سندھیا کا بعارضۂ بخار پونا کے ایک موضع وناؤلی میں انتقال ہو گیا۔ وجہ مرگ تو صرف بخار ہی بیان کی گئی تھی مگر اس سے پہلے کسی قسم کی علالت کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے۔ تاریخ مظفری کا صاحب عنوانات معاصر ایک لمبی داستان بیان کرتا ہے جس کا خلاصہ یہہ ہے کہ شام کے وقت پٹیل کو راستے میں ایک مسلح گروہ نے گھیر لیا جو خاص اسی کام کے لیئے نانا فرنویس نے کمینگاہ میں بٹھا دیا تھا۔ یہہ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ نانا فرنویس کے پاس سندھیا کو اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے کے معقول وجوہ موجود تھے۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ سندھیا اور اُس کے ہمراہیوں نے ایسی سخت مدافعت کی کہ حملہ آوروں کو بھگا کر چھوڑا لیکن مدافعین کا سردار اتنے شدید زخم کھا چکا تھا کہ وہ دوسرے ہی دن اُسکی ہلاکت کا باعث ہو گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا واقعہ مرہٹہ سیاسیات میں بالکل غیر معمولی نہیں تھا۔ اس واقعے کے کئی سال بعد گنگا دھر شاستری کے قتل سے پیشوائی کا بالکل ہی خاتمہ ہو گیا۔ مگر گرانٹ ڈف اس افواہ کا کوئی حوالہ نہیں دیتا ہے اور صرف اتنا لکھتا ہے کہ مادھوجی کا انتقال بڑی سیاسی اہمیت کا واقعہ تھا کیونکہ مادھوجی برہمنوں کے ورسے زیادہ بڑھے ہوئے اقتدار کا جانی دشمن تھا۔

یہی محتاط مورخ کہتا ہے کہ مادھوجی سندھیا ایک مردانہ سادگی اپنی طبیعت میں رکھتا تھا جس نے اُس کی شان کو ضابطہ کی آرائش اور عیش پسندی کی دلفریبی سے یکساں اعلیٰ و بالا کر رکھا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مادھوجی اپنی طرز ماند و بود میں اُن اصولوں پر چلتا تھا جو اُس نے اپنی ذاتی قوت اور آگ و معاملہ فہمی سے بنا لیئے تھے اگرچہ وہ کسی طرح قدامت پسند طبقے میں شریک نہیں تھا پھر بھی وہ اپنے آبا و اجداد کے

نقش قدم پر اتنا ساضرور چلتا تھا کہ حقیقی عظمت کو کافی سمجھکر اُس کی شایان شان نمائش
سے بے پروا تھا۔ مرہٹوں کی خصوصیات کی مثالیں سر جان ملکم نے اُس موقع پردی
ہیں جہاں مورخ موصوف نے اُن طریقوں کا تذکرہ کیا ہے جن پر چلکر بعض مرہٹہ متقدمین
نے بعض ممالک حاصل کیئے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک مثال یہاں کافی سمجھکر
ہم صوبۂ مالوہ ہی کو لیتے ہیں جس کا کثرت سے اس داستان میں بھی تذکرہ آیا ہے یہہ
وہ قطعۂ ملک تھا جو پیشوا بالاجی باجی راؤ نے سلطنت دہلی سے اُس وقت چھین لیا تھا
جبکہ نواب آصف جاہ اس کو چھوڑ کر ملک حیدر آباد میں اپنا ایک نیا مقبوضہ قائم کرنیکے خیال
سے گئے تھے۔ نواب آصف جاہ کے جانیکے بعد سب سے اول اس پر دربار دہلی کی طرف
سے ایک ہندو صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ ۱۷۳۲ء میں پیشوا نے بعض اہل مالوہ کی سازش
سے مالوہ میں داخلہ حاصل کیا۔ اس پر دربار دہلی کے ساتھ نامہ و پیام کی نوبت آئی
جس کا اختتام اس طرح پر ہوا کہ پیشوا اس بات پر راضی ہوگیا کہ اس صوبے پر سلطنت دہلی　صفحہ ۱۸۸
کے باجگذار کی حیثیت سے حکومت کرے۔ لیکن پیشوا نے اس صوبے پر حقیقی قبضہ
ملہار راؤ ہلکر اور رانوجی سندھیا کو برابر برابر دو حصے کر کے دیدیا دراں حالیکہ ضابطے کی
دستاویز یہہ مرتب کی گئی تھی کہ اس ملک پر پیشوا تاج دہلی کی ماتحتی میں قابض رہیگا۔
دونوں قابضوں نے یعنے ہلکر اور سندھیا نے اس دستاویز پر پیشوا کی وفاداری عہد
کی ضمانت لکھی تھی کہ اگر پیشوا اپنے تئیں وفادار صوبہ دار نہیں ثابت کریگا تو ہر دو ضامن
پیشوا کے دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن اس تمام تحریر بازی نے ان دونوں سرداروں کو
اس صوبے کی حکمرانی و فوائد کا تقاسمہ کر لینے سے باز نہیں رکھا اور بہ حیثیت ملازمان پیشوا
کے وہ فاضل آمدنی پیشوا ہی کو دیتے رہے "

غرض یہہ کہ مادھوجی سندھیا بھی بالکل اپنے آبا کے نقش قدم پر چلا جبکہ اُسنے
اظہار اطاعت کر کے حقیقی مطلع کا درجہ حاصل کر لیا یعنے جبکہ وہ ادنی چاکر کا روپ بھر کر
تمام ہندوستان کا مالک بن بیٹھا۔ جب تک حقیقی فوائد اُس کے ہاتھ میں تھے تب تک
وہ نہایت خوشی سے اپنے تئیں پیشوا کا کفش بردار اور اُس کا وکیل کہتا اور
کہلواتا تھا۔ لیکن وہ اپنے پیشروؤں سے اس بات میں اختلاف رکھتا تھا کہ اُس میں
ایک نہایت زبردست قوت ادراک اور غیر متزلزل تمکین ایسی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے

مدعا کے دامن سے لپٹا رہتا تھا اور جب وہ مدعا حاصل ہو جاتا تو اُسے ایک قدم
اور بڑھانے کے لئے کام میں لاتا تھا؛

اس معاملے کی سطح پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نظر بالکل تہہ تک ہی
پہنچکر ٹھہرتی ہے اور ہمیں سندھیا کی شخصیت میں ایک خصوصیت ایسی نظر آتی ہے
جس میں بہت کم مشاہیر عالم اُس کے شریک نظر آتے ہیں۔ الیور کرامویل اور لارڈ چیتھم نے
وقتاً فوقتاً جو روپ بھرے ہیں وہ سب اس موقع پر ہم کو یاد آجاتے ہیں۔ یہہ دونوں
بھی خصوصیات مماثلت اور اثرات رنگبازی سے بالا نہیں تھے۔ مگر ان میں سے
ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی اُس مماثلت سے خود فریبی کا شکار بنگیا ہو جو اُس نے صفحہ ۱۸۹
کسی تحسند سپاہ کی یا کسی ایوان آئین سازی کی خاطر اختیار کی ہو۔ اس سے کم ہم کو
سندھیا کی خصوصیت کا اندازہ اُس کی شانِ مماثلت میں نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ کبھی
اپنی بغایت اصلی کو عین اُس وقت پر بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا تھا جبکہ وہ بظاہر
انتہائے انکسار سے کام لیتا ہوتا تھا۔ اگر وہ دیگر اشخاص کو وہ نمائشیں پیش کرتا تھا جنھیں
وہ خود حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا تو وہ علانیہ اس حقارت کا اظہار کر دیتا تھا۔
اور کبھی اُن نمائشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کا ادعا نہیں کرتا تھا جن کو دیگر اشخاص
خراج تحسین سمجھکر اُس کے ہاتھوں سے بڑے شوق کے ساتھ قبول کر لیتے تھے۔ بہر حال
اس معاملے میں جس غلطی کا اُس کو انصافاً الزام دیا جا سکتا ہے وہ یہہ تھی کہ وہ جمہور کی
معاملہ فہمی کا اندازہ اصلی معیار سے بہت کم کیا کرتا تھا اور اکثر اپنی ہیچمیرزی میں اسقدر مبالغہ
کرتا تھا کہ بجائے رفع شکوک کے بدظنی بڑھ جاتی تھی۔ ایک اور سقم جو اُس کی طبیعت میں
تھا اُس کا پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے یعنے یہہ کہ جو ہمت مردانہ اُسے ودیعت کیگئی تھی
وہ جس طرح اُسے بداقبالی کے وقت مستعد اور دلیر بنائے رکھتی تھی اسی طرح خوش اقبالی
کے وقت اُس کو حدود احتیاط سے باہر بھی نکال دیتی تھی؛

سب سے آخر میں یہہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُس کی سیاسی زندگی ہمیشہ بہت
محتاط نہیں تھی۔ جولیت و لعل کا انداز اُس نے اُس وقت اختیار کیا جب کہ رگھوبا
منصب پیشوائی پر دانت جمائے ہوئے تھا وہ انداز کسیطرح قابل توجیہہ نہیں ہے۔ اگر سندھیا
نے اس مدعی حکومت کے جرائم کسی وجہ سے بالکل نظر انداز کر دیئے تھے تو پھر

ایک عالی حوصلہ سردار کی طرح سندھیا کا کام یہہ تھا کہ وہ اپنی امداد کو برابر جاری رکھتا اور عین اُس وقت پہلو نہ بچاتا جبکہ امداد کی اشد ضرورت تھی۔ اس کے بعد یہہ الزام بھی قرین قیاس ہے کہ اگر سندھیا نے افراسیاب خاں کے قتل کا خود ایما نہیں کیا تو کم از کم اس کو مباح ضرور سمجھا۔ قاتل کی سزایابی کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے درآں حالیکہ اُس کے قاتل ہونے کا کافی سے زیادہ ثبوت موجود تھا اور اُس نے بھاگ کر سندھیا کے لشکر میں پناہ بھی لی تھی۔ دو مرتبہ سندھیا نے ہیچ در ہیچ طریقوں سے یہہ امتحان کرنا چاہا کہ وہ برطانوی حکام کی عنایات سے یہہ خراج مزاعات بھی وصول کر سکتا ہے یا نہیں کہ اُن سے خراج بنگال وصول کر لے۔ اس مطالبے پر اصرار کے ساتھ قائم رہنے کے جائز وجوہ سندھیا کے پاس موجود تھے اور اُس کو اپنی طرف سے بریت مطلق اتنی جلدی نہیں پیش کرنی چاہیئے تھی جو ایک حد تک توہین آمیز تھی ؛

یہہ کہنا ایک فرسودہ رائے کا ظاہر کرنا ہے کہ سندھیا کے زمانے کے اور سندھیا کی طبیعت کے آدمی کی زندگی کی تنقید کرتے وقت ہم کو وہ محک نہیں استعمال کرنی چاہیئے جس پر زمانہ حال کی یورپین معاشرت کسی جاتی ہے۔ پھر بھی حقیقت پسندی کو یاد کر لینا کبھی کبھی کارآمد ضرور ہو جایا کرتا ہے۔ اور اس خاص معاملے میں ایسا یاد کر لینا غیر ضروری احتیاط سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت حال یہہ ہے کہ اس سے زیادہ متمدن زمانوں میں اس سے بڑھکر مدعی تہذیب و معاشرت مدبروں کی خصوصیات ہمیشہ خاص خاص کسوٹیوں پر کسی جاتی ہیں۔ ایک ممتاز جرمن بیرن ہیوسٹ کا مقولہ ہے کہ سیاسیات کا بھی ایک علیحدہ علم الاخلاق ہے۔ اور یہہ مقولہ بہت پُرانے زمانے کا نہیں ہے۔ اور ابراہیم لنکن بمقابلہ نپولین ثالث کے ہمارے زمانے سے قریب ترمستثنیٰ ہو گزرا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سندھیا کے زمانے کے ہند میں جو اشخاص کہ معاملات سلطنت میں پیش پیش ہوتے تھے وہ عموماً بدقماش و بدکردار ہوتے تھے۔ غازی الدین ہی کو دیکھو جس نے اپنے بے قصور بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اپنی ہی رعایا کے قتل و غارتگری کا اہتمام کیا تھا۔ رگھوبا کی اُس خونریزی کو خیال کرو جو اُس نے اپنے ہی خاندان کے اندر روا رکھی۔ پھر بھی اِن لوگوں کو برابر کامیابیاں اُس وقت تک ہوتی رہیں جبتک

صفحہ ۱۹۰

یہہ زورمند رہے اور جس وقت یہہ اپنی بساط سے آگے بڑھنے لگے تب اُنکو ناکامی کا صفحہ ۱۹۱
منھ دیکھنا پڑا۔ نجیب الدولہ اور میرزا نجف خاں بیشک ایسے اشخاص تھے جو عزت دار
بھی رہے۔ اور کامیاب بھی رہے۔ لیکن اُن کو اُن مستثنیات سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا جو
کسی کُلیہ کے ثبوت کے لیئے لازم ہوتے ہیں۔ کم سے کم ایشیا کے سرکاری آدمیوں میں
کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو انصافاً مادھوجی سندھیا کا مثیل ہی کہا جا سکے۔ اور اُن
سب کے مقابلے میں اُس کو نہ صرف اپنی کامیابیوں کے اعتبار سے بلکہ اپنے دل
و دماغ کی قابلیتوں کے لحاظ سے بھی فوقیت حاصل تھی۔ اور اس فوقیت کے کثرت سے
ثبوت ہمارے اس تذکرے میں دیئے گئے ہیں جو مختلف ماخذوں[1] سے جمع کیے گئے ہیں کہ
جو واقعات کہ اُس نسل سے متعلق جمع کیئے گئے ہیں جو سندھیا کے بعد آئی اُنسے
سندھیا کی شخصیت پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے اور اُس استنباط کی تصدیق ہو جاتی
ہے جو اُس کے افعال سے کیا جاتا ہے۔ نتیجہ اگر بہ حیثیت مجموعی قابل تعریف نہیں ہوتا تو
قابل اطمینان ضرور ہوتا ہے۔ یعنے معقول منصوبوں کی اصلیت کو سمجھکر وہ پختہ کرتا تھا اور
بہادری اور دور اندیشی کے ساتھ اُن کے حصول کی کوشش کرتا تھا اور اپنی حیثیت اور
اپنے زمانے کی دلفریبیوں کا شکار نہیں ہوتا تھا۔ وحشیانہ طوائف الملوکی کے منظر عام
میں جبکہ معاشرت کی رشیمیں ڈوریوں میں گتھیاں پڑی ہوئی تھیں اُس کا معاملہ سب
کے ساتھ سلجھا ہوا تھا۔ وہ متواضع تھا اور بیرحمیوں سے بالکل مبرا تھا۔ اگرچہ اُسکی طبیعت
اتنی ذکی الحس تھی کہ وہ کینہ توزی کی حد تک پہنچا ہوا تھا مگر وہ اپنی طبیعت پر قابو رکھتا
تھا اور رفتہ رفتہ ان سقوم کی اصلاح کرتا جاتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ۱۷۷۲ء میں اُسنے
نجیب الدولہ اور رُہیلوں سے انتقام لینے پر کس قدر زور دیا تھا اور اُن کو معاف
کرنے میں شرکت کرنے پر یا انتقامی خیالات کو دل سے نکال دینے پر اُس کو ترجیح
دی تھی کہ کچھ عرصے کے لیئے اپنے حوصلہ مند منصوبوں کے میدان عمل ہی سے اپنے صفحہ ۱۹۲
تئیں باہر نکال لے۔ اس کے ساتھ ہی جب ہم اُس کی حقارت آمیز درگزر کو ملاکر کے

---

[1] ہمارے ماخذوں کی فہرست دیباچہ میں دیکھو۔ سندھیا کی اتنے مختلف آدمیوں نے مدح و ثنا کی ہے
مثلاً جان مالکم گرانٹ ڈف۔ ڈی بائن۔ حاملین روایات مہاراشٹر اور مسلمان مورخین۔ ۱۲ مصنف

سفیہانہ بلکہ خبیثانہ طرزِ عمل کے جواب میں دیکھتے ہیں تو ہم کو اُس اخلاقی ترقی کا اندازہ لگانے کے کچھ ذرائع مل جاتے ہیں جو اُس نے بیس سال کے عرصے میں کرلی تھی۔ بغرض یہہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ محض بیرونی بلاؤں پر ہی نہیں بلکہ اندرونی بلاؤں پر بھی غالب آتا رہا ہے اور ان اندرونی بلاؤں میں سے ایک اُس کی مغلوب الغضبی کو بھی شمار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگرچہ بدمزگی کو کوشش کر کے ضبط کرنے کی قابلیت سندھیا کی سی زندگی میں بیکار نہیں تھی بلکہ ایسے شخص کے لیئے ناگزیر تھی جو خود نیک نیت تھا اور بد قماشوں سے گھرا ہوا تھا پھر بھی مغلوب الغضبی کا سقم جو اس قابلیت کے ساتھ اُس میں موجود تھا وہ بھی منزل مقصود کے لیئے سنگ راہ سے کم نہیں تھا۔ روپے کی طرح غصے کا بھی یہہ قاعدہ ہے کہ جتنی جلد آتا ہے اتنی جلدی چلا بھی جاتا ہے۔ مگر سندھیا کے معاملے میں یہہ کلیہ صادق نہیں آتا تھا کیونکہ اُسے جلد غصہ آتا تھا اور دیر سے اور مشکل سے اُترتا تھا۔

لیکن اگر وہ کسی برائی کو بہت کم معاف کرتا تھا تو وہ کسی بھلائی کو ہرگز نہیں بھولتا تھا۔ اگر وہ سزا دینے میں جہاں سزا کی ضرورت ہوتی بہت سخت تھا مگر وہ سنگدل بھی نہیں تھا نہ بے ضرورت رنج پہنچانے کا عادی تھا۔ اور جب حُسن خدمات کا صلہ دینے پر آتا تھا تو اُس کی احسان شناسی نہ کسی حد کو جانتی تھی نہ کبھی فراموشی کا حیلہ ڈھونڈھتی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہہ نکلا تھا کہ اُس کی خدمتگزاری ہمیشہ وفاداری و محبت کے ساتھ کی جاتی تھی اور اُس کی مرضی کا خیال اُس وقت بھی رکھا جاتا تھا جبکہ وہ مرچکا تھا اور اپنی مرضی کو نہیں چلا سکتا تھا۔ ڈی بائن کے تذکرے کو پڑھتے وقت یہہ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے کہ سندھیا کی کامیابی کس قدر اُن نیک خیالات پر منحصر تھی جو دلوں میں اُسکی اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتے تھے اور اُس اعتماد پر مبنی تھی جو اُسکے ماتحتوں کو اُس کی وضعداری وفائے عہد اور پختگی ارادہ پر تھا۔ اگر اُس کو بالکل نیکمزاج نہیں تو خوش مزاج ضرور کہا جاسکتا ہے اور اُس کے چہرے سے باوجود غیر معمولی سیاہی کے بھی ہوشمندی کے آثار اور دلفریبی کے انداز ظاہر ہوتے تھے۔ حسن اتفاق سے ان صفات کا اصلی عکس ایک نامعلوم الاسم اطالوی نقاش نے اُتارا ہے جسنے سندھیا کی موت سے کچھ ہی پہلے پونا میں اُسکی تصویر کھینچی تھی۔ یہہ تصویر جو اس وقت رائٹ آنریبل سر ایم گرانٹ ڈف کے قبضے میں ہے دو فٹ طول اور ۱۲ فٹ عرض کے صفحہ ۱۹۳

چکنے کاغذ پر ہے اور نہایت صحت کے ساتھ کھینچی گئی ہے اگرچہ رنگ میں ذرا بھدی ہے اس میں صرف سر اور شانے نمودار ہیں جن سے یہہ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ جسم کی فربہی کوئی بہت زیادہ نہیں ہوگی۔ سندھیا کے اخلاق بالکل ایسے تھے جیسے یہہ تصویر زبان حال سے بتاتی ہے یعنے باوجود اُن شیونات مماثلت کے جو وہ ضرورت وقت کے لحاظ اختیار کر لیتا تھا وہ صاف دل اور تصنع سے نفور تھا۔

اُسکی ذاتی زندگی نہایت سادہ اور نفس کُش تھی۔ اُس نے اپنے زمانے کے ہمطبقہ اشخاص سے بہتر تعلیم پائی تھی اس لیئے وہ نہ صرف لکھ پڑھ سکتا تھا بلکہ عمدہ حساب داں بھی تھا اور فارسی و اُردو کی روزمرہ سے واقف تھا۔ وہ کاروبار میں ماہر تھا اور جنگ یا ملکی انتظام کی تفصیلات پر دماغ سوزی کیئے بغیر بھی ہمیشہ ایسے کارکن منتخب کر لیا کرتا تھا جن پر وہ پورا اعتماد رکھتا تھا اور جو اُس کے اعتماد کے پورے اہل ثابت ہوتے تھے۔ جس طرح ہندوستان میں ڈی بائن نے اُس کی نہایت وفاداری سے خدمت کی اسی طرح وسط ہند کے وہ حکام جو اُس نے اُجین گوالیار میں متعین کر دیئے تھے جہاں اُس کو نگرانی یا معائنہ کرنے کا اپنی زندگی کے بڑے حصے میں موقعہ نہیں ملا اُس کی طرف سے لڑائیاں لڑنے میں یا اُس کے ملکی معاملات صفحہ ۱۹۴
کے انصرام میں ڈی بائن سے کم کامیاب نہیں رہتے تھے۔ خود مصنف سے ہند کے ایک زبردست مرہٹہ آنریبل سر ڈنکر راؤ نے یہہ کہا کہ پونا کے اعلیٰ طبقے میں ایک روایت وہ بڑے بوڑھے بیان کیا کرتے ہیں جنھوں نے سندھیا کو دیکھا ہے کہ سندھیا بڑی خوبیوں کا اور بڑے دل والا آقا تھا اور صرف اُن لوگوں کو معاف نہیں کرتا تھا جو جنگ میں اظہار بزدلی کرتے تھے ورنہ اور سب کے ساتھ اُس کی مراعات و عنایات یکساں تھیں۔ اور نہ دِلی عنایات کا معیار بلالحاظ مذہب یا قومیت کے صرف اظہار قابلیت تھا۔ اسی اصول عمل سے مخلوق کے دل مسخر کر لیئے جاتے ہیں اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر دی جاتی ہیں خاص کر مشرق میں جہاں خود مختاری تلوّن مزاجی پیدا کرتی ہے اور تلوّن مزاجی ماتحتوں کیجانب سے بے اعتباری و بے اعتنائی اور بری طرح سے خدمتگزاری کا موجب ہو جاتی ہے جسکا انجام بغاوت و تباہی ہوتا ہے۔

اس کا بہترین ثبوت کہ ہم سندھیا کی توصیف میں مبالغہ نہیں کر رہے ہیں

اُن مشکلات سے مل سکتا ہے جن کا سندھیا کے جانشین کو سامنا کرنا پڑا۔ سندھیا لاولد مرا اور اُس نے کسی کو متبنیٰ کرنے کی کوئی باضابطہ رسم بھی نہیں ادا کی اور جو اقتدار اُس نے پیدا کر لیا تھا اُس کو وہ ایسے شخص کے لیئے چھوڑ گیا جو اُس کے خاندان بھر میں سب سے زیادہ قابل ہو۔ اور اپنا وارث پندرہ سال کے ایک نوخیز لڑکے کو زبانی نامزد کر گیا۔ یہہ نوجوان دولت راؤ تھا جو سندھیا کے سب سے چھوٹے بھتیجے آنندی راؤ کا بیٹا تھا۔ بوڑھے سندھیا نے جو وقار و احترام دلوں میں پیدا کر لیا تھا اُسکی واضح ترین علامت یہہ ہے کہ باوجود خود سندھیا کی بیوہ کی مخالفت کے اس خامکار نوجوان کو عزت و شان والے دادا کی زبانی وصیت کی تعمیل میں فوراً جانشین تسلیم کر لیا گیا۔ گرانٹ ڈف کہتا ہے کہ سندھیا کے جملہ متعلقین خاندان اور جملہ مرہٹہ حکام نے مبارکباد کے پیغام بھیجے چنانچہ یہہ لڑکا جو ابھی تک اپنا پندرھواں سال بھی پورا نہیں کر چکا تھا مادھوجی کی وسیع مملکت کا لاکلام مالک بن گیا۔

جو لوگ ایسے معاملات میں ہندو مطمح نظر کو سمجھتے ہیں وہ جب اُس کو دیکھیں کہ صفحہ ۱۹۵
سندھیا لاولد فوت ہوا اور اُس نے کوئی وارث اپنی کریا کرم کے لیئے بھی متبنیٰ نہیں کیا تو اُن کو متوفی کی حقیقت پسندی کا اچھی طرح ثبوت مل جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ وہ اپنے ملک و زمانے کے توہمات و وہمیات سے کس درجہ بالا تھا۔ آجکل کے زمانے تک بھی ہنود میں متوفی کی روح کی شانتی کے لیئے کریا کرم پر وہی عقیدہ ہے جو دور عیسوی شروع ہونے سے پہلے یورپ میں متروک ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب کوئی ہندو اپنی موت کا وقت قریب آتا دیکھتا ہے اور اپنا ذاتی وارث نہیں رکھتا تو وہ عموماً ایک صفاتی وارث بنا لیتا ہے تاکہ نسل کو قائم رکھنے کے فرائض ادا کرتا رہے اور سب سے بڑھکر یہہ کہ متوفی کے ذاتی عیش و آرام کو عالم ارواح میں قائم رکھ سکے۔ جب اس اصول کی اہمیت کو ہم سمجھیں تب ہم اُس شخص کی آزاد طبیعت کا اندازہ کر سکینگے جس نے اپنے عالم ارواح کے آرام کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور اپنے جانشین کے معاملے کو صرف زبانی وصیت پر اس لیئے چھوڑ دیا کہ اُسے اپنے وفادار حکام پر پورا اعتماد و اعتبار تھا۔ ظاہر ہے کہ مادھوجی کو جتنی کم اس عالم کی شان و شوکت کی پروا تھی اُتنی ہی کم اُس عالم کی ہیبت و جبروت کی فکر تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے محکوموں کو اپنے وارث کے انتخاب سے

بارے میں ہدایات دیں اور جب وہ مرگیا تو انندی راؤ کا بیٹا شجرۂ خاندانی کی ایک
شاخ بنا دیا گیا اور متوفی حکمراں کی زبانی اور محض بے ضابطہ وصیت کی ہر حیثیت سے
اُتنی ہی تکمیل کے ساتھ تعمیل ہوگئی جتنی کہ اُس وقت ہوتی جبکہ پونا کے تمام شاستری
اُس کی باضابطہ رسم تبنیت کی ادائگی میں شریک ہوتے رہا یہہ امر کہ یہہ وارث اپنے
مورث کے برابر اقبالمند نہیں رہا اُس کو کیفیت ماحول سے منسوب کرنا چاہیئے ؛

یہہ ہمارے تذکرے کا جزو نہیں ہے کہ ہم بالتفصیل اس وراثت کے نتائج صفحہ ۱۹۲
بیان کریں لیکن منجملہ اُن سب کے ہم یہاں معدودے چند کو اُن مشکلات کے ظاہر
کرنے کے لیئے ضرور نقل کرینگے جو اُس صورت حالات کے راستے میں حائل ہوگئی
تھیں جس پر ہم بحث کر آئے ہیں اور جن سے وہ خاص صفات بھی نمایاں ہو جائیں گی
جن سے ان مشکلات کے فرو کرنے میں سندھیا کام لیا کرتا تھا۔ اس دوراندیش سپاہی
میں جو اپنے نصب العین کو خوب سمجھتا تھا اور اپنی قسمت کا خود دھنی تھا اور اُس تلون مزاج
نوجوان میں جو نازونعم میں پرورش پایا تھا اور خوشامدی ندیموں سے ہروقت گھرا رہتا تھا
جو فرق تھا وہ بہت جلد ظاہر ہوگیا۔ مادھوجی نے ہمیشہ یہہ کام اپنے لائق سمجھا کہ ایک ایسی
حیثیت کے پیدا کرنے کے مشکل اور حقیقی منصوبے کی طرف متوجہ رہے جس میں اُس کو
خودمختار حکومت کی مسرت کے ساتھ اُس عظیم برادری کا رکن عظیم بنا رہنے کے فوائد
بھی حاصل ہوتے رہیں جس کا صدر اعظم پیشوا تھا۔ اس منصوبے کے حصول کے لیئے اُسے
یہہ ضروری معلوم ہوا کہ غیر متزلزل پامردی کے ساتھ ہندوستان میں جنگ اور حکومت
کیئے جائے اور پونا میں بھی اپنی سیاسی حیثیت کا پلّہ ہلکا نہونے دے۔ یعنے نانا فرنویس کے
ساتھ برابر کے جوڑ توڑ قائم رکھے۔ ہلکر کی نظروں میں اپنی عزت بنائے رہے اور انگریزوں
کے ساتھ دوستانہ غیر جانبداری برتے جائے۔ لیکن اُس نے مرہٹہ حق نمک ادا کرنے
میں کبھی تساہل نہیں کیا اور جانشینی کے تنازعات میں کبھی تلوار نیام سے نہیں نکالی اُسنے
کبھی انگریزوں کو اُس وقت روکنا نہیں چاہا جب اُنھیں کسی بات پر دل سے آمادہ
دیکھا اور اُس نے ہلکر کو مایوسی کی نوبت تک نہیں آنے دیا ؛

لیکن جب وہ مرگیا تو اُس کا جانشین اس زبردست حکومت کو چلانیکا بالکل
اہل نہیں ثابت ہوا۔ سب سے پہلی حرکت تو یہہ ہوئی کہ نوجوان پیشوا نے نانا فرنویس کی

سخت اتالیقی سے اُکتا کر موت کے دامن حمایت میں پناہ ڈھونڈھی اور خودکشی کرلی
دولت راؤ جانشینی کے تنازعہ میں شریک ہوگیا اور کبھی ایک طرف ہوجاتا اور کبھی صفحہ ۱۹۷
دوسری طرف ہوجاتا۔ آخرکار اُسے اس پر لگالیا گیا کہ اُس نے علانیہ باجی راؤ کی
طرفداری شروع کردی جو پرانے بیری رگھوبا کا بیٹا تھا۔ اور جب باجی راؤ پیشوا ہوگیا تو
دولت راؤ نے نانا فرنویس کی بالجبر گرفتاری میں امداد و شرکت کی جس نے اگرچہ قید
میں وفات نہیں پائی مگر بڑی ذلت سے جان دی۔ اس کے بعد دولت راؤ نے اپنے
مورث کی بیواؤں سے بدسلوکی کرکے مخلوق کو اپنے سے متنفر کرلیا۔ پھر اُس نے
نانا فرنویس کی جائداد پر قبضہ کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے اُس نے پیشوا سے جھگڑا
مول لیا جس کے تین وزیروں کو اُس نے گرفتار کرکے مروا ڈالا۔ اسی طرح ہلکر کے
معاملے میں اُس نے ناقابل اصلاح مخاصمت اختیار کی جس سے بہت کچھ خونریزی
اور عام تباہی پھیل گئی۔ لیکن اُس کا سب سے بیّن احمقانہ فعل وہ تھا جس کا اظہار
اُس نے انگریزوں کے ساتھ اپنے طرزعمل میں کیا۔"

مادھوجی سندھیا نے دولت برطانیہ کا ہمیشہ نہایت معقول احترام مدنظر
رکھا تھا۔ جس وقت کہ گوڈارڈ مغربی علاقے میں آیا ہے اور اُس نے برطانیہ کی
عزت کو بحال کیا ہے اُس سے پہلے جبکہ انگریز نہایت اسفل کو پہنچ گئے تھے اُسوقت
بھی مادھوجی سندھیا انگریزی سپاہیوں کے انداز حرب کی دل سے قدر کرتا تھا۔
گرانٹ ڈف لکھتا ہے کہ اجرٹن اور کرناک کی ہزیمتوں کے وقت جب انگریزی
وکیل واڈگانو والی جان بخشی کے معاملے میں گفتگو کرنے آیا ہوا تھا سندھیا نے اپنے
لشکریوں سے مخاطب ہوکر دبی آواز میں کہا تھا کہ تم لوگ کیا سپاہی ہو۔ اُن کی
صف بالکل ایک سُرخ اینٹوں کی دیوار ہوتی ہے کہ جہاں ایک گرتا ہے وہیں فوراً
دوسرا خالی جگہ میں آگھستا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کسی دن میں بھی اُسی طرف ہوکر
لڑتا ہونگا۔ سرجان ملکم جو اس واقعے کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ بیان کرتا ہے
یہ بھی کہتا ہے کہ اس کے بعد سندھیا نے یہ کہا تھا کہ لبس ایسی سپاہ رکھنے کو
میرا دل بھی چاہتا ہے۔ اسی طرح پائرس نے رومی سپاہیوں کی تعریف اُس وقت
کی تھی جبکہ وہ انھیں ہرقلیہ پر شکست دے چکا تھا۔ اور اسی ایپروٹ سردار صفحہ ۱۹۸

کی طرح سندھیا نے بھی کبھی بالارادہ کوئی تنازعہ اُس حکومت سے نہیں کیا جس کے پاس جنگ کا ایسا عمدہ مصالحہ تھا۔ سندھیا نے حتی الامکان انگریزوں کی نقل اُتارنے کی انتہائی کوشش کی لیکن کبھی خود اُس نے یا اُس کے لائق سپہ سالار نے اس نقل کی اصلیت کے بارے میں مبالغہ نہیں کیا۔ انگریزوں سے کبھی نہ لڑنا بلکہ ان سے لڑنیکے بجائے اپنے نئے طرز کے تمام سپاہیوں کو برخاست کر دیا یہہ وہ نصیحت تھی جو دولت راؤ کو ڈی بائن کے توسط سے ورثے میں پہنچی تھی۔ لیکن جنرل ڈی بائن نے ۱۷۹۶ء میں ہندوستان چھوڑ دیا اور سپہ سالاری پر اُس کا جانشین جنرل پیرن ہوا جو ادنےٰ ترتیب رکھنے والے خاندان سے تھا اور پرفریب آئین کے ساتھ جو عام تعصب برتا جاتا تھا اُس میں پورا پورا حصہ لینے والا تھا اور نتیجہ یہہ نکلا کہ بہت جلد بد طالعی کا منھ دیکھنا پڑا۔

دولت راؤ شاید بہترین جانشین تھا جسے سندھیا اپنے خاندان سے منتخب کر سکتا تھا لیکن اُس نے بہت جلد اپنی اخلاقی اور ادراکی حیثیت سے اپنے تئیں اپنے دادا کے پیچیدار آلۂ حکومت کو چلانے کا یا چلتا رکھنے کا نا اہل ثابت کر دیا۔ بجائے شہنشاہ دہلی کے ہاں پیشوا کا نائب نیب بنا رہنے کے اُسنے بہت جلد اپنے تئیں پیشوا کا تیغ بردار بنا لیا۔ اُس نے اپنی سپاہ کو غیر ملکی زر آسادُں سے بھر لیا تھا اور اپنے مشیر ایسے نامعقول اشخاص بنا لئے تھے جو اول درجے کے بد چلن اور بد قماش رہ چکے تھے۔ اُس نے اپنی سفاکیوں سے عام مخلوق کے دل میں تنفر پیدا کر دیا تھا اور اپنے مرہٹہ مددگاروں کو بیزار کر دیا تھا۔ پونا کے دربار اور مجلس حکومت کے ساتھ اُس کا برتاؤ عادتاً گستاخانہ رہتا تھا جو اکثر تند مزاجی تک پہنچ جاتا تھا۔ اُس نے شہر پونا کو لوٹا۔ بڑے بڑے سرکاری آدمیونکو قید یا قتل کر ڈالا۔ ہلکر کے خاندان میں تنازعات جائداد اور قتل تک کی نوبتیں لا ڈالیں اور مرہٹہ برادری کا شیرازہ درجۂ ہلاکت تک پراگندہ کر دیا۔ سب سے آخر میں اُس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ تشدد کا برتاؤ کرنا چاہا جو مدت سے اوسکی وجہ سے نقصان اٹھا رہی تھی۔ اور بہت جلد ایک ایسے جہاز کی طرح

صفحہ ۱۹۹

جسکی رہنمائی ساحل کیطرف غلط کی گئی ہو تباہ و غارت ہو گیا ۔ اُس کی قواعد داں سپاہ
اُس سپاہ کے مقابلے میں جس کے نمونے پر یہ تیار کی گئی تھی آخر کار کمزور ثابت
ہوئی اور اس سے ایک طرف قدامت پرست مرہٹوں کے قبل از وقت خطرات
اچھی طرح صحیح نکلے اور دوسری طرف اُس جنگجو اور عاقل انگریز کی رائے کی
تصدیق ہو گئی جس نے اپنے چند آتش کے پرکالوں سے میدان آسائی میں آگ
لگا دی تھی۔ اگرچہ یہ لڑائی مول لینی اول درجے کی نادانی تھی پھر بھی گرانٹ ڈف
جیسا سربرآوردہ تاریخی نقاد تک یہہ نہیں کہہ سکتا کہ سندھیا کی اس اصل تجویز میں
کوئی ستم تھا کہ اُس نے انگریزی قواعد و ضابطے کو اپنی فوج میں رواج دیا۔ البتہ وہ
ضابطہ و قاعدۂ سقیم اُس وقت ہو گیا جب اُس نے طبیعت میں غرور پیدا کر کے
ایک بے جوڑ لڑائی میں مصروف کر دیا۔ اگر مرہٹہ فوجیں اپنے مورثان اعلیٰ کے غیر مقامی
طرز جنگ پر جمی رہتیں تو وہ ایک نہیں دس ولزلیوں اور لیکوں کو پریشان
کر دیتیں ورنہ ایک ولزلی اور ایک لیک یہہ دونوں ہی ایسے بلائے بے درماں
تھے کہ قواعد داں پلٹنوں اور توپ خانوں کا جب جمکر معرکہ پڑتا تو ذرا سی دیر میں
خاتمہ کر دیتے۔ مگر جب ہم اُن پنڈاروں کے حشر کو دیکھتے ہیں جنھوں
نے مرہٹوں کی جنگی چالیں اختیار کر لی تھیں تو ہم کو یہی کہنا پڑتا ہے کہ غیر مقامی لڑائیوں
میں بھی میدان آخر کار انگریزوں کے ہی ہاتھ رہتا۔ اللہ اللہ۔ اُس اتحاد سے زیادہ
سخت کوئی خطرہ نہیں تھا جو ۱۸۱۵ء میں لارڈ موئرا سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیئے
قائم کیا گیا تھا۔ لارڈ موصوف نے چار فوجیں جانب شمال حملہ کرنے کے لیئے نیپال
بھیجدی تھیں جن میں سے تین کو ذلت کے ساتھ ناکام ہونا پڑا تھا مجلس انتظامیہ نے
تاکیدی احکام اس منشا کے بھیجدیئے تھے کہ پنڈاروں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی
کرنے میں شرکت نہ کی جائے خواہ اس مجارحت کی غرض اُن کا استیصال ہو یا اُنکی
طرف سے آئندہ کے خطرات کی پیش بندی ہو۔ لارڈ موصوف کے منصوبوں کی مخالفت صفحہ ۲۰۰
اُس کی کونسل کے بہترین تجربہ کار ممبروں نے کی تھی۔ دولت راؤ سندھیا مخاصمت پر
آمادہ تھا اور راجہ ناگپور کی شرکت میں ساٹھ ہزار سپاہ سے وسط ہند پر قبضہ
کیئے ہوئے تھا۔ باجی راؤ پیشوا نے مخدوش انداز اختیار کر رکھا تھا اور دشمنوں کی

ہمت بڑھا رہا تھا۔ ۱۸۱۵ء کے وسط سے پنڈاروں کا بڑا جتھا جمع ہو کر میدان
میں آ گیا۔ اُن میں سے آٹھ ہزار کے ایک گروہ نے نربدا کو عبور کر لیا اور مملکت نواب
نظام الملک بہادر کو دریائے کرشنا کے جنوب تک روند کر رکھ دیا ایک اور زبردست دستہ شمالی سرکار کے
برطانوی اضلاع پر ٹوٹ پڑا اور گنتور کے اہل قلم حکام کی چھاؤنی کو لوٹ لیا اور
قرب وجوار کے علاقے کو برباد کر ڈالا۔ نقصان جان بھی شدید ہوا اور نقصان مال کا
اندازہ پچیس لاکھ روپیہ کیا گیا تھا۔ پنڈاری سردار کے وکیل نے سندھیا کے دربار میں
بڑے غرور سے یہ دعوی کیا کہ ہم پچاس ہزار سرباز میدان میں بھیجنگے جو کلکتہ تک
آگ و تلوار سے کام لیتے ہوئے پہنچ جائیں گے۔ پنڈاروں کی مجموعی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ
کیا گیا تھا۔ اور اُس زمانے کا میدان جنگ گنگا سے کرشنا تک اور گجرات سے کانپور
تک وسیع تھا۔ مصیبت پر مصیبت یہ نازل ہوئی کہ انگریزی لشکر میں ہیضہ پھوٹ پڑا
جس سے معہ غیر مبارزین کے بیس ہزار جانوں کا نقصان ہوا۔ باجی راؤ نے اٹھارہ ہزار
کی جمعیت سے میدان سنبھال لیا اور پونا کے برطانوی رزیڈنٹ پر حملہ کر دیا
راجہ ناگپور نے بھی اُس کی تقلید کی۔ وسط اکتوبر ۱۸۱۷ء میں متحدہ افواج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ
سوار و پیدل تھی جس کے ساتھ پانسو ضرب توپیں تھیں؛

یہ تمام خطرات چار ماہ میں رفع کر دیئے گئے دولت راؤ کی تمام جنگی قوت
قابلانہ نقل و حرکت کے ذریعے سے ایک جگہ گھونٹ کر رکھ دی گئی ہلکر کی فوج بالکل صفحہ ۲۰۱
کالعدم کر دی گئی۔ پیشوا باجی راؤ کو فرار پر فرار کرنا پڑا۔ پنڈاری سرغناؤں کا اُن کے
ہمراہیوں سے ساتھ چھڑا دیا گیا اور اُنھیں ہتھیار ڈالنے پر یا جنگل میں جا کر تباہ ہو جانے پر
مجبور کر دیا گیا؛

اس سے یہ پورے طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی قسم کا ایشیائی فن حرب
یورپین وسائل جنگ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا تھا اور سندھیا نے کوئی غلطی ایسی نہیں کی تھی
کہ اُس نے اپنے اولوالعزمانہ منصوبوں کو ایک قواعد داں سپاہ کی بنیاد پر قائم
کیا تھا جس کی تربیت و قیادت یورپین افسروں کے سپرد تھی اور اسطرح پرانے
ایشیائی فن جنگ کے مقابلے میں وہ پوری طرح میدان جیت گیا تھا۔ غلطی جو کچھ تھی
وہ سندھیا کے جانشین کی تھی جس نے یہ گمان کر لیا کہ اُس کی حقیقتہً دوسرے

درجے کی سپاہ اُس اول درجے کی سپاہ پر غالب آجائیگی جس کے نمونے پر یہ تیار کی گئی تھی۔ یہی غلطی بعد کے زمانے میں سکھوں نے کی اور اگرچہ اس خود فریبی کے لیئے اُنکے پاس سامان بہت عمدہ اور مضبوط موجود تھا مگر گھسان کی لڑائی کے بعد نتیجہ واحد رہا۔

المختصر زمانۂ حال کے شائقین تاریخ کی طرف سے مندرجۂ ذیل سوالات کیئے جاسکتے ہیں۔ (۱) مادھوجی سندھیانے کیا کیا..... (۲)... جن واقعات پر ہم تبصرہ کر آئے ہیں اُن کا اقلیم ہند میں برطانوی سلطنت کی ترقی پر کیا اثر پڑا ہم دیکھ چکے ہیں کہ جو واقعات معاہدۂ سالبائی کے محرک اصلی ہوئے تھے اُنھوں نے سندھیا کے دل پر انگریزوں کی جنگی قابلیت کا نقش فی الحجر کردی تھی۔ اُن کی سفارتی قابلیت کے متعلق اُس کی رائے ایسی اعلیٰ نہیں تھی خواہ اُن کا نمایندہ خود وارن ہیسٹنگز ہی کیوں نہوتا۔ اس کی ایک خاص مثال گرانٹ ڈف نے بیان کی ہے۔ اُس زمانے میں وارن ہیسٹنگز کے متعلق یہ علم ہوا تھا کہ وہ مسٹر میلٹ کو پیشوا کے دربار میں وکیل بناکر پونا بھیجنے والا ہے اس پر مادھوجی نے جو اعتراض کیا تھا وہ قابل غور ہے۔ اُس نے کسی قسم کی دھمکیاں نہیں دیں نہ اُس نے انگریزوں کی اس حرکت کو اپنی طرف کسی قسم کی دھمکی پر محمول کیا کہ براہ راست اُس کے آقا کے ساتھ معاملات طے کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ پھر بھی اُس نے اس کو ایک خطرناک دست اندازی سے تعبیر کرکے اس کی سخت مخالفت کی۔ اُس نے یہ لکھا کہ انگریزوں کی طرف سے کسی وکیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں خود مرہٹہ برادری کے سامنے انگریزوں کے حقیقی قائم مقام کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اس عذر کو قبول نہیں کیا گیا۔ مگر یہ بات ضرور قابل ملاحظہ ہے کہ سندھیا کو بالاصرار اس پر اڑا رہنا چاہیئے تھا کیونکہ فی الحقیقت اس تمام نامہ و پیام کے دوران میں نہ اُس سے زیادہ کسی سے کام لیا گیا نہ اُس سے زیادہ کسی پر اعتماد کیا گیا۔ علاوہ براں اُس کے ذاتی اغراض بھی اس معاہدے سے ایسے وابستہ تھے کہ جو فوائد اُسے اس پرمنفعت معاہدے سے حاصل ہوئے اُن سے اُس کو ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرلینے کا اطمینان ہوگیا۔

جبکہ وہ اپنی تمام مشکلات پر غالب آچکا تھا اور جبکہ سنہ ۱۷۹۰ء میں وہ بالآخر

صفحہ ۲۰۲

سلطنت دہلی کا مالک اور مرہٹہ سیاسیات میں ثالث بالخیر کا رتبہ حاصل کر چکا تھا اُس وقت بھی اُس نے برطانیہ کی ترقی میں حقیقی امداد کی۔ اگرچہ یہ بطور اثبات کے دعوےٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اُسی نے نانا فرنویس اور ہلکر کو انگریزوں اور اُن کے اتحادیوں پر حملہ کرنے سے روکے رکھا پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُسنے نانا فرنویس اور ہلکر کو دوسرے مشاغل میں ضرور الجھا دیا تھا۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں جس وقت لارڈ کارنوالس سلطان ٹیپو کیساتھ جنگ کرنے پر مجبور ہوا اُس وقت سندھیا لارڈ موصوف کے خلاف ہر قسم کی شرکت سے محترز رہا تھا بلکہ اپنا ہاتھ مدد کے لیئے بڑھایا تھا جسے بد اخلاقی کے ساتھ جھٹک دیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ انگریز ہمیشہ سندھیا کی قوت اور اُس کے اقتدار کو تشویش کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ اُس زمانے کی اعلیٰ حکومت صفحہ ۲۰۳
کی دستاویزات میں کثرت سے بدگمانی کی نظریں ڈالنے کی نشانیاں موجود ہیں لیکن گرانٹ ڈف کی یہ رائے ہے۔ اور اُس سے بہتر رائے بھی کسی کی ہوسکتی ہے۔ کہ انگریزوں کی یہ بدظنی معقول وجوہ پر مبنی نہیں تھی ؛

اس لیئے ہم اپنے تبصرے کو منصفانہ اعتراف کے دو بول پر ختم کرتے ہیں یعنے جو کچھ سندھیا نے کیا اور جو کچھ کرنے سے وہ محترز رہا۔ جو فتوحات اُس نے بحالت جنگ حاصل کیں اور جو انتظامات اُس نے بحالت صلح رائج کیئے اُن سب میں مادھوجی سندھیا نے اپنے تئیں نہایت عاقل و نہایت مبارک حکمراں ثابت کیا۔ اور جو حکومت کہ اُس کی حکومت سے بہتر اور زیادہ مضبوط تھی اُس کے قدم آگے بڑھانے کے لیئے اُس نے راستہ بھی صاف کیا اور سہارا دیکر آگے بھی بڑھایا ؛

تمّت

غلطنامۂ مادھوجی سندھیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴	۳	ہٹینگر	ہیسٹنگز	۲۸	۱۸	ستوں کو	رستوں کو
؍؍	۱۱	کارراؤئیوں	کارروائیوں	۳۰	۱۱ و ۱۲	اوراور	اور
؍؍	۱۲	امپیل گزٹیر	امپیریل گزیٹیر	۳۱	۲	قاعدوں	قائدوں
؍؍	۱۲/۱ حاشیہ سطر (۲)	امپیائر	امپائر	۳۱	۲۳	کھینچی چاہتے ہیں	کھینچنی چاہتے ہیں
۹	۱۱	جزیرۂ نمائے	جزیرہ نمائے	۳۶	۱	صفات حستہ	صفات حسنہ
۱۳	۲۰	میش پسندی	عیش پسندی	؍؍	۱۴	بھرتیور	بھرتپور
۱۸	۹	طبعیت	طبیعت	۴۴	۱۱	موقع بر	موقع پر
؍؍	؍؍	طبعیت	طبیعت	۴۴	۱۲	محکمہ خارجیہ	محکمۂ خارجہ
۲۱	۱۲	کفایت	کفالت	۴۵	۶	طبعیت	طبیعت
۲۲	۴	اس اشا	اس اثنا	۴۵	۲۵	غیر مستحکم ی	غیر مستحکم سی
۲۲	۹	سرگردگی	سرکردگی	۴۶	۴	طبعیت	طبیعت
؍؍	۱۴	دیکھیں	دیکھی	؍؍	۱۷	نحقہ	ملحقہ
۲۳	۱	گھسوٹ	کھسوٹ	۴۷	۹	برتگال	پرتگال
۲۶	۱۱	طرف اس	صرف اس	۵۱	۱۱	آویزلش	آویزش
؍؍	۱۲	لئنے	لیتے	۵۴	۱۲	بھینکنے	پھینکتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۵۸	۲۵	کھٹکنے لگا تھا	کھٹکنے لگا تھا	۸۷	۸	ڈھانے	ڈھالنے
۵۹	۲۴	سرچشمی	سیر چشمی	〃	۱۷	قبضے	قبضے میں
۶۰	۱۰و۹	ٹٹولا کہ اسے	ٹٹولا کہ اسے	۸۹	۲	خوجی	فوجی
۶۳	۶	اس کے سمجھ	اس کی سمجھ	〃	۱۹	اختام	اختتام
۶۵	۴	داران حالیکہ	دراں حالیکہ	۹۴	۲۲	بھر	بھڑ
۶۵	۱۹	اُس	اِس	۹۵	۱۲	الوڈیل	ایوڈیل
۶۸	۸	ریاستہاء	ریاستہائے	۹۷	۱	معطی	معطی
۶۸	۸	نامۂ پیام	نامہ و پیام	۹۷	۱۲	سربرآوردۂ	سربرآوردہ
۷۰	۱۴	کرے کی	کرنے کی	۱۰۱	۱۳	برشکال	برشگال
〃	۲۲	موروئی	موروثی	〃	۱۴	〃	〃
۷۲	۱۹	خوبھی	خود بھی	〃	۱۵	سلطانی	سلطانی
۷۲	۲۲	سندراؤ	سدّ راہ	۱۰۲	۳	انکا	اُسکا
۷۳	۲	طبعیت	طبیعت	۱۰۷	۳	جم نغیر	جم غفیر
۷۳	۱۵	ل گئی	ٹل گئی	۱۰۷	۱۲	وسطی ـ نانہ	وسطی زمانہ
۷۳	۲۰	حمایتوں	حمایتیوں	〃	۲۳	سرداراں	سرداروں
۷۶	۱	افسراسیاب خاں	افراسیاب خاں	۱۰۸	۲۴	دراں حالیکہ	دراں حالیکہ
۶۷	۲	〃	〃	۱۱۰	۱۱	بھوکھی	بھوکی
۷۸	۲۱	ہوکیا تو	ہوگیا تو	۱۱۱	۳	بہام	بہائم
۸۰	۱۱	طبعیت	طبیعت	〃	〃	دبواں خاص	دیوان خاص
۸۱	۱۱	〃	〃	〃	۱۹	می نوشیوں	مے نوشیوں
〃	۲۰	معالی بار	تلمبار	۱۱۲	۱۴	بھیجدے	بھیجدیئے
۸۷	۲	باٹن	بائن	۱۱۵	۹	مرگیئے	مرگئے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۵	۲۰	حمایتوں کو	حمایتیوں کو	۱۳۸	۱۰	دواس	دہ اس
۱۱۹	۲	کھترین	کیتھرین	۱۴۴	۱۹	سنزا	سنزا
۱۲۱	۱۳	ڈی باٹن	ڈی باٹن	۱۴۵	۱۰	ریشلیو	ریشلیو
۱۲۲	۸	لوتیر	برنیر	"	۱۱	لوئی سیزدہم	لوئی سیزدہم
۱۲۲	۱۲	ڈی باٹن	ڈی بائن	"	(حاشیہ نمبرا سطر ۱)	میں ہرا	میں مرا
۱۲۳	۱۱	لسپاہ	سپاہ				
۱۲۹	۵	دیگرمے	دیگرے	۱۵۰	۱۲	چھوٹا	جھوٹا
۱۳۰	۲	ایک کروز	ایک کرور	۱۶۱	۱۶	زرآسناؤں	زرآشناؤں
"	۶	نانا فرنولس	نانا فرنویس	۱۶۵	۱۰	نظر میں	نظریں
۱۳۲	۷	سیلے لی	لے لی	"	۱۳	دویول پر	دوبولں پر

تمت